ترجمہ مع تفسیر

الحاج پیر صلاح الدین

ناشر

حکیم مبارک احمد خاں (ایمن آبادی)

قرآن پبلیکیشنز اسلام آباد

اِنتساب
بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم

قرآن حکیم کا نیا ترجمہ دیکھ کر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر تراجم کی موجودگی میں ایک نئے ترجمہ کی کیا ضرورت ہے اور پہلے تراجم میں کونسی کمی رہ گئی ہے جو اس ترجمہ کے ذریعہ پوری کی جا رہی ہے۔

سو جاننا چاہیئے کہ قرآن ایک ایسا سدا بہار اور پُر رونق باغ ہے کہ کوئی مترجم یا مفسّر اس کی مکمّل تصویر کھینچنے اور اس کے رنگ و بُو کی پوری عکاسی کرنے سے قاصر ہے۔ کسی کو کوئی پھول پسند آتا ہے اور کسی کو کوئی۔ کسی کو کوئی رنگ بھاتا ہے اور کسی کو کوئی۔ ہر ایک اپنی استعداد اور ذوق کے مطابق اس بحرِ بے کراں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور دوسروں کو بہرہ ور کرتا ہے۔

پس یہ بھی قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ اس کا ہر ورق ہر آن ایک نئی بہار دیتا ہے اور کسی مصوّر کا قلم اس کے حُسن و جمال اور رنگ و بُو کی مکمّل عکاسی کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن حکیم کا نیا ترجمہ پیش کرنے اور اسے مفید بنانے کے لئے ہم نے مندرجہ ذیل اُمور کو پیشِ نظر رکھا ہے:-

۱۔ ترجمہ بامحاورہ کیا ہے تاکہ پڑھنے والے کی سماعت پر گراں نہ گذرے۔

۲۔ ہر ایک زبان میں محذوفات استعمال ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں اور خصوصاً قرآن میں ان کا استعمال بہت کثرت سے ہے۔ عِلمِ بیان کے علماء کا کہنا ہے کہ رُبَّ اشارۃٍ ابلغ من عبارۃٍ یعنی بعض دفعہ کسی مضمون کو اشارۃً بیان کرنا اسے کھول کر بیان کرنے سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ الفاظ کا مقصد مفہوم کو ادا کرنا ہے۔ پس اگر کوئی مفہوم بغیر الفاظ کے ادا ہو جائے تو اس کو ملفوظ کرنا فصاحت کے منافی ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے فرمایا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (۱۲ : ۲۵) اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے: اس عورت نے یوسف کو ورغلانے کی پوری کوشش کی اور یوسف نے اس سے بچنے کی پوری کوشش کی۔ اگر یوسف نے اپنے ربّ کا روشن نشان نہ دیکھا ہوتا ـــــ یہ عبارت پڑھ کر دماغ میں یہ مفہوم اُبھرتا ہے کہ اگر یوسف نے اپنے ربّ کا روشن نشان نہ دیکھا ہوتا تو وہ اس عورت کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاتا یا ایسے زبردست ضبط کا مظاہرہ

نہ کرسکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن قرآن نے ایک ماحول پیدا کر کے بات کو چھوڑ دیا ہے۔ اس سے ایک تو اختصار کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو بلاغت کی جان ہے دوسرے مفہوم محدود نہیں ہوتا لیکن چونکہ اُردو کے قارئین ایسی طرزِ کلام سے آشنا نہیں اس لئے ان کی سہولت کے لئے جہاں کہیں ضروری سمجھا گیا ہے محذوفات کو ملفوظ کر دیا گیا ہے۔

۳۔ عربی زبان میں بعض دفعہ ایک جُملہ سابقہ جُملے پر عطف ہوتا ہے۔ جو جُملہ عطف ہوتا ہے اسے معطوف کہتے ہیں اور جس جُملہ پر وہ عطف ہوتا ہے اسے معطوف علیہ کہتے ہیں۔ وہ لفظ جس کے ذریعہ معطوف معطوف علیہ پر عطف ہوتا ہے حرفِ عاطف کہلاتا ہے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معطوف علیہ کے متعلق مضمون محض حرفِ عطف ثم۔ و۔ وغیرہ لانے سے مکرر ادا ہو جاتا ہے۔ اردو محاورہ کے پیشِ نظر جہاں کہیں ضروری سمجھا گیا ہے معطوف علیہ کا یہ مضمون دُہرا دیا گیا ہے تاکہ مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ مثال کے لئے دیکھئے ۲ : ۱۱۷، ۳۷ : ۵۱، ۳۷ : ۸۳، ۶۲ : ۴، ۶۶ : ۱۳، ۶۲ : ۷۲، ۵ - ۴ : ۷۲، ۱۷ : ۷۲

اِسی طرح بعض دفعہ عطف مقدر عبارت پر ہوتا ہے یعنی ایک ایسی عبارت پر جو اگرچہ لفظاً بیان نہیں کی گئی ہوتی اس کا مضمون سابق عبارت سے خود بخود اُبھر رہا ہوتا ہے۔ چونکہ اُردو زبان اس طرزِ بیان سے نا آشنا ہے اِس لئے ایسے مواقع پر مقدر عبارت کو ملفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ تسلسل قائم رہے۔ مثال کے لئے دیکھئے ۶ : ۵۶، ۶ : ۹۳، ۷ : ۶۴، ۱۰ : ۱۲، ۱۰ : ۳۸، ۱۰ : ۱۰۴

۴۔ فَ بعض دفعہ نتیجہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ مضمون جس سے نتیجہ مرتب کیا جاتا ہے ملفوظ نہیں ہوتا لیکن عبارت ماسبق میں اس کا مفہوم پیدا ہو رہا ہوتا ہے۔ جہاں کہیں ضرورت سمجھی گئی ہے ایسے مفہوم کو ملفوظ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ۲ : ۶۱ میں فرمایا وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ اِس کے لفظی معنی ہیں: جب موسٰی نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی اور ہم نے اسے کہا اپنے عصا کو اس پتھر پر مار چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

چونکہ عام پڑھنے والا یہ اثر لے سکتا ہے کہ محض ہمارے یہ کہنے سے کہ تو پتھر پر عصا مار پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اِس کا مندرجہ ذیل ترجمہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے کہا: اپنے عصا کو اُس پتھر پر مار چنانچہ اس نے ایسا کیا اور اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

۵۔ بعض دفعہ مضمون کی وضاحت کے لئے ضمائر کو اسم ظاہر سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۶۔ **التفات**:۔ عرب لوگ دورانِ گفتگو میں ضمائر بدلتے رہتے ہیں کبھی اپنے لئے متکلّم کے بعد

غائب کا صیغہ استعمال کر لیتے ہیں کبھی مخاطب کے لئے غائب کا وغیرہ وغیرہ۔ علم ادب میں اسے التفات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن نے تصریفِ ضمائر میں بھی ایک مضمون پیدا کر دیا ہے چنانچہ جب متکلّم سے غائب کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے بُعد اور دُوری کا مفہوم پیدا کرنا منظور ہوتا ہے[1] یعنی یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ تم ہم سے دُور ہو گئے ہم تم سے دُور ہو گئے۔

جب مخاطب سے غائب کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے نفرت اور بیگانگی کا مفہوم پیدا کرنا منظور ہوتا ہے یعنی یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ تم ہماری نظروں سے ایسے گر گئے ہو کہ اب التفات کے قابل نہیں رہے[2]۔

جب واحد متکلم سے جمع متکلم کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے اپنی کبریائی اور بُعد کی طرف توجّہ دلانا مقصود ہوتا ہے[3]۔

جب غائب سے متکلم کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے اپنی کبریائی اور عنایات کی طرف توجّہ دلانا[4] یا ترہیب میں شدت پیدا کرنا منظور ہوتا ہے[5]۔

جب غائب سے مخاطب کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ بات جو پہلے عقل ونقل کے پردہ میں چھپی ہوئی تھی دفعۃً کھُل کر سامنے آگئی ہے۔ گویا ایک طرف تو اس استعجاب اور حیرانگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے جو پردوں کے دفعۃً چھٹ جانے سے دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اس رحمت اور عنایت کا اظہار مقصود ہوتا ہے جس کو دیکھ کر رُوح خود بخود سجدے میں گر جاتی ہے مثلاً سورۃ فاتحہ میں پہلے غائب کے صیغہ میں فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ لیکن ان صفات کے بیان کرنے کے بعد گویا محبوب کے رُخ سے پردہ ہٹ گیا اور وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور

---

[1] ۱۶ : ۱۰۲، ۴۵ : ۳۶ - اسے صنعت الابعاد کہتے ہیں ۔

[2] ۱۰ : ۲۳، ۱۰ : ۵۱ - یہ بھی صنعت الابعاد ہے ۔

[3] ۷ : ۳۷، ۷ : ۱۴۷ ۔

[4] ۶ : ۱۰۰، ۷ : ۵۸، ۱۶ : ۵۶، ۷۶، ۱۲۳، ۱۷ : ۲، ۴۲-۵۴، ۳۵ : ۲۸ ۔

[5] ۱۶ : ۵۲ ۔

رُوح کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ بے تاب ہو کر اس کی درگاہ میں سجدے کرنے لگے۔ لہٰذا اس کے بعد مخاطب کی ضمائر استعمال کیں اور فرمایا اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ۔

جب زجر و عتاب کے وقت غائب سے مخاطب کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے اظہار ناراضگی میں شدت کا مفہوم پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے[1]۔

جب واحد غائب سے یا جمع متکلم سے واحد متکلم کی طرف التفات کیا جاتا ہے تو اس سے قُرب محبت اور التفات کا اظہار مقصود ہوتا ہے[2]۔

جب جمع متکلم سے مخاطب کی طرف انتقال کیا جاتا ہے تو اس سے برائت کا اظہار منظور ہوتا ہے[3]۔ یعنی یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ اس فعل کے تم خود ذمّہ دار ہو میں اِس سے بری الذِمّہ ہوں۔

عموماً جب ضمائر ذاتِ احدیت کے متعلق استعمال ہوں تو واحد غائب سے شان اور بُعد کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ جمع متکلم سے کبریائی اور عنایات یا سطوت کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور واحد متکلم سے قُرب یا احدیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

چونکہ اردو زبان التفات ضمائر کے طریق سے نابلد ہے اِس لئے جہاں سمجھا گیا ہے کہ اِس سے قاری کو اُلجھن ہوگی لفظی ترجمہ ترک کر دیا گیا ہے۔

پھر اِس کتاب میں ہم نے اِسی بات پر اکتفا نہیں کی کہ ترجمہ کو عام فہم رنگ میں پیش کیا ہے قرآن حکیم کی مشکل آیات کا نحوی حل دیا ہے۔ بعض ضروری مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور پھر ایک مستقل مضمون ربط آیات کا باندھا ہے جس میں ہر آیت کا دوسری آیت سے اور ہر سُورۃ کا ماقبل اور مابعد کی سُورۃ سے تعلق بیان کیا ہے۔

محاورات

ذیل میں قارئین کی سہولت کے لئے عربی کے بعض محاورات کی توضیح کی جاتی ہے تاکہ انہیں قرآن سمجھنے میں آسانی ہو:-

۱- افعل التفضیل کا صیغہ اکثر کسی دوسری چیز کے مقابلہ میں برتری اور فضیلت کے اظہار کے لئے

---

[1] ۸۰ : ۴ ✤ [2] ۲۰ : ۴۰ - ۴۴ - اسے صنعت الالتفات کہتے ہیں ✤

[3] ۱۲ : ۹، ۱۰ ✤

استعمال ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ یہ صرف زور دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن نے اکثر اعلم عالم کے معنوں میں اور احسن حسن کے معنوں میں استعمال کیا ہے (جلالین زیر آیت ۶۸ : ۸ ، ۴۶ : ۱۷)

۲۔ جب یہ کہنا مقصود ہو کہ بکر نے استہزاء کیا اور زید نے اس کا جواب دیا یا اس کو رد کیا یا اسے اس کی سزا دی تو عربی روزمرہ میں یہی کہیں گے کہ زید نے بھی استہزاء کیا لیکن اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اس نے اسے اس کے استہزاء کی سزا دی یا اس کا استہزاء اس پر واپس لوٹا دیا۔

قرآن مجید میں یہ محاورہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ قَالُوٓا ۔۔۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ (۲ : ۱۶) کے معنے ہیں انہوں نے کہا ہم تو محض ٹھٹھا کر رہے ہیں۔ اللہ انہیں ان کے ٹھٹھے کی سزا دے گا یا ان کا ٹھٹھا انہیں پر واپس لوٹا دے گا۔

یَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ (۸ : ۳۱) کے معنے ہیں انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے ان کی تدبیر کا رد کیا۔

وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا (۱۲ : ۲۵) کے معنے ہیں اُس عورت نے یوسف کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کی پوری کوشش کی اور یوسف نے اس کے دامِ تزویر سے بچنے کی پوری کوشش کی۔

۳۔ جب کسی فعل کے بعد اس کی تائید کے لئے مصدر یا اسم استعمال ہو تو اس تکرار کا مقصد مضمون میں زور پیدا کرنا ہوتا ہے۔ پس وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (۲ : ۶۱) کا صحیح ترجمہ یہ نہیں کہ: حد سے مت نکلو فساد کرتے ہوئے سرزمین میں ——— بلکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: زمین میں سرکشی اور فساد نہ کرو۔ کیونکہ اُردو زبان میں زور پیدا کرنے کے لئے ہم معنی لفظ لاکر تکرار کا مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔

۴۔ سَبْعُوْنَ کے لفظی معنے ستر کے ہیں لیکن اکثر یہ لفظ کثرتِ تعداد کے لئے بولا جاتا ہے۔ (مثال کیلئے دیکھو ۹ : ۸۱)

اسی طرح سَبْعَ کے لفظی معنے سات کے ہیں لیکن اکثر اس کا استعمال عددِ کامل کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس کے معنے کثرت کے ہوتے ہیں۔ (مثال کے لئے دیکھو ۲ : ۲۶۲ ، ۲۳ : ۱۸)

۵۔ اَنْ کے معنے ہیں تا کہ لیکن بعض دفعہ اس کے بعد لَا محذوف ہوتا ہے اور اس کے معنے ہوتے ہیں اَنْ لَا یعنی تا کہ ایسا نہ ہو یا تا کہ تم ایسا نہ کرو۔ مثلاً ۶ : ۲۶ میں اَنْ یَّفْقَھُوْہُ کے معنے ہیں ان لا یفقھوہ۔ ۱۶ : ۱۶ میں اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ کے معنے ہیں ان لا تمید بکم (جلالین) ۲۲ : ۶۶ میں اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ کے معنے ہیں ان لا تقع علی الارض۔ ۲۴ : ۲۳ میں وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَ

اَلسَّاعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا کے معنے ہیں ان لا یؤتوا۔

۶۔ بَلْ کے معنے عموماً 'نہیں' کے کئے جاتے ہیں لیکن اکثر اس طرح مفہوم پورا ادا نہیں ہوتا۔

بَلْ کا استعمال ۲ دو طرح ہوتا ہے استفتاحاً یا اضراباً۔ اگر استفتاح کے لئے ہو تو اس کا ترجمہ ہوگا دیکھو! سُنو وغیرہ۔ اگر اضراب کے لئے ہو تو اس کا ترجمہ ہوگا: جو بات تم کہتے ہو درست نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ:

۷۔ بعض دفعہ واحد کی بجائے تثنیہ یا جمع کا صیغہ محض زور دینے کے لئے اور تکرار کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ (۵۰ : ۲۵) کے معنے ہیں ہر ایک بڑے کافر کو جہنم میں ہاں جہنم میں ڈالو۔ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (۲۳ : ۱۰۰) کے معنے ہیں: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے۔ واپس بھیج دے ضرور واپس بھیج دے۔

یاد رہے کہ جمع کا صیغہ تکریم کے لئے بھی بولتے ہیں پس رَبِّ ارْجِعُوْنِ کے یہ معنے بھی ہیں: اے بزرگ و برتر خدا مجھے واپس بھیج دے۔ ایک شاعر کہتا ہے آلا ارحمونی یا الٰہ محمّد۔ یعنی اے محمد کے خدا تجھے تیری بزرگی کا واسطہ مجھ پر رحم کر۔

۸۔ ثَمَّ۔ ھنا اور حیث ظرفِ مکان کے حروف ہیں لیکن بعض دفعہ ظرفِ زمان کے طور پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ (کشاف و بیضاوی زیر آیت ۳ : ۳۸)

۹۔ ثُمَّ عام طور پر التراخی فی الوقت کے لئے بولا جاتا ہے یعنی اس کے معنے ہوتے ہیں پھر۔ اس کے بعد۔ لیکن بعض دفعہ یہ التراخی فی المرتبۃ کے لئے بھی بول لیتے ہیں۔ ایسے موقع پر اس کے معنے ہوتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ؎

فعارٌ ثم عارٌ ثم عـار ٭ شقاء المرء من اکل الطعام

شرم کی بات ہے۔ بہت شرم کی بات بہت ہی شرم کی بات کہ آدمی کھانا کھا کر بیمار ہو جائے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲ : ۳۰) میں ثم کے یہ معنے نہیں کہ وہ زمین کی چیزیں پیدا کرنے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سات مکمل آسمان بنائے کیونکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بنائی گئی ہے جیسا کہ فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (۷۹ : ۳۱) اس کے معنے ہیں: اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات مکمل آسمان بنا دئے۔ (دیکھو بیضاوی)

۱۰۔ مَنْ کا لفظ واحد اور جمع مذکر اور مؤنث سب کے لئے یکساں بولا جاتا ہے اور عموماً اس کے بعد فعل اور ضمیر واحد مذکر ہی کی آتی ہے ۴۳ : ۱۹ میں یہ مؤنث کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جمع میں اس کا استعمال بہت کثرت سے ہوا ہے۔

۱۱۔ مصدر، واحد و جمع۔ مذکر مؤنث، اسم فاعل اور اسم مفعول کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے ۹ : ۱۹ میں عِمَارَةَ اور سِقَايَةَ بطور اسم فاعل استعمال ہوئے ہیں (کشاف و بیضاوی)

بعض دفعہ مصدر امر و نہی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (۲ : ۱۹۸) کے معنے ہیں حج کے دوران نہ کوئی فحش کلامی، نہ گناہ کی کوئی بات اور نہ کوئی جھگڑا جائز ہے۔ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (۲ : ۱۸۵) کے معنے ہیں: وہ یہ گنتی دوسرے دنوں میں پوری کرے۔

۱۲۔ بعض دفعہ لَا زائدہ آتا ہے یعنی اس کا مطلب صرف زور دینا ہوتا ہے۔ مثال کے لئے دیکھئے ۴ : ۶۶، ۲۱ : ۹۶۔

۱۳۔ حَتّٰی جس کے اکثر معنے "حتیٰ کہ" کے کئے جاتے ہیں بعض دفعہ ابتداء کے لئے اور بعض دفعہ عطف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مؤخر الذکر صورتوں میں اس کا صحیح ترجمہ 'دیکھو!' اور 'وغیرہ ہوگا۔

۱۴۔ بعض دفعہ فعل مجہول اس لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر کیا جائے کہ فاعل نے فعل اس قدر تیزی اور جلدی سے کیا گویا اسے اس کے لئے کوئی بیرونی طاقت مجبور کر رہی تھی۔ چنانچہ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ (۱۱ : ۷۹) کے معنے کشاف، بیضاوی، روح البیان، شوکانی اور طنطاوی نے کئے ہیں۔ یسرعون کانھم یدفعون دفعًا۔ اسی طرح وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (۷ : ۱۲۱) کے معنے شوکانی نے کئے ہیں کانما القاھم مُلقٍ۔

بعض دفعہ فعل مجہول یہ بتلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ فاعل کو اس بارے میں کوئی اختیار نہیں وہ مجبور ہے۔ چنانچہ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (۳ : ۸۴) کے معنے ہیں انہیں اس کی طرف لوٹ کر جائے بغیر چارہ نہیں۔

بعض دفعہ فعل معروف یہ بتانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ قدرتی عوامل کے عمل سے ظہور پذیر ہوگا اور فعل مجہول یہ بتلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی بیرونی قوت کے دخل انداز ہونے پر وقوع پذیر ہوگا چنانچہ وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (۵۲ : ۱۱) کے معنے ہیں جب پہاڑ قدرتی عوامل کے نتیجہ میں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۸۱ : ۷) کے معنے ہیں جب دریا کسی بیرونی قوت کی

مداخلت کے نتیجہ میں چڑھیں گے۔ اِس میں پیشگوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ دریاؤں کے آگے بند باندھ کر ان کو بلند کیا جائے گا۔

۱۵۔ بعض دفعہ فعل امر یہ بتلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ہو کر رہے گا چنانچہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا (۹ : ۸۲) کے اگرچہ یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ: چاہیئے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں لیکن اِس کے بہتر معنے یہ ہیں: وہ وقت قریب ہے جب وہ ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ۔

اِسی طرح بعض دفعہ خبر امر کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے چنانچہ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ (۶۱ : ۱۲) کے معنے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

۱۶۔ اِلَّا کے معنے عموماً سوائے کے کئے جاتے ہیں لیکن دراصل اس کے مختلف استعمال ہیں۔

بعض دفعہ یہ بطور استثناءِ متصل استعمال ہوتا ہے یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں شامل ہوتا ہے ایسے موقع پر اس کے معنے سوائے، مگر وغیرہ کے ہوتے ہیں مثلاً قَامَ الْقَوْمُ اِلَّا زَيْدًا تمام قوم کھڑی ہو گئی سوائے زید کے یعنی قوم میں سے زید کھڑا نہیں ہوا۔

بعض دفعہ اِلَّا بطور استثناءِ منقطع استعمال ہوتا ہے اِس صورت میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں شامل نہیں ہوتا۔ ایسے مواقع پر اکثر سوائے اور مگر وغیرہ معنے درست نہیں رہتے چنانچہ قام القوم اِلَّا حمارًا کے معنے ہیں: تمام قوم کھڑی ہوگئی لیکن گدھا کھڑا نہ ہوا۔ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ (۸۸ : ۲۴) کے معنے ہیں: لیکن وہ لوگ جنہوں نے روگردانی کی اور کُفر کی راہ اختیار کی۔ اِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضٰهَا (۱۲ : ۶۹) کے معنے ہیں: اس کا صرف اتنا فائدہ ہوا کہ یعقوب کے دِل کی خواہش پوری ہوگئی۔ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (۴۲ : ۲۴) کے معنے ہیں: میں اپنی خدمات کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں اللہ کا قُرب حاصل کرنے کی محبت پیدا ہو۔ اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۸۴ : ۲۶) کے معنے ہیں: رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ (۲۷ : ۱۱) کے معنے ہیں: میرے رسولوں کو میرے حضور کوئی خوف نہیں اور نہ ہی ان لوگوں کو جو ظُلم کرتے ہیں لیکن اس کے بعد بدی کو نیکی سے بدل دیتے ہیں۔ یہاں اِلَّا وَلَا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

☆

سَمَا

سَمَاءٌ کے معنے ہیں وہ بلند ہوُا۔ بلند و بالا ہوُا۔ اعلیٰ ہوُا۔ ارفع ہوُا۔ اس کا مصدر سُمُوٌّ اور اسم سَمَاءٌ ہیں۔ سَمَاءٌ کے معنے ہیں کسی چیز کا اُوپر کا حصّہ۔ آسمان۔ بادل۔ کرّۂ فلکی چھت۔ بارش۔ رحمت۔ سماء النعل کے معنے ہیں جُوتی کا اُوپر کا حصّہ جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے۔ اس کے مقابل ارض النعل کے معنے ہیں جُوتی کا وہ حصّہ جو زمین کو لگتا ہے۔ منجد نے اس کے معنے فضا کے بھی کئے ہیں۔ اس کے معنے زمین یا کسی دوسرے ستارے کے حیّزہ لا نقطہ کے بھی ہوسکتے ہیں۔ قرآن نے اس کے معنے دھوئیں کے بادلوں کے بھی کئے ہیں (۴۱ : ۱۲) یہ لفظ اجرامِ فلکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (بیضاوی ۲ : ۳۰) چونکہ سماء کے معنوں میں بلندی و بالائی کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کے معنے سُورج یا ایسے ستاروں کے بھی ہوسکتے ہیں جن کے گرد دوسرے اجرامِ فلکی گھومتے ہیں۔ گویا یہ سماء ہیں اور وہ ارض۔ قرآن میں اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا لفظ اکثر UNIVERSE کے لئے بولا گیا ہے۔

جُملہ اسمیہ

اُردو اور انگریزی میں کوئی فقرہ بغیر فعل کے نہیں ہوسکتا لیکن عربی زبان میں جُملہ اسمیہ بغیر فعل کے ہوتا ہے۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ ایسا جُملہ زمانہ کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس کے معنے ہیں سوائے اللہ کے نہ کبھی کوئی خدا موجود تھا نہ کوئی خدا موجود ہے اور نہ کبھی کوئی خدا موجود ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ابدی اور ازلی صفات جس خوبی سے جُملہ اسمیہ سے ادا ہوسکتی ہیں جُملہ فعلیہ سے نہیں ہوسکتیں اِسی لئے خدا تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ اس کی آخری شریعت اسی زبان میں نازل ہو جو ان خصوصیّات کی حامل ہے۔

جنّت اور دوزخ

قرآن اہلِ جنّت اور دوزخ کے اپنے اپنے مقام میں قیام کو کہیں خالدین فیہا اور کہیں خالدین فیہا ابدا کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔ خَلَدَ کے معنے ہیں وہ رہا۔ وہ ایک لمبا عرصہ رہا۔ (اقرب)۔ ابدا کے معنے ہیں وہ متواتر رہا۔ (اقرب)

یہ قرآن کا حُسنِ بیان ہے کہ اگرچہ دونوں کے لئے ایک ہی ایسے لفظ بیان کئے گئے ہیں ان کے مفہوم میں فرق رکھا گیا ہے جو کہ قرآن کی دوسری آیات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

سورہ ہود ۱۰۷ تا ۱۰۹ میں اہلِ جہنّم اور اہلِ جنّت کے متعلق فرمایا ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ یعنی وہ لوگ جو بدبخت ہیں جہنّم میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں ان کا کام رونا اور چلّانا ہوگا۔ وہ جہنّم میں اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ ہاں اگر تیرا ربّ (ان کے عذاب کو ختم کرنا) چاہے تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یاد رکھ! تیرا ربّ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جو خوش نصیب ہیں جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ وہ اس میں اس وقت تک رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ ہاں اگر تیرا ربّ (اپنے انعام کو بڑھانا) چاہے تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی سُنّت یہ ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو پھر اپنا انعام خود بخود منقطع نہیں کرتا۔ اِن آیات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ افعال مذمومہ جو زمین و آسمان کے اندر کئے گئے ان کی سزا کی آخری گھڑی زمین و آسمان کے قیام سے نہیں بڑھ سکتی۔ گناہ کیا ہے حدِ میزان کو توڑنا (۵۵: ۸-۹) لیکن جب زمین و آسمان ہی نہ رہے تو میزان کہاں رہا اور جب میزان ہی نہ رہا تو اس کو توڑنے کی سزا کیوں پس وہ افعال جو زمین و آسمان کے اندر محدود تھے ان کی سزا اس حد سے باہر نہیں دی جائے گی۔ البتہ اگر خدا چاہے تو اس سے پہلے بھی یہ سزا معاف کر سکتا ہے۔

اسی طرح وہ افعالِ حسنہ جو زمین و آسمان کی حدود میں محدود ہیں ان کے اجر کا حق اس حد سے باہر پیدا نہیں ہوتا یا ان کے اجر کی مدّت زمین و آسمان کی مدّت سے بڑھ نہیں سکتی کیونکہ وہ افعال بہر حال محدود

ہیں۔ البتہ اگر خدا چاہے تو عاملین کو ایسا اجر دے سکتا ہے جو ان کے اعمال کے مطابق نہیں بلکہ ان کی نیّات کے مطابق ہو۔ آیت کا آخری ٹکڑا کہ اس کی سُنّت یہی ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو اپنا انعام خود بخود منقطع نہیں کرتا ظاہر کرتا ہے کہ اہلِ جنّت کا انعام منقطع نہیں کیا جائے گا۔

قرآن کہتا ہے کہ جنّت دائمی نعمت کا مقام ہے (۹ : ۲۱) اور اہلِ جنّت جنّت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے (۱۵ : ۴۹) اور ان کا اجر دائمی اور غیر منقطع ہو گا (۴۱ : ۹) لیکن دوزخ ایک ایسا مقام ہے جس میں ہر ایک داخل ہو گا (۱۹ : ۷۲) اور اہلِ دوزخ دوزخ میں سالہا سال رہیں گے (۷۸ : ۲۴) پس دوزخ ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ بعض لوگ تو اس میں بہت تھوڑے عرصہ کے لئے داخل ہوں گے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے (۷ : ۱۵۷) دوزخ اس سے باہر نہیں۔ اس کی صورت ہسپتال کی سی ہے جہاں لوگوں کی بیماریوں کا علاج ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کو ماں سے تشبیہہ دی ہے (۱۰۱ : ۱۰) اور اسے اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت بتلایا ہے (۵۵ : ۴۲)

قرآن کہتا ہے کہ بُرے اعمال کرنے والے اپنے اعمال کے مطابق سزا پائیں گے (۴۰ : ۴۱) تمام لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق مدارج ملیں گے (۴۶ : ۲۰) اِن آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہنّم کے مختلف مدارج ہوں گے۔ پس کیا بہ اعتبار مدّت کے اور کیا بہ اعتبار شدّت کے ہر ایک کا جہنّم علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہو گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن میں جہاں کہیں اہلِ دوزخ کے دوزخ میں رہنے کا ذکر ہے اسمِ فاعل بطور فعل معروف استعمال کیا گیا ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود دوزخ میں رہنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔

پھر جہاں یہ ذکر ہے کہ اہلِ دوزخ دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے اسم فاعل بطور فعل معروف استعمال کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (۲ : ۱۶۸) وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا (۵ : ۳۸) یعنی وہ اپنی کوشش سے دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے۔ لیکن جنّت کے متعلق اسم مفعول بطور فعل مجہول استعمال کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (۱۵ : ۴۹) یعنی وہ جنّت سے نہیں نکالے جائیں گے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ دوزخ کی خواہش ہو گی کہ وہ دوزخ سے نکل جائیں لیکن وہ خود بخود نہیں نکل سکیں گے۔ لیکن اہلِ جنّت کی نہ نکلنے کی خواہش ہو گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔

قرآن دوزخ کے متعلق کہتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (۱۰۴ : ۷، ۸)

کہ یہ ایک ایسی آگ ہے جو دِلوں پر چڑھ جاتی ہے۔ اور اہلِ دوزخ کے متعلق کہتا ہے لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ (۴۰ : ۱۱) جس قدر تم اپنے آپ سے بیزار ہو اللہ تم سے اس سے بڑھ کر بیزار ہے پھر فرماتا ہے لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ (۳ : ۷۸) یعنی قیامت کے دن اللہ اہلِ دوزخ سے کلام نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

پس دوزخ کم و بیش اس قلبی اضطراب کا نام ہے جب آنکھیں تو کُھل جائیں گی لیکن محبوب کا چہرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ دل چاہے گا کہ وہ کلام کرے لیکن وہ کلام نہیں کرے گا۔ آنکھیں نگاہِ ناز کو ڈھونڈیں گی لیکن نگاہِ ناز اس طرف کا رُخ نہیں کرے گی۔ دِل چاہے گا کہ اِک نگاہ دِل کے آرپار ہو جائے اور اسے سب کدورتوں سے پاک کر دے لیکن وہ نگاہ میسر نہیں آئے گی۔ حسرت و نامرادی کی ایک آگ ہو گی جو دِل پر چڑھ رہی ہو گی لیکن جب یہ آگ دِل کو بھسم کر دے گی اور رُوح کو جلا دے گی تو رحمتِ ایزدی جوش میں آئے گی اور جہنّم کی آگ کو ٹھنڈا کر دے گی۔

بعض لوگ خود تو اس سزا کو جو جُرم سے بڑھ کر ہو ظالمانہ قرار دیتے ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہیں کہ وہ ان افعال کی سزا جو ایک محدود زمانہ میں کئے گئے لامحدود زمانے تک دیتا رہے گا حالانکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ اس دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۲ : ۲۸۲، ۳ : ۲۶، ۳ : ۱۶۲، ۶ : ۱۶۱، ۱۶: ۱۱۲، ۳۹ : ۷۰، ۴۵ : ۲۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اپنی فطرت پر بنائی ہے (۳۰ : ۳۱) اور انسان کی فطرت ایسی سزا سے جس میں ظلم کا رنگ پایا جائے گھن کھاتی ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی سزا دے جو فطرت کے خلاف ہو۔ آخر وہ کونسا واضح قرینہ ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بخیل انسان کی رحمت ارحم الراحمین رحمٰن کی رحمت سے بڑھ کر ہے۔ کونسی ماں ہے جو اپنے بچّہ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دے پھر وہ جو ماں سے بڑھ کر رحیم ہے کیونکر اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مخلوق کو دائمی جہنم میں ڈال دے گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اوّلین سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہراتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے (۱۳ : ۲۸، ۱۶ : ۹۴، ۳۵ : ۹، ۷۴ : ۳۲)۔ بے شک اُس نے انسان کو مختار بنایا ہے لیکن بہت حد تک انسان اپنے ماحول سے مجبور رہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی ذمّہ داری خود قبول کرتا ہے اور انسان کو صرف اسی حد تک سزاوار ٹھہراتا ہے جس حد تک اُس نے اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ اور چونکہ انسان کا اختیار محدود ہے اس کی سزا بھی محدود ہو گی۔

اِس جگہ قرآن کے فلسفۂ سزا کا ذکر کرنا خالی از منفعت نہیں ہو گا فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ

خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۲۸ : ۸۵) جو کوئی نیک عمل کرے گا اس کو اس کے عمل سے بہتر اجر ملے گا اور جو کوئی بُرا عمل کرے گا اس کو اس کے عمل کے مطابق اجر ملے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۴۱ : ۴۷) جو کوئی نیک عمل بجالائے گا اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہوگا اور جو کوئی بُرا عمل کرے گا اس کا نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ تیرا رب اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم روا نہیں رکھتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ○ (۴ : ۴۹) اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے سوا کسی اور کو معبود بنایا جائے۔ ہاں اس کے علاوہ جو بھی گناہ ہو وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ یاد رکھو جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بناتا ہے تو بہت ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (۳۹ : ۵۴) اے رسُول اُن سے کہہ۔ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو اللہ تمام گناہ بخش دے گا۔ وہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۲ : ۸۲) یہ لوگ کس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو لوگ بھی بُرے کام کرتے ہیں اور اپنے گناہوں میں گرفتار ہیں۔ دوزخ کے مکین ہیں۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (۴۳ : ۴۹) ہم نے انہیں عذاب میں اسلئے گرفتار کیا تاکہ وہ اپنے افعالِ بد سے باز آجائیں۔

اِن آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سزا انسان کے افعال کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ اگر انسان خدا کے بنائے ہوئے قوانینِ صحت کی پابندی نہیں کرتا تو جسمانی عوارض میں مُبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر وہ اس کے قوانینِ اخلاق کی پابندی نہیں کرتا تو رُوحانی عوارض میں گرفتار ہو جاتا ہے جب انسان قوانینِ صحت کو توڑتا ہے تو اس کے جسم کا ردِّ عمل خود اس کے اپنے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور اس کا جسم فعلِ بد کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سوائے اسکے

کہ ضرب کاری ہو یا متواتر وہ اس کے بداثرات سے بچ جاتا ہے اسی طرح جب انسان روحانیات کے قوانین کو توڑتا ہے تو اس کی رُوح کا ردِّ عمل اس کے افعال سے بیزاری کا اعلان ہوتا ہے اور یہ اعلان ہی یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ (۴ : ۱۸) بن کر اس کی بخشش کا باعث بن جاتا ہے اور اس کی رُوح صرف اس صُورت میں ماؤف ہوتی ہے جبکہ کُھلے کُھلے گناہ یعنی شرک پر اصرار کیا جائے۔

چونکہ قرآن کے مطابق سزا کا مقصد یہ ہے کہ مُجرم اپنے طریقِ کار میں اصلاح کرلے (۴۲ : ۴۹) اِس لئے فرماتا ہے کہ مجرموں کو صرف اپنے بڑے بڑے گناہوں کی سزا ملے گی (۴۱ : ۲۸) یعنی ایسے گناہوں کی جو رُوح پر ایک کاری ضرب کا نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

قرآن کے مطابق گناہ ہائے کبیرہ رُوح پر ایک ایسا اثر چھوڑتے ہیں کہ جب تک پُورا پُورا علاج نہ کیا جائے انکا اثر زائل نہیں ہوتا۔ ۶ : ۲۸ ، ۲۹ میں صاف بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کبیرہ گناہوں کے مرتکب کہیں گے کہ اگر ہمیں واپس دُنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان کی راہوں پر چلیں گے لیکن اگر ان کو لَوٹا بھی دیا جائے تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔

لمبی عادت یُوں قلیل مدت میں نہیں ٹوٹ جاتی دوزخ میں ان کی عادتِ بد کا علاج کیا جائے گا اور جب ان کو صحت ہو جائے گی تو انہیں جہنّم سے نکال لیا جائے گا۔

اِس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن نے دوزخ کے عارضی ہونے کا بیان اس طرز سے کیا ہے کہ عوام کالانعام کے دِلوں میں سے اس کا خوف جو کہ اس کی اصل غرض ہے ضائع نہ ہو جائے یقیناً اگر یہ اسلوبِ بیان اختیار نہ کیا جاتا تو زجر و توبیخ کا فائدہ بہت حد تک کم ہو جاتا۔

قرآن کی عجیب شان ہے کہ اس کے قشر کو دیکھو تو سزا اور عذاب سے بھرا پڑا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس تک عوام کی رسائی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ان پر اثر کرتی ہے لیکن اگر اس کے مغز کو دیکھو تو رحمت کا بحرِ بیکراں ہے۔ عفو ہی عفو ہے۔ رحم ہی رحم ہے۔ ؎

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو دیکھا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

رسولِ عربی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم جن سے بہتر کوئی قرآن کو نہیں سمجھ سکتا فرماتے ہیں: یاتی علےٰ جھنّم زمان لیس فیھا احد ونسیم الصباء تحرّکُ ابوابھا (معالم التنزیل زیر آیت

۱۱: ۱۰۷) کہ جہنّم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی نہیں ہوگا اور ہوا اس کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔

تمام اہلِ علم جانتے ہیں کہ اگر وعید پُورا نہ کیا جائے تو یہ وعدہ خلافی نہیں پس اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ قرآن نے کافروں کو ابدی جہنّم کے وعید سے ڈرایا ہے تو بھی خدا تعالیٰ کی ازلی اور ابدی رحمت کے عین مطابق ہے کہ وہ اہلِ جہنّم سے درگذر فرمائے اور ان کی اصلاح کرنے کے بعد ان کو جہنّم سے باہر نکال دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ پھر اُس سے کیا بعید ہے کہ اس کا رحم زمان و مکان کی قیود کو توڑ ڈالے اور ابدیت کی حدوں کو مختصر کر دے۔ کون جانتا ہے کہ رحمان کی رحمت کے کیا کیا ڈھنگ ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے اس کی رحمت کا احاطہ کر لیا ہے۔

المقطعات

لغوی طور پر تمام حروفِ تہجّی کو المقطعات کہتے ہیں لیکن عرفاً اس سے مُراد وہ حروف لئے جاتے ہیں جو بعض سُورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں۔ مقطعۃ کے معنی ہیں قطع کیا ہُوا۔ کٹا ہُوا۔ گویا الحروف المقطعات کے معنی ہیں ایسے حروف لم یصل بعضھا ببعض (طبری) جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔

کُل مقطعات تعداد میں چودہ[14] ہیں اور یہ قرآن میں انتیس دفعہ آئے ہیں مقطعات جن حروف سے بنتے ہیں انہیں الحروف المقطعات کہتے ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل چودہ[14] حروف ہیں:۔

ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ك، ل، م، ن، ہ، ی۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل نقشوں[1] سے ظاہر ہے۔ حروفِ مقطعات حروفِ تہجّی اور ان کی تمام مشہور انواع میں سے ہر ایک نوع کے نصف یا نصف کے قریب ترینتے ہیں:۔

۱۔ الحروف المعجم یعنی حروفِ تہجّی ا، ب، ت، ث، ج، ح، خ، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ك، ل، م، ن، ہ، و، ی۔

(۲۸ میں سے ۱۴)

۲۔ الحروف المھموسۃ یعنی وہ حروف جو کہ بالجہر ادا نہیں کئے جاتے بلکہ پست آواز اور سانس کی مدد سے ادا کئے جاتے ہیں۔ ت، ث، ح، خ، س، ش، ص، ف، ك، ہ۔

---

[1] ان نقشوں میں حروفِ مقطعات کو واضح کرنے کے لئے ان کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

(۱۰ میں سے ۵)

۳ - الحروف المجھورۃ یعنی وہ حروف جو کہ بالجہر ادا کئے جاتے ہیں۔ ء، ب، ج، د، ذ، ر، ز، ض، ط، ظ، ع، غ، ق، ل، م، ن، و، ی۔

(۱۸ میں سے ۹)

۴ - الحروف الشدیدۃ یعنی وہ حروف جن کی ادائیگی میں آواز کی روانی رکتی ہے۔ ء، ب، ت، ج، د، ط، ق، ك۔

(۸ میں سے ۴)

۵ - الحروف الرخوۃ یعنی وہ حروف جو آسانی سے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں تمام وہ حروف آجاتے ہیں جو شدیدہ میں نہیں آتے۔ ث، ح، خ، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ظ، ع، غ، ف، ل، م، ن، ھ، و، ی۔

(۲۰ میں سے ۱۰)

۶ - الحروف المطبقۃ یعنی وہ حروف جنہیں ادا کرتے وقت تالو زبان پر ڈھکنے کی طرح آجاتا ہے۔ ص، ض، ط، ظ۔

(۴ میں سے ۲)

۷ - الحروف المنفتحۃ یعنی وہ حروف جنہیں ادا کرتے وقت تالو کو کھولنا پڑتا ہے اور زبان تالو سے الگ رہتی ہے۔ ء، ب، ت، ث، ج، ح، خ، د، ذ، ر، ز، س، ش، ع، غ، ف، ق، ك، ل، م، ن، و، ہ، ی۔

(۲۴ میں سے ۱۲)

۸ - الحروف المستعلیۃ یعنی وہ حروف جنہیں ادا کرتے وقت زبان تالو کے اوپر کی سمت بلند ہوتی ہے خ، ص، ض، ط، ظ، غ، ق۔

(۷ میں سے ۳)

۹ - الحروف المنخفضۃ یعنی وہ حروف جنہیں ادا کرتے وقت زبان جھکتی ہے یعنی المستعلیۃ کے علاوہ تمام حروف ء، ب، ت، ث، ج، ح، د، ذ، ر، ز، س، ش، ع، ف، ك، ل،

م ، ن ، ہ ، و ، ی۔

(۲۱ میں سے ۱۱)

۱۰۔ الحروف القلقلة یعنی وہ حروف جن کی ادائیگی کے وقت زبان مُضطرب ہوتی اور لرزتی ہے۔ ب ، ج ، د ، ط ، ق۔

(۵ میں سے ۲)

بعض مفسرین مقطعات کے معنی نہیں کرتے لیکن یہ خیال کہ خدا تعالیٰ کی آخری شریعت میں بعض بے معنی الفاظ ہیں درست نہیں۔ قرآن کا ہر ایک حرف اور ہر ایک نقطہ اپنے اندر معانی کا ایک سمندر رکھتا ہے اور جس طرح انسان کا علم اللہ تعالیٰ کے افعال کا احاطہ نہیں کر سکتا اسی طرح اس کے کلام کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

اِس بات کے شواہد موجود ہیں کہ خود رسُول پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور بعض دیگر اکابرین نے مقطعات کے معنی کئے ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا الم آپؐ کی وحی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا تو پھر آپؐ کا زمانہ صرف اکہتّر سال ہے (ا = ۱ ، ل = ۳۰ ، م = ۴۰) پھر اُس نے کہا کیا آپؐ کی وحی میں اِس کے علاوہ اَور بھی کچھ ہے۔ آپؐ نے فرمایا المص (ص = ۹۰) وہ کہنے لگا پھر آپؐ کا زمانہ ایک سَو اکسٹھ سال ہے۔ پھر اس نے کہا کیا اِس کے علاوہ اَور بھی کچھ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا الر (ر = ۲۰۰) وہ کہنے لگا پھر آپؐ کا زمانہ دو سَو اکتیس سال ہے۔ پھر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ اَور بھی کچھ ہے۔ آپؐ نے فرمایا المر۔ وہ کہنے لگا پھر آپؐ کا زمانہ دو سو اکہتر سال ہے۔ بہر حال ہم نہیں جانتے کہ آپؐ کے زمانہ کا اندازہ آپؐ کی وحی کے سب سے کم اعداد سے کیا جائے یا سب سے زیادہ سے۔ (رازی و شوکانی زیر آیت الم)

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمل کے حساب سے مقطعات کی تشریح قبول کی۔ اگر ان حروف کے کوئی معنی نہ تھے تو حضورؐ کو لمبی بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ شروع ہی میں کہہ دیتے کہ ان حروف کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ جو کہ اسلاف میں علمِ قرآن کی وجہ سے مشہور ہیں الم کے معنی اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں کرتے ہیں (رازی زیر آیت الم)۔

مشہور نحوی الزجاج اور تمام متکلمین مقطعات کے معنی کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں بعض کہتے ہیں کہ چند مقطعات مل کر اللہ تعالیٰ کی صفات کے نام بنتے ہیں مثلاً الر، حم، ن مل کر الرحمٰن بنتا ہے۔ بعض ان کی تشریح جمل[1] کے حساب سے کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اسلامی تاریخ کے مشہور واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (رازی)

یہ عجیب بات ہے کہ حروفِ مقطعات کُل چودہ[14] ہیں یعنی حروفِ معجم کے نصف۔ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ہوگی اور بڑے بڑے عجائب ظہور میں آئیں گے۔ گویا جس طرح حروفِ مقطعات اپنی تعداد کے اعتبار سے حروفِ معجم کو دو[2] حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں اسی طرح چودھویں صدی اسلامی تاریخ کو دو[2] حصّوں میں تقسیم کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق نے بعض مقطعات کی تشریح فرمائی ہے جو درج ذیل کی جاتی ہے:۔

الم	اَنَا اللّٰہُ الْمَجِیْد	مَیں اللہ ہوں بہت بزرگی والا۔
المص	اَنَا اللّٰہُ المقتدر الصّادق	مَیں اللہ ہوں بہت قدرت والا صادق القول والفعل۔
الر	اَنَا اللّٰہُ الرّؤف	مَیں اللہ ہوں بہت مہربان۔
المر	اَنَا اللّٰہُ المحی الممیت الرّزاق۔	مَیں اللہ ہوں زندگی بخشنے والا، موت دینے والا، رزق دینے والا۔
کھیعص	اَنَا الْکَافِی والھَادی الولی العالم الصّادق الوعد۔	مَیں تمام مخلوق کی ضروریات پُوری کرنے کے لئے کافی ہوں۔ گمراہوں کو ہدایت دیتا ہوں۔ نظامِ عالم کا محافظ و نگران ہوں۔ ہر چیز کو جانتا ہوں۔ اپنے وعدہ کا سچّا ہوں۔
طٰہٰ	یَا طالب الحق الھادی الیہ	یہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اِس کے معنے ہیں اے خدا کے طالب اور اس کی طرف ہدایت کرنیوالے۔

---

[1] جمل کے حساب سے حروفِ تہجی کے مندرجہ ذیل اعداد ہیں:۔

ا (۱)، ب (۲)، ج (۳)، د (۴)، ہ (۵)، و (۶)، ز (۷)، ح (۸)، ط (۹)، ی (۱۰)، ک (۲۰)، ل (۳۰)، م (۴۰)، ن (۵۰)، س (۶۰)، ع (۷۰)، ف (۸۰)، ص (۹۰)، ق (۱۰۰)،
ر (۲۰۰)، ش (۳۰۰)، ت (۴۰۰)، ث (۵۰۰)، خ (۶۰۰)، ذ (۷۰۰)، ض (۸۰۰)، ظ (۹۰۰)، غ (۱۰۰۰)۔

طسم	انا الطالب السمیع المبدیٔ المعید۔	مَیں وہ خدا ہوں جو اپنے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے کی تلاش میں رہتا ہے۔ ان کی دعائیں سُنتا ہے۔ ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور اپنے فعل کو بار بار دُہراتا ہے۔
طس	انا الطالب السمیع العلیم	مَیں وہ خدا ہوں جو اپنے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے کی تلاش میں رہتا ہے اور ان کی دعائیں سُنتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔
یس	یا ایّھا السّامع الوحی	یہ رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اِس کے معنی ہیں اے وحی کے سُننے والے۔
ص	والصّادق	مَیں سچے خدا کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔
حم	والحمید والمجید	مَیں حمید و مجید خدا کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔
حم عسق	انا الحکیم المثیب العالم السمیع القادر القوی۔	مَیں صاحبِ حکمت۔ ثواب دینے والا۔ جاننے والا۔ سُننے والا۔ قادر اور قوی خدا ہوں۔

(دیکھو قرآنِ عظیم (فارسی) از فیض الاسلام)

ن کے متعلق حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن نے حضرت رسُولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے پانچ نام بیان کئے ہیں یہ ان میں سے ایک ہے باقی چار محمدؐ، احمد، عبداللہ اور یاسین ہیں (قرآنِ عظیم)

زمانۂ حال کے علماء میں سے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کا کہنا ہے کہ مقطعات سُورۃ فاتحہ کی کلید ہیں۔ تمام علماء کا اِس بات پر اتّفاق ہے کہ سُورۃ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے۔ حضرت میر صاحب کے نزدیک فاتحہ قرآن کی کلید ہے اور مقطعات فاتحہ کی۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کا پہلا لفظ اِسے شروع ہوتا ہے اور آخری ن سے اور سُورۃ فاتحہ بھی اِسے شروع ہوتی ہے اور ن پر ختم ہوتی ہے۔ اور حروفِ مقطعات بھی اِسے شروع ہوتے ہیں اور ن پر ختم ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ کُل حروفِ تہجّی ۲۸ ہیں حروفِ فاتحہ[1] ۲۱ ہیں حروفِ مقطعات ۱۴ ہیں جو سب فاتحہ میں

[1] حروفِ فاتحہ:۔ ا، ب، ت، ح، د، ذ، ر، س، ص، ض، ط، ع، غ، ق، ک، ل، م، ن، و، ہ، ی۔

موجود ہیں۔ فاتحہ کی کُل آیات ۷ ہیں اور ان میں سے کوئی آیت حروفِ مقطعات سے خالی نہیں۔ گویا حروفِ تہجی میں سے سات ایسے ہیں جو فاتحہ میں نہیں آئے اور حروفِ فاتحہ میں سے سات ایسے ہیں جو مقطعات میں نہیں آئے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ حروف کے اعتبار سے مقطعات ½ فاتحہ پر مشتمل ہے اور فاتحہ ¾ حروفِ تہجی پر۔ اگر حروف کو علم کا قائمقام سمجھا جائے تو فاتحہ میں ¾ علم ہے اور مقطعات میں ½۔

مقطعات کا استعمال بطور ABBREVIATIONS ایسا نہیں جو اہلِ عرب کے لئے نیا ہو۔ ایک شاعر کہتا ہے فقلت لها قِفی فقالت قاف۔ میں نے اپنی محبوبہ سے کہا ٹھہر جا اور وہ ٹھہر گئی۔ اس جگہ قاف وقفتُ کی بجائے استعمال ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کفیٰ بالسیف شا۔ یعنی شفاء دینے کے لئے تلوار کافی ہے۔ یہاں ش شافیا کی بجائے استعمال ہوئی ہے۔ (شوکانی زیر آیت الم)

آجکل مقطعات کا الفاظ کی بجائے استعمال بہت عام ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عصرِ حاضر کی ایجاد نہیں عربوں میں اس کا رواج موجود تھا اور قرآن نے اس کو فن کی حیثیت بخشی۔

ذیل میں مقطعات کی مکمل فہرست اور ان کے معانی اور حساب جمل سے ان کے اعداد درج کئے جاتے ہیں مقطعات کے معنے کرنے میں ہم نے حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت امام صادقؓ کے طریق کی پیروی کی ہے:۔

نمبر شمار	مقطعات	حوالہ	معانی	اعداد بحساب جمل	
۱	الم	۲، ۳، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲۔	اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ میں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔	۱ ۳۰ ۴۰	۷۱
۲	المص	۷	انا اللہ العالم الصّادق۔ میں اللہ ہوں سب کچھ جاننے والا۔ صادق القول والفعل۔	۱ ۳۰ ۴۰ ۹۰	۱۶۱
۳	الر	۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵۔	انا اللہ الرائی میں اللہ ہوں سب کچھ دیکھنے والا۔	۱ ۳۰ ۲۰۰	۲۳۱
۴	المر	۱۳	انا اللہ العالم الرائی۔ میں اللہ ہوں سب کچھ جاننے والا، سب کچھ دیکھنے والا۔	۱ ۳۰ ۴۰ ۲۰۰	۲۷۱

۵۔ کھیعص	۱۹	انت کاف وھاد یا اے کہ تُو سب کچھ جانتا العالم الصادق ہے۔ صادق القول والفعل ہے۔ تمام جہان کے لئے تُوہی کافی ہے۔ تُوہی ہادی ہے۔	۲۰ ۵ ۱۰ ۷۰ ۹۰	۱۹۵
۶۔ طٰہٰ	۲۰	یا طالب الحق اے حق کے طالب اور اسکی الھادی الیہ طرف ہدایت کرنے والے	۹ ۵	۱۴
۷۔ طسم	۲۶، ۲۸۔	انا اللطیف مَیں بہت مہربان ہوں۔ السمیع العلیم سب کچھ سُنتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔	۹ ۶۰ ۴۰	۱۰۹
۸۔ طس	۲۷	انا اللطیف مَیں بہت مہربان ہوں السمیع۔ سب کچھ سُنتا ہوں۔	۹ ۶۰	۶۹
۹۔ یٰس	۳۶	یا ایّھا الانسان اے کامل انسان	۱۰ ۶۰	۷۰
۱۰۔ ص	۳۸	انا الصّادق مَیں سچّا خدا ہوں	۹۰	۹۰
۱۱۔ حم	۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶۔	انا الحی القیوم مَیں خدا ہوں جو اپنی ذات میں زندہ ہے خود قائم ہے اور باقی سب کے قیام کا باعث ہے۔	۸ ۴۰	۴۸
۱۲۔ حم عسق	۴۲	انا الحی القیوم مَیں خدا ہوں جو اپنی ذات العلیم السمیع میں زندہ ہے خود قائم ہے المقتدر۔ اور سب کے قیام کا باعث ہے۔ سب کچھ جانتا ہے سب کچھ سُنتا ہے ہر بات پر قادر ہے	۸ ۴۰ ۷۰ ۶۰ ۱۰۰	۲۷۸

۱۳- ق	۵۰	انا القدیر	مَیں قادرِ مطلق ہوں	۱۰۰	۱۰۰
۱۴- ن	۶۸	انا النور او والنون	مَیں تمام جہان کا نُور ہوں یا مَیں سیاہی کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں۔	۵۰	۵۰

۱۷۰۷

قرآن کی تعلیم

قرآن کا نکتۂ مرکزی اللہ ہے۔ یہ نام اس میں ۲۷۰۱ دفعہ آیا ہے۔ جو شخص عربی نہیں جانتا اور قرآن کو صرف ناظرہ پڑھ سکتا ہے وہ بھی یہ اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ ایک ذات ہے جس سے قرآن اپنے پڑھنے والوں کا تعارف کروا رہا ہے۔

قرآن کی تعلیم کی دو بڑی شاخیں ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق اور انسان کا انسان سے تعلق۔

قرآن ہمارے سامنے ایک ایسے خدا کو پیش کرتا ہے جو حیّ اور قیّوم ہے (۲ : ۲۵۶)، ربّ العالمین ہے (۲:۱) رحمٰن اور رحیم ہے (۱ : ۳)، مالکِ یوم الدّین ہے (۱ : ۴)، عزیز اور حکیم ہے (۲۹ : ۴۳)، سمیع اور علیم ہے (۵ : ۷۷) حکیم اور خبیر ہے (۳۴ : ۲)، رحیم اور غفور ہے (۳۴ : ۳)، غنی اور کریم ہے (۲۷ : ۴۱)، رحیم اور ودود ہے (۱۱ : ۹۱)، عالم الغیب والشہادۃ ہے (۵۹ : ۲۳)، عزیز اور جبّار ہے (۵۹ : ۲۴)، علی اور عظیم ہے (۲ : ۲۵۶) حمید اور مجید ہے (۱۱ : ۷۴)، خالق کل شیئ ہے (۵۹ : ۲۵)، ہر عیب سے پاک۔ ہر ضرورت سے بالا ہے (۱۰ : ۶۹) راہِ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے (۱۰ : ۳۶، ۳۳ : ۵)، مجیب الدّعوات ہے (۲ : ۱۸۷)، اپنے متقی بندوں سے کلام کرتا ہے (۴۲ : ۵۱، ۵۲)، بدوں کو سزا دیتا ہے (۴۸ : ۱۸)، نیکوں کو اجر دیتا ہے (۶ : ۸۴) اور ان سے محبّت کرتا ہے (۲ : ۱۹۶، ۱۹ : ۸۷)، جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ باپ اور نہ کوئی ہمسر (۱۱۲ : ۴، ۵)، قرآن کہتا ہے کہ کامل تسلیم و رضا ہی وہ مذہب ہے جو اللہ کو قبول ہے (۳ : ۲۰)، انسانوں کے باہمی تعلق کے متعلق قرآن بنیادی طور پر یہ فرماتا ہے کہ تمام انسان ایک درخت کی شاخیں ہیں ایک ہی جنس ہیں (۴ : ۲) اور انہیں مختلف قبیلوں اور قوموں میں صرف اس لئے تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں ورنہ اللہ کے نزدیک سب سے معزّز وہی ہے جو اپنے فرائض سب سے بہتر طور پر ادا کرتا ہے (۴۹ : ۱۴)۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے ایک قانون میزان بنایا ہے تم اس کو مت توڑو (۵۵ : ۸، ۹) پھر اس بارہ میں تفصیلی ہدایت دیتا ہے۔ مجلس کے آداب سکھلاتا ہے (۵۸ : ۱۲، ۲۴ : ۶۱) بتلاتا ہے کہ ہم باہم ایک دوسرے کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔ ماں باپ کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں (۱۷ : ۲۴، ۲۵) عزیز و اقرباء، ہمسایہ، رفیقِ کار، یتیم اور مسکین کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں (۴ : ۳۷)، اپنی بیویوں کے ساتھ (۲ : ۱۸۸، ۴ : ۲)، اپنے بچّوں کے ساتھ (۶ : ۱۵۲)، بیواؤں کے

ساتھ (۴ : ۲۰) اور دشمنوں کے ساتھ (۵ : ۹) کیسا برتاؤ کریں۔

قرآن کہتا ہے کہ سچ کو اپنا شعار بناؤ (۹ : ۱۱۹) جھوٹ سے پرہیز کرو (۲۲ : ۳۱) زنا (۱۷ : ۳۲) چوری (۵ : ۳۹) قتل (۶ : ۱۵۱) اور خیانت (۸ : ۲۸) سے بچو۔ دشمن قوم سے بھی خیانت نہ کرو (۸ : ۵۹) لغو چیزوں سے پرہیز کرو (۲۳ : ۳) عہد کی پابندی کرو (۵ : ۲) اپنا علم بڑھانے کی کوشش کرو (۲۰ : ۱۱۵) انصاف اور احسان کو اپنا وطیرہ بناؤ (۱۶ : ۹۱) استقلال اور ثابت قدمی کی خو پیدا کرو (۳ : ۲۰۱) شکر گزار بنو (۳۹ : ۶۷) دوسروں کو نیکی کی تلقین کرو (۱۶ : ۱۲۶) وہ بات نہ کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے (۶۱ : ۳) نخوت اور تکبر سے بچو (۴ : ۳۷) بخل اور فضول خرچی سے پرہیز کرو (۱۷ : ۳۰) مزاج میں انکساری پیدا کرو (۲۵ : ۶۴) لوگوں کے ساتھ ملاطفت کے ساتھ کلام کرو (۲ : ۸۴) غصہ کو دباؤ اور لوگوں کو معاف کرو (۳ : ۱۳۴) بدی کے عوض نیکی کرو (۱۳ : ۲۲) اپنا مال اللہ کی راہ میں (۲ : ۲۶۲) اور غریبوں اور مسکینوں پر (۲ : ۲۷۲) خرچ کرو۔ ایک دوسرے کا تمسخر نہ اُڑاؤ نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو (۴۹ : ۱۲) اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو (۲ : ۱۴۱) پاک چیزیں کھاؤ (۲ : ۱۶۹) صفائی کو اپنا شعار بناؤ (۲ : ۲۲۳، ۴ : ۷، ۶) نیکی محض للہ کرو (۴ : ۱۴۷)۔

قرآن ایک ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں دولت صرف چند ہاتھوں میں محدود نہ ہو جائے (۵۹ : ۸)۔

قرآن انسان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد پر قائم کرنے کے لئے بار بار قیامت کے دن کو یاد دلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو یقین نہ ہو کہ ایک دن اس کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا وہ اپنے اعمال کو قاعدہ قانون کے مطابق نہیں ڈھال سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار روزِ قیامت کا ذکر کیا ہے۔ اور صرف ذِکر ہی نہیں کیا مختلف دلائل سے اس کے وقوع پذیر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے اپنی ذات میں فنا پذیر ہے (۵۵ : ۲۷)۔ خدا نے زمین و آسمان باطل نہیں بنائے (۳۸ : ۲۸) جس طریق پر زمین و آسمان بنے اسی کو اُلٹ دینے سے قیامت برپا ہو جائے گی (۲۱ : ۱۰۵) قیامت کی گھڑی زمین و آسمان میں مستور ہے (۷ : ۱۸۸) یعنی اس کا ہر ایک ذرّہ انحطاط پذیر ہے اور اسکی ساخت اِس طرح واقع ہوئی ہے کہ قیامت ناگزیر ہے۔ وہ جس نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا وہی دوسری بار پیدا کرسکتا ہے (۱۷ : ۵۲، ۱۹ : ۶۹) وہ جو زمین و آسمان بنانے پر قادر ہے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے (۴۶ : ۳۴) LAW OF CONSERVATION (۵۰ : ۵) اور سلسلہ تخلیق و ارتقاء قیامت کا ثبوت ہیں (۲۲ : ۶) یہ حقیقت کہ انسان موت پر فتح نہیں پاسکتا بتلاتی ہے کہ موت کے پیچھے کوئی مقصد ہے (۵۲ : ۸۸) جس طرح وہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ مُردوں کو زندہ کر دے گا (۴۱ : ۴۰)

ربطِ آیات

اکثر علماءِ سلف نے ربطِ آیات کے مضمون کی طرف دھیان نہیں دیا بلکہ بعض تو اس کے قائل بھی نہ تھے۔ گذشتہ علماء میں سے ابو مسلم، رازی اور سیوطی نے اِس طرف توجّہ کی ہے۔

جس طرح کائنات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس وقت انسان کا علم ابتدائی مراحل میں تھا اسے کائنات میں کوئی ہم آہنگی نظر نہیں آتی تھی لیکن جُوں جُوں انسان کا علم ترقی کرتا گیا اس پر یہ حقیقت روشن ہوتی گئی کہ تمام اجسامِ فلکی اگرچہ وہ ایک دوسرے سے کروڑوں اربوں میل دُور ہوں ایک لڑی میں منسلک ہیں۔

یہی حال کلامِ الٰہی کا ہے۔ یہ اپنی ذات میں ایک عالم ہے۔ اس کے ہر ایک جزء کا دوسرے اجزاء سے گہرا تعلق ہے۔ ممکن ہے بعض تعلقات ہماری سمجھ میں نہ آئیں لیکن عدمِ علم عدمِ وجود کی دلیل نہیں۔ غور و خوض اور علم کی ترقی کے نتیجہ میں یہ تعلّقات واضح ہو جاتے ہیں۔ اگر کائنات کے نظام میں تبدیلی کر دی جائے تو تمام کائنات درہم برہم ہو جائے گی اسی طرح اگر کسی آیت کے مقام کو بدل دیا جائے تو قرآن کا تمام نظام بگڑ جائے گا۔

اِس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن روایات کی تشریح کر دی جائے جن میں قرآن کے مختلف حروف میں نازل ہونیکا ذکر ہے۔

اِس سلسلہ میں پہلے ہم چند روایات مع ترجمہ درج کرتے ہیں :-

قرأ رجل عند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ، فغیر علیہ، فقال : لقد قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، فلم یغیر علیّ۔ قال: فاختصما عند النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم، فقال : یارسول اللہ، ألم تقرئنی اٰیۃ کذا وکذا ؟ قال: بلیٰ! قال : فوقع فی صدر عمر شیٔ، فعرف النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم ذٰلک فی وجھہٖ، قال : فضرب صدرہ، وقال : ابعد شیطانا!! قالھا ثلاثا، ثمّ قال : یاعمر، إنّ القراٰن کلّہٗ صواب، مالم تجعل رحمۃً عذابًا، او عذابًا

رحمةً - (طبری جلد ۱ صلا ۱۳)

ترجمہ:- ایک شخص نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پڑھا عمر نے اس میں ترمیم کی۔ اس شخص نے کہا میں نے اس حصّہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسی طرح پڑھا تھا لیکن حضورؐ نے اس میں ترمیم نہیں کی۔ اس پر دونو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے۔ اس شخص نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ کیا آپؐ نے یہ آیت مجھے اِس طرح نہیں پڑھائی؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں پڑھائی ہے۔ اِس پر عمر کے دِل میں اُلجھن پیدا ہوئی جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے چہرہ سے بھانپ گئے۔ حضورؐ نے عمر کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا: اے اللہ شیطان کو دُور کر۔ حضورؐ نے یہ عمل تین دفعہ دُہرایا پھر فرمایا: اے عمر قرآن تمام کا تمام ٹھیک ہے جب تک رحمت کے بیان کو عذاب میں اور عذاب کے بیان کو رحمت میں نہ بدل دیا جائے۔

قال رسُول الله صلی الله علیه وسلّم: قال جبریل: اقرءوا القرآن علی حرف. فقال میکائیل: استزده. فقال: علی حرفین. حتّٰی بلغ ستة او سبعة احرف. فقال: کلّها شافٍ کافٍ، مالم یختم اٰیة عذابٍ برحمة، او اٰیة رحمةٍ بعذاب. (طبری جلد ۱ صلا ۱۸)

ترجمہ:- رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے کہا کہ قرآن ایک حرف میں پڑھو۔ میکائیل نے کہا اِس پر استزاد کرو۔ جبریل نے کہا دو میں پڑھ لو۔ میکائیل کے اصرار پر نوبت چھ یا سات تک پہنچ گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ تمام درست اور کافی ہیں مگر تم عذاب کی آیت کو رحمت پر اور رحمت کی آیت کو عذاب پر ختم نہ کرو۔

روی عن ابن مسعود، عن النّبیّ صلی الله علیه وسلّم، انه قال: کان الکتاب الاوّل نزل من باب واحد، وعلی حرف واحد، ونزل القراٰن من سبعة ابواب، وعلی سبعة احرف: زجرٍ، وامرٍ، وحلالٍ، وحرامٍ، ومحکمٍ، ومتشابهٍ، وامثال. فاحلّوا حلالهٗ، وحرّموا حرامهٗ، وافعلوا ما امرتم به، وانتهوا عمّا نهیتم عنهٗ، واعتبروا بامثاله، واعملوا بمحکمه، واٰمنوا بمتشابهه وقولوا اٰمنّا به کلّ من عند ربّنا. (طبری جلد ۱ صلا ۳)

ترجمہ :۔ حضورؐ نے فرمایا: پہلی کتب ایک باب اور ایک (حرف) مضمون میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن قرآن سات ابواب اور سات مضامین میں نازل ہوا ہے یعنی زَجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ، اور امثال میں۔ پس جسے قرآن نے حلال قرار دیا ہے تم اسے حلال قرار دو اور جسے اس نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام قرار دو اور جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس سے بچو اور اس کی امثال سے عبرت حاصل کرو۔ اور اس کے محکمات پر عمل کرو اور اس کے متشابہات پر ایمان لاؤ اور کہو: ہم اس پر ایمان لائے یہ تمام کا تمام ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

اِن روایات سے مندرجہ ذیل باتیں منتج ہوتی ہیں :۔

(۱) قرآن کے سات احرف میں نازل ہونے کے معنی ہیں کہ اِس میں سات قسم کے مضمون بیان ہوئے ہیں۔

(۲) حضورؐ کا یہ فرمانا کہ قرآن کو جیسے چاہو پڑھ لو سوائے اس کے کہ عذاب کی آیت کو رحمت کی آیت سے اور رحمت کی آیت کو عذاب کی آیت سے بدلو۔ اِس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی تنزیل میں کوئی ترتیب نہیں۔ اِس کے صرف اِس قدر معنی ہیں کہ قرآن نے ایک ہی مضمون کو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ خود قرآن فرماتا ہے کذٰلک نصرف الآیات۔ مثلاً عذاب کے مضمون کو کبھی تو خالدین فیھا ابداً کے الفاظ سے ادا کیا ہے کبھی ھم فیھا کالحون کے الفاظ سے کبھی الخسران المبین کے الفاظ سے وغیرہ وغیرہ۔ یہی حال آیاتِ رحمت کا ہے۔ مضمون کو سمجھنے کے لئے ان آیات کو ہر مقام پر پڑھا جا سکتا ہے تا کہ تصویر کے سارے رُخ سامنے آجائیں۔ حضور کا فرمان قرآن کی تفہیم اور تفسیر کے متعلق تھا۔ اس سے تنزیل کی ترتیب کو بدلنے کا جواز نہیں نکلتا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کا ربط دو طرح کا ہے لفظی اور معنوی۔ یہ ایسا ربط ہے کہ کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔

لفظی ربط کا تو کمال یہ ہے کہ جو لوگ عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے وہ بھی تھوڑے عرصہ میں سارے قرآن کو حفظ کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو حفظ کرتے ہیں جانتے ہیں کہ بے ربط عبارت کی ایک دو سطریں بھی حفظ کرنا مشکل ہو جاتی ہیں۔ پس سارے قرآن کا آسانی سے حفظ ہو جانا اور حفّاظ کا بکثرت پایا جانا اِس بات پر دال ہے کہ قرآن میں ایک فطرتی اور صَوتی ربط ہے جو لاشعور کے لئے اس کا حفظ کرنا بہت آسان بنا دیتا ہے۔

معنوی ربط کی یہ صورت ہے کہ جس طرح قرآن کی آیات کے کئی معنی ہیں اسی طرح آیت کے ساتھ آیت مل کر مختلف زاویوں سے مختلف مضامین پیدا ہو جاتے ہیں۔ آیات باہم اِس قدر مربوط ہیں کہ اگر کہیں سے ایک لفظ اٹھا کر اِدھر سے اُدھر کر دیا جائے تو عبارت میں سُقم واقع ہو جاتا ہے۔

مختلف پیرایوں سے قرآن کے ربط کو بیان کرنے کے لئے تو کئی عمریں درکار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں جس قدر بھی لکھا جائے مضمون تشنۂ تکمیل ہی رہے گا کیونکہ حق یہی ہے کہ : لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (۱۸ : ۱۱۰) کہ اگر تمام دریاؤں اور سمندروں کا پانی سیاہی بن جائے تو یہ پانی ختم ہو جائے گا لیکن کلامِ الٰہی کا بیان ختم نہیں ہوگا۔

جیسا کہ رَبِّیْ کے الفاظ سے ظاہر ہے قرآن کے معارف سے متعارف ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دل میں جاگزیں ہونا بہت ضروری ہے۔ گویا یہ محبت اِس کلام کی کُنجی ہے۔

ہم نے اپنی ہمّت اور سمجھ کے مطابق اختصار کے ساتھ ربط کی ایک جھلک پیش کر دی ہے۔ جو لوگ اس باغ کی سیر کرنا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ باغبان کی طرف رجُوع کریں جس نے فرمایا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ باغ کے اندر داخل ہوئے بغیر باغ کی سیر نہیں ہو سکتی اور باغبان کی اجازت کے بغیر اندر داخل ہونا ممکن نہیں ۔

سُورَۃُ الفَاتِحَۃ

ربطِ آیات

آیت ۱ :-

کتاب کی ابتدا، رحیم اور رحمٰن اللہ کے نام سے کی گئی ہے۔ یہ آیت کتاب کا بھی عنوان ہے اور سوائے سُورہ توبہ کے جو مضمون کے اعتبار سے انفال کا حصّہ ہے۔ سب سُورتوں کا بھی۔

آیت ۲ تا ۴ :-

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں جو بندوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اِن صفات کے بیان کی ترتیب ان کے ظہور کی ترتیب کے مطابق ہے۔

آیت ۵ تا ۷ :-

جب فرمایا کہ اللہ ربّ العالمین، رحمٰن، رحیم اور مالکِ یوم الدّین ہے تو گویا محبُوب کے چہرہ سے نقاب اُٹھا دیا اور اس کے بعد وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد طبیعت فطرتی جوش کے ساتھ، اس کی عبادت کی طرف مائل ہوتی ہے۔ چنانچہ غیبت سے خطاب کی طرف التفات کیا اور بندہ کی زبان سے کہا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں تو ہمیں سیدھا راستہ دکھلا۔ پھر اس رستہ کی حدود کی تعیین کر دی کہ وہ منعم علیہ گروہ کا ہو مغضوب علیہ اور ضال لوگوں کا نہ ہو۔ یہ طریق قرآن نے شروع سے آخر تک قائم رکھا ہے کہ مثبت (POSITIVE) کے ساتھ منفی (NEGATIVE) اور منفی کے ساتھ مثبت کو بیان کر دیا ہے تاکہ حدود کی تعیین میں کوئی شُبہ باقی نہ رہے اور تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔

(۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (رکوعھا ۱) (آیاتھا ۷)

المنزل ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

ب : حرفِ جار ہے جو مصاحبت یا استعانت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ گویا اِس کے معنی ہیں ساتھ، یا مدد کے ساتھ۔

سم : اسم مصدر بمعنی نام۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل میں باسم اللہ ہے۔ ہمزہ کثرتِ استعمال سے گر گیا ہے۔ (املاء) اِسمٌ۔ اُسمٌ۔ سِمٌ۔ سُمٌ۔ سَمٌ۔ سِمًا۔ سُمًا۔ سَمًا سب طرح استعمال ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ لفظ ضُحٰی کی طرح سُمٰی ہے۔ اور لام کلمہ (یٰ) محذوف ہوگیا ہے۔ اس کا مادہ سَمُوتُ (سُمُوٌّ) ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو گویا اسے بلند و بالا کرتے ہیں تاکہ آنکھوں میں جچ جائے۔ اِس کی جمع اَسْمَاءٌ ہے۔ بعض کوفیوں کا کہنا ہے کہ اِس کا مادہ وِسْمٌ ہے جس کے معنی علامت کے ہیں اور 'و' ہمزہ سے بدل گئی ہے لیکن یہ رائے کمزور ہے۔ اِس کا اسمِ تصغیر سُمَیٌّ اور جمع اسمائٌ ہے۔ اگر یہ لفظ وِسْمٌ سے مشتق ہوتا تو اِس کا اسمِ تصغیر وُسَیْمٌ اور جمع اَوْسَامٌ ہوتے۔

اللہ : صحیح رائے یہ ہے کہ یہ لفظ ذاتِ باری کا علم ہے۔ یہ نہ ہی اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم کی طرح مشتق ہے اور نہ ہی اس سے کسی فعل کا اشتقاق جائز ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ اصل میں اِلٰہٌ یا اِلَاہٌ ہے جو کہ فِعَال کے وزن پر بمعنی مفعول آیا ہے اور اس کے معنی مَاْلُوہٌ (معبُود) کے ہیں اور ال اِس کو معرفہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے گویا لفظ کی اصلی صُورت اَلْاِلَاہُ ہے۔ ال کے داخل ہونے سے الاہ کا ہمزہ بوجہ تخفیف حذف ہوگیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہوگیا اور اِس طرح یہ لفظ اَللَاہ رہ گیا اور پھر پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو کر اللہ بن گیا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ اَلِہَ سے مشتق ہے۔ اَلِہَ عَلٰی فُلَانٍ کے معنی ہیں وہ اس کی وجہ سے سخت غم و حزن،

پریشانی، حیرانی اور اضطراب میں مُبتلا ہُوا۔ اور اَلِہَ الیہ کے معنی ہیں اس نے بوجہ اضطراب و خوف وغیرہ اس کی پناہ لی۔ اَلَہَہٗ کے معنی ہیں اس نے اس کی حفاظت کی۔ اِس اعتبار سے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی کہ وہ ایسی ذاتِ پاک ہے جس کے بارہ میں انسانی عقل حیران و سرگرداں ہے یا وہ ایسی ہستی ہے جو کہ موجبِ حفاظت ہے اور سب کی جائے پناہ ہے۔

لیکن جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے صحیح رائے یہی ہے کہ یہ اسمِ علم اور اسمِ جامد ہے۔

عرب یہ لفظ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اَور معبُود کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔

اَلرَّحْمٰنِ : اسم صفت بروزن فعلان۔

اَلرَّحِیْمِ : اسم صفت بروزن فعیل۔

اَلرَّحْمٰنِ اور اَلرَّحِیْمِ دونوں الفاظ الرّحمت سے مشتق ہیں (املاء و شوکانی)۔ رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے اور رحیم فعیل کے وزن پر۔ جب کوئی اسم فعلان یا فعیل کے وزن پر آتا ہے تو اِس کے معنوں میں مبالغہ اور شدّت پائی جاتی ہے۔ رَحْمٰن کے معنی میں رَحِیْم کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اس میں رَحِیْم کی نسبت ایک لفظ زائد ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ زیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی (نسفی) یعنی زائد حروف زائد معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ ایسی رحمت پر دلالت کرتا ہے جس کی کوئی حد نہ ہو۔ گویا رحمٰن وہ ذات ہے جس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ لفظ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اَور کے لئے نہیں بولتے لیکن رحیم کا لفظ انسان کے لئے بھی بول لیتے ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ انّما یرحم اللّٰہ من عبادہ الرّحماءِ اللہ اپنے رحیم بندوں سے رحمت کا سلوک کرتا ہے۔ قرآن میں رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا ہے: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۹:۱۲۸)۔

نحوی طور پر بِسْمِ اللّٰہ کی مندرجہ ذیل ترکیبیں ہو سکتی ہیں:۔

(ا) یہ جملہ فعلیہ ہے یعنی بِسْمِ اللّٰہ سے پہلے یا آخر فعل اَبْدَاُ یا اَقْرَاُ یا ایسا ہی کوئی اَور لفظ محذوف ہے۔ اِس اعتبار سے اِس کے معنی ہوں گے کہ مَیں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

(ب) یہ جملہ انشائیہ ہے (جو کہ جملہ فعلیہ کی ایک قسم ہے) اِس اعتبار سے اِس سے پہلے فعل امر اِقْرَءْ محذوف ہوگا اور اس کے معنے ہوں گے: اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا اے مخاطب اللہ کے نام سے پڑھ جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے۔

(ج) یہ جملہ اسمیہ ہے یعنی بِسْمِ اللّٰہ سے پہلے یا آخر الابتداء یا ابتدائی یا ایسا ہی کوئی اَور لفظ محذوف ہے۔ اِس اعتبار سے اِس کے معنی ہوں گے: شروع ہونا ہے یا میرا شروع کرنا ہے اللہ کے نام سے۔ امام رازی اِن

معنوں کو جملہ فعلیہ کے معنوں پر فوقیت دیتے ہیں کہتے ہیں: کانّ ھٰذا اخبار عن کونہ مبتدأ فی ذاتہ لجمیع الحوادث وخالقاً لجمیع الکائنات سواء قالہ قائل اولم یقلہ۔ یعنی یہ اِس بات پر دال ہے کہ وہ ذاتِ باری تمام کائنات کی مبداء و خالق ہے عام اس کے کہ کوئی یہ بات کہے یا نہ کہے۔

اگر تو اَلرَّحْمٰنِ اور اَلرَّحِیْمِ کو اَللّٰہ کی صفت لیا جائے تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے معنے ہوں گے: اللہ کے نام سے جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور اگر بدل لیا جائے تو معنی ہوں گے: اللہ رحمٰن اور رحیم کے نام سے۔

بعض نُقّاد نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ جب رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے تو رحیم کو رحمٰن کے بعد کیوں رکھا گیا ہے کیونکہ ترقی اَدنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ اعلیٰ سے اَدنیٰ کی طرف۔ اِس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ رحمٰن اور رحیم ندیم اور ندمان کی طرح ایک ہی لفظ سے مشتق ہیں پس ان کا اکٹھا استعمال جائز ہے۔ ان کی تکرار تاکید کے لئے آئی ہے جیسے کہتے ہیں: فُلَانٌ جَادٌّ مُجِدٌّ (لسان)۔

علّامہ بیضاوی کہتے ہیں رحیم کا لفظ رحمٰن کے ساتھ بطور تتمّہ اور ردیف کے آیا ہے۔

ہمارے نزدیک اِس کی ایک توجیہہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کا نزول کہ جس کے بغیر رُوحانی زندگی ممکن نہیں صفت رحمانیت کا ظہور ہے۔ یہ انوار و اکرام کسی کے عمل کا صلہ نہیں۔ اس کے برعکس ان انوار سے متمتع صفت رحیمیت کی تائید سے ہوا جاتا ہے۔ جس قدر کوئی اعراض صوری و معنوی سے پاک ہو کر کلامِ الٰہی سے مستفید ہوتا ہے اسی قدر ربِّ رحمٰن کی رحیمیت سے حصہ پاتا ہے۔ پس جس طرح ذات کو صفات پر تقدم ہے اسی طرح رحمانیت رحیمیت پر مقدم ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بلاغت کا یہ تقاضا نہیں کہ ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہو اور ادنیٰ کو ہر صورت میں اعلیٰ پر مقدم رکھا جائے۔ ترتیب کے لئے موقع اور محل شرط ہے۔ اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا ذکر ہے:-

(۱) صفت ربّ العالمین جو کہ اس کے فیضانِ مطلق کو بیان کرتی ہے اِس میں اس کا فیضان ذی رُوح اور غیر ذی رُوح پر یکساں جاری ہے۔ گویا یہ فیضانِ اعم ہے۔

(۲) صفت رحمٰن۔ یہ صفت اس کے فیضانِ عام کو بیان کرتی ہے یعنی اس فیض کو جو تمام ذی رُوح چیزوں پر ہو رہا ہے اور جس کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۳) صفت رحیمیّت۔ یہ صفت اس کے فیضانِ خاص کو بیان کرتی ہے جو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو حصولِ مقصد کے لئے اس کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے جدّ و جہد کرتے ہیں۔

(۴) صفت مالکِ یوم الدین - یہ صفت اس کے فیضانِ اخص کو بیان کرتی ہے یعنی اس فیض کو جس پر تمام فیوض منتہی ہوتے ہیں اور جس کے فیض ہونے میں کسی شک وشُبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور جس کے بعد مستفیض کو کسی چیز کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

قرآن نے اِن چاروں صفات کا ذکر ان کے ظہور کی ترتیب سے کیا ہے گویا فیوض ذاتِ باری کی جو ترتیب صحیفہ فطرت میں رکھی گئی ہے وہی صحیفہ خداوندی میں بیان کی گئی ہے۔

یہ آیت سوائے سُورہ توبہ کے ہر ایک سُورۃ سے پہلے آئی ہے۔ مکّہ اور کوفہ کے قاری اسے قرآن مجید کا حصّہ سمجھتے ہیں لیکن مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء کا کہنا ہے کہ یہ قرآن کا حِصّہ نہیں (شوکانی زیر آیت ۱ : ۱) مؤخر الذکر قراء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت سُورہ فاتحہ کا حِصّہ ہے باقی سُورتوں کا نہیں۔

سُورہ فاتحہ کو قرآن نے سبع مثانی (۱۵ : ۸۸) یعنی بار بار پڑھی جانے والی سات آیات کہا ہے[۱]۔ اگر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو آیت شمار نہ کیا جائے تو صرف چھ آیات رہ جاتی ہیں۔ پس درست مسلک مکّہ اور کوفہ کے قراء ہی کا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۲

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو کُل کائنات کا ربّ ہے

اَلۡعَالَمِيۡنَ : عالَم کی جمع مذکر سالم ہے یعنی عالموں کی حالت نصبی وجری۔ معرف بہ ال۔ عالَم علم سے اسمِ آلہ ہے اس کے معنی ہیں مَا یُعۡلَمُ بِهٖ جس کے ذریعے کوئی چیز جانی جائے۔ چونکہ مخلوق کے ذریعہ خالق پہچانا جاتا ہے اِس لئے خلق کو عالم کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وِن کے ساتھ جمع صرف ذوی العقول کے لئے استعمال ہوئی ہے پس رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کا اصل اطلاق ملائکہ اور ثقلین پر ہے اور باقی مخلوق علیٰ سبیل الاتباع شامل ہے (بیضاوی)۔

بعض کا خیال ہے کہ یہاں مُراد انسان ہیں کیونکہ ہر ایک انسان اپنی ذات میں عالمِ صغیر ہے (بیضاوی)۔

---

[۱] مکاشفہ ۵ : ۱ میں حضرت رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور فاتحہ کے متعلق پیشگوئی مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ "اور جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔"

رَبّ : اسم مصدر ہے جو کہ عدل کی طرح اسم مبالغہ کے طور پر اسم فاعل رابٌ کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔
بعض کے نزدیک یہ اسم صفت ہے۔ نَمّ۔ یَنَمُّ، نَمٌّ کی طرح رَبَّہ، یَرُبُّہ، رَبٌّ (بیضاوی) رَبَّہ وہ اس کا حاکم، آقا، مالک بنایا ہُوا۔ اس نے اس کی ملکیت حاصل کی۔ اس نے اس کو پالا۔ زینہ بہ زینہ ترقی اور نشوونما دی۔ حتّٰی کہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس نے اس کی اصلاح کی۔ اس کے عیوب کو ڈھانپ کر اس کی نشوونما کی۔

رَبَبْتُ الْقَوْمَ کے معنی ہیں مَیں نے قوم پر حکومت کی۔

رَبّ کے معنی ہیں آقا، مالک، حاکم، صاحب، خداوند، پالنے والا۔ قرآن کہتا ہے: رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (۲۰ : ۵۱) یعنی ہمارا رب وہ ہے جو ہر ایک چیز کو اس کی خلقت عطا کرتا ہے اور پھر اس کو زینہ بہ زینہ ترقی دیتا ہے۔

رَبّ کے معنوں میں مندرجہ ذیل معانی بالخصوص پائے جاتے ہیں :-

۱ - کسی چیز کو زینہ بہ زینہ حالت بہ حالت ترقی اور نشوونما دینا اور ساتھ کے ساتھ اس کے عیوب زائل کرنا یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جائے۔

۲ - کسی چیز پر مکمل حاکمیت حاصل ہونا۔

۳ - کسی چیز کا مکمل بلا شرکتِ غیرے مالک ہونا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣﴾

رحمٰن اور رحیم ہے

اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم۔ اللہ کی صفت بھی ہو سکتے ہیں اور بدل بھی۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤﴾

روزِ جزا کا مالک ہے

مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْن۔ اللہ کا بدل ہے صفت اِس لئے نہیں کہ اللہ معرفہ ہے اور یہ نکرہ۔ اِس کے نکرہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسم فاعل جب حال یا استقبال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو مضاف الی المعرفہ ہو کر بھی معرفہ نہیں بنتا۔ (املاء)۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۵

اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

بعض نحویوں کا خیال ہے کہ اِیّا اسم ہے جو تایبیتہ سے مشتق ہے۔ تایبیتہ کے معنی ہیں میں نے اس کی طرف، اس کی ذات کی طرف توجّہ کی۔ اِس اعتبار سے اس کے معنی ہوئے ہم تیری ذات کی پرستش کرتے ہیں لیکن عام خیال یہی ہے کہ یہ مشتق نہیں۔

بعض نحویوں کا خیال ہے کہ اصل اسم تو اِیّا ہے۔ حروف غیبت۔ خطاب اور تکلّم اس کی وضاحت کے لئے آتے ہیں اور پھر دونوں مل کر ایک اسم بن جاتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اسم تو ضمائر منصوبہ ہی ہیں اِیّا ان کے سہارے اور اعتماد کے لئے بڑھایا جاتا ہے۔

اِیّا اکیلا استعمال نہیں ہوتا۔ حروف غیبت۔ خطاب اور تکلّم کے ساتھ مل کر استعمال ہوتا ہے اور صرف اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ یہ حروف بطور ضمائر متصلہ استعمال نہ ہو سکیں مثلاً اِیَّاكَ ضَرَبْتُ تو کہہ سکتے ہیں کیونکہ ك ضربتُ استعمال نہیں ہوتا لیکن ضَرَبْتُ اِیَّاكَ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ضربتكَ استعمال ہو سکتا ہے۔ اِیّا اکثر ضمائر منصوبہ کے ساتھ مل کر بطور مفعول مقدّم استعمال ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ تاکید اور تکرار کے معنی دینے کے لئے فعل کے بعد بھی استعمال ہو جاتا ہے جیساکہ کہیں ضَرَبْتُ اِیَّاكَ میں نے تجھے مارا، ہاں تجھے مارا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ضمائر منصوبہ صرف مفعول بہ یا مفعول مطلق کے طور پر استعمال ہو سکتی ہیں۔ اِیّا کے ساتھ مل کر ان کی یہ حیثیت بدل نہیں جاتی مثلاً یہ تو کہہ سکتے ہیں اِیَّاكَ ضَرَبْتُ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے اِیَّاكَ ضَرَبَہٗ

مفعول مقدّم میں تخصیص کے معنی پائے جاتے ہیں (مختصر المعانی صٓ ۹۶) گویا جب کہا جائے نَعْبُدُكَ تو اس کے معنی ہیں ہم تیری عبادت کرتے ہیں لیکن جب کہا جائے اِیَّاكَ نَعْبُدُ تو اس کے معنی ہیں ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۶

ہمیں سیدھا راستہ دکھلا

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۷ ع

اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا ہے نہ اُن لوگوں کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی گمراہوں کا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اَلَّذِيْنَ کا یا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں هِمْ کا بدل یا اَلَّذِيْنَ کی صفت ہے اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ اس پر عطف ہے۔

اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِ فعل لازم غَضِبَ سے جو کہ عَلِمَ يَعْلَمُ کے وزن پر ہے عَلٰی کا صلہ لگا کر اسم مفعول بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں جس پر غضب نازل ہوا۔

آیت کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں: ہمیں سیدھا راستہ دکھلا اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا ہے جو نہ مغضوب ٹھہرے نہ گمراہ ۔

سُورۃ البقرۃ

ربطِ آیات

سُورۃ کی ابتداء رحمٰن اور رحیم اللہ کے نام سے کی ہے۔ یہ آیت اِس سُورہ کا عنوان ہے۔

آیت ۲ :-

اِس کا دوسرا عنوان اللہ کی صفتِ علیم ہے جس کے ماتحت اُس نے یہ سُورۃ اُتاری۔ جس طرح سُورۃ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے اسی طرح بقرہ کی آیت الکرُسی (۲۵۶) قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے۔

آیت ۳ :-

سُورۃ فاتحہ میں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت پانے کی دُعا مانگی تھی یہاں اس کتاب کا ذکر کیا ہے جو متّقیوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے اور ہدایت کی راہوں پر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر لے جاتی ہے۔

آیت ۴ تا ۶ :-

اِن آیات میں اِس بات کی وضاحت فرمائی کہ متّقی کون لوگ ہیں اور ان کا کیا انجام ہوگا۔

آیت ۷ ، ۸ :-

جب متّقیوں کا ذِکر کیا تو ساتھ ہی کفّار کا ذکر بھی کر دیا تا کہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔

آیت ۹ تا ۲۱ :-

جب مومنوں کا ذکر بھی کر دیا اور کفّار کا بھی تو ایک تیسرا گروہ منافقین کا باقی رہ گیا چنانچہ اس کا ذکر بھی کفّار کے ذکر کے ذیل میں کر دیا۔

آیت ۲۲ ، ۲۳ :-

یہاں پھر اصل مضمون کی طرف عَود کیا ہے۔ ابتداء میں فرمایا تھا کہ یہ کتاب اللہ سے ڈرنے والوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ یہاں اس سیدھے راستہ کی تعیین کر دی۔ فرمایا: وہ راستہ اپنے ربّ کا عبد بننا ہے

اس رب کا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور انسانوں کے لئے جسمانی اور روحانی زیست کا سامان کیا۔

آیت ۲۴ :-

جب یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روحانی زیست کا سامان کیا ہے یعنی آسمان سے پانی نازل فرمایا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے اس دعوے کا کہ یہ آسمانی پانی ہے کیا ثبوت ہے۔ فرمایا انسان کائنات کی حقیر سے حقیر مخلوق کا کوئی حصہ نہیں بنا سکتا۔ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو انسان ایسا کلام لانے سے عاجز ہے ؎

بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

چنانچہ مخالفین کو چیلنج کیا کہ اگر تمہیں اِس کلام کے منجانب اللہ ہونے میں شک ہے تو تم اِس کلام جیسا کوئی ٹکڑا تیار کر کے دکھلا دو۔

آیت ۲۵ :-

فرمایا: اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ اِس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ جہنّم کے عذاب سے بچ جاؤ۔

آیت ۲۶ :-

جب کفّار اور جہنّم کا ذکر کیا تو کتابِ الٰہی پر ایمان لانے والوں اور جنّت کا ذکر بھی کر دیا تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔

آیت ۲۷، ۲۸ :-

قرآن کا قاعدہ ہے کہ اکثر سوال کو حذف کر دیتا ہے اور بات کا جواب دے دیتا ہے۔ پڑھنے والا جواب سے سوال کی نوعیت سمجھ جاتا ہے۔

جب قرآن نے اپنے کلام کے معجزانہ ہونے کا چیلنج کیا تو کفّار نے کہا کہ یہ کیا کلام ہے جس میں کہیں عنکبوت کی مثال ہے (عنکبوت: ۴۲) اور کہیں مکھی کی (حج : ۷۴)۔ فرمایا ممثّل بہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے سے کلام کے حُسن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ممثّل عظیم ہے تو ممثّل بہ بھی عظیم ہوگا۔ اگر وہ حقیر ہے تو ممثّل بہ بھی حقیر ہوگا۔ اس میں کفّار پر طعنہ کیا گیا ہے کہ ان کی اور ان کے بتوں کی حالت ہی ایسی ہے کہ ان کو ایسی مثالوں سے بیان کیا جائے۔ فرمایا تمہاری اور تمہارے شور و غوغا کی مثال تو مچھر اور اس کی بھنبھناہٹ کے برابر بھی نہیں پھر تم کس برتے پر اتراتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا ایسی مثالوں کو مومن تو برحق جانتے ہیں لیکن فاسق ان کی وجہ سے گمراہی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔

آیت ۲۹ :-

فرمایا: تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو (قرآن کے انکار کو اللہ کے انکار سے تعبیر کیا ہے) حالانکہ اس نے تمہیں مُردہ مٹی سے زندہ انسان بنا دیا اور وہ تمہیں موت کے بعد پھر زندگی دے گا اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا یعنی تمہارا روزمرّہ کا تجربہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری بار بنانا پہلی بار بنانے سے آسان ہے پھر تم کیونکر کہتے ہو کہ جس خدا نے تمہیں پہلے مُردہ سے زندہ کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کرسکے گا۔

آیت ۳۰ :-

فرمایا: کیا وہ علیم خدا جس نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے بنایا اور آسمانوں کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا تمہاری بعثتِ ثانیہ پر قدرت نہیں رکھتا یا کیا اس نے یہ تمام کارخانہ عبث بنایا ہے؟

آیت ۳۱ :-

جب فرمایا کہ جو کچھ زمین میں ہے انسان کے لئے بنایا گیا ہے تو طبعاً خیال گذرتا ہے کہ اس زمین میں انسان کا کیا مقام ہے اور اس کی تخلیق کی کیا غرض ہے چنانچہ تخلیقِ آدم کا قصّہ بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا میں زمین پر ایک حاکم مقرر کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے بعض قرائن سے اندازہ لگایا کہ جو مخلوق اس وقت پیدا ہوگی وہ خون خرابہ کرے گی۔ پس انہوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو زمین پر مسلّط کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے ہے یہ قرائن کہ وہ تیری تحمید و تقدیس بھی کرے گا سو یہ تو ہم ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔

لیکن ملائکہ اِس بات کو نظر انداز کر گئے تھے کہ ان کے لئے تحمید و تقدیس ایک طبعی فعل ہے لیکن انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دُو راستوں میں سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ چاہے زمین کو فساد سے بھر دے چاہے اپنے رب کی تحمید و تقدیس کو قائم کرے۔

آیت ۳۲ تا ۳۴ :-

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے ذریعہ اپنی بعض صفات کا اظہار کیا جن کا اظہار کرنے سے فرشتے قاصر تھے۔

اس پر فرشتوں نے اپنی غلطی تسلیم کی۔

آیت ۳۵ :-

اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو زمین کا حاکم مقرر کیا تو تمام ملکوتی طاقتوں کو اس کی خدمت کے لئے مامور کر دیا چنانچہ ملکوتی طاقتیں تو اس نظام کو قائم کرنے کے لئے کمر بستہ ہوگئیں جو آدم کے ذریعہ دُنیا میں قائم کیا جانا تھا لیکن طاغوتی

طاقتیں اس کی مخالفت کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

چونکہ انسان کو اختیار دیا گیا تھا کہ دو راستوں میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کرے (۹۰ : ۱۱) اس لئے ضروری تھا کہ جہاں ملائکہ اس کی خدمت کے لئے مامور کئے جائیں وہاں طاغوتی طاقتوں کو اس کی مخالفت کا اختیار دیا جائے تاکہ اس کشمکش کے نتیجہ میں اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں اور وہ ترقی کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو۔

آیت ۳۶ :۔

آدم اور اس کی جماعت کو حکم ہوا کہ اس زمین پر جو اس کے لئے منتخب کی گئی تھی ایک ایسا نظام قائم کریں جو جیتا جاگتا بہشت ہو۔ اس کے ساتھ شجرہ ممنوعہ یعنی فسادیوں سے تعلق نہ رکھنے کا حکم بھی ہوا۔

آیت ۳۷ :۔

لیکن شیطان کے اس وقت کے ظل یعنی ابلیس نے شجرہ ممنوعہ کے ذریعہ سے آدم اور اس کی جماعت کو ورغلایا اور انہیں ان کی جنّت سے باہر نکال دیا معلوم ہوتا ہے آدم کی بیوی کا اس قوم سے تعلق تھا اور اس کے ذریعہ سے ان لوگوں نے آدم کی جماعت میں رخنہ ڈالا تھا۔ یہ آدم کی پہلی ہجرت تھی۔

آیت ۳۸ :۔

آدم نے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو واپس لینے کے لئے اللہ تعالیٰ سے بعض دعائیں سیکھیں اور بعض احکام وصول کئے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عَود کر آئی۔

آیت ۳۹ :۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آدم کو اور اس کی جماعت کو شجرہ ممنوعہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہجرتِ ثانیہ کا حکم دیا تاکہ دونوں فریقوں کے درمیان مزید فاصلہ حائل ہو جائے اور ابلیس اور اس کی قوم آدم اور اس کی جماعت پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

ہجرت کے حکم کے ساتھ ساتھ بنی آدم سے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ جو نظام قائم کرنا چاہتا ہے اس کی تکمیل کے لئے انبیاء آتے رہیں گے اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو اس نظام کو قائم کر لو گے جس میں کسی کو نہ کوئی خوف ہو گا نہ غم۔

آیت ۴۰ :۔

لیکن جو لوگ اس نظام سے روگردانی کریں گے وہ اپنے لئے خود جہنّم کا اہتمام کرنے والے ہوں گے۔

آیت ۴۱ :۔

اسی نظام کی طرف بنی اسرائیل کی توجہ مبذول کی۔ فرمایا: اے بنی اسرائیل اگر تم میرے عہد کی پابندی کروگے تو میں بھی اس عہد کو جو میں نے تم سے کر رکھا ہے پُورا کروں گا۔ یعنی تمہیں دین و دُنیا میں جنّت دوں گا۔

آیت ۴۲ تا ۴۷ :-

فرمایا۔ یہ وہی نظامِ حیات ہے جس کی تصدیق اور تکمیل کے لئے قرآن نازل ہوا تم اس پر ایمان لاؤ۔ نماز کو قائم کرو۔ اپنے اموال میں سے زکوٰۃ نکالو اور قومی فرمانبرداری کو اپنا شعار بناؤ اور صبر و دعا کے ساتھ اس نظام کو قائم کرنے کی توفیق مانگو۔

آیت ۴۸ :-

بنی اسرائیل کو ترغیب دینے کے لئے ان انعام و اکرام کا ذکر فرمایا جو ان پر کئے گئے تھے۔

آیت ۴۹ :-

ترغیب کے ساتھ ترہیب کو بھی شامل کر دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

آیت ۵۰ تا ۶۲ :-

پھر آیت ۴۸ کے مضمون کی طرف رجوع کیا اور اپنے انعام و اکرام گنائے۔ ان انعام و اکرام کے بیان کے ساتھ بنی اسرائیل کی سابقہ بے راہ رویوں کا ذکر بھی فرما دیا اور ان کی عقوبت کا بھی۔

آیت ۶۳ :-

یہاں پھر اصل مضمون کی طرف جو آیت ۴۲ میں شروع کیا تھا رجوع کیا سوائے اس کے کہ خطاب خاص سے عام کر دیا۔ آیت ۴۲ میں یہود کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ یہاں تمام انبیائے سابقہ کی اُمتوں کو یہودیوں عیسائیوں اور صابیوں کو اس دعوت میں شریک کر لیا۔

آیت ۶۴ تا ۹۱ :-

پھر اسی مضمون کی طرف عود کیا جو آیت ۵۰ تا ۶۲ میں چل رہا تھا۔ اور یہود پر انعام و اکرام اور ان کے عدوان کے بعض واقعات کا ذکر کیا۔

آیت ۹۲ :-

پھر اصل مضمون کی طرف جو آیت ۴۲ میں بیان کیا تھا رجوع کیا۔ فرمایا: جب انہیں اللہ کی تنزیل پہ ایمان لانے کو

کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس تنزیل پر تو ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی لیکن اس کے سوا کسی دوسری کتاب کو نہیں مانتے۔ فرمایا یہ لوگ توراۃ کے بعد نازل ہونے والی ہر تنزیل کا انکار کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ ان کی ضروریات کے مطابق تھی اور اس سچائی کی تصدیق کرتی تھی جس کے وہ حامل تھے۔ پھر فرمایا: اگر واقعی تم ہر اس تنزیل پر ایمان لاتے رہے ہو جو تم پر نازل ہوتی رہی تو تم انبیاء بنی اسرائیل کے قتل کے درپے کیوں رہے؟

آیت ۹۳، ۹۴ :-

پھر اسی مضمون کی طرف عود کیا جو آیت ۵۰ تا ۶۲ اور ۸۴ تا ۹۱ میں بیان کیا تھا اور یہود کے عدوان اور سرکشی کے بعض واقعات کا ذکر کیا۔ آخر میں ان پر طعن کیا کہ اگر یہی تمہارا ایمان ہے تو بہت ہی بُرا ہے یہ ایمان۔

آیت ۹۵ :-

جب یہود پر اتمامِ حجت ہوگئی تو ان کو دعوتِ مباہلہ دی گئی۔

آیت ۹۶ :-

فرمایا: یہ لوگ میدان میں کبھی نہیں نکلیں گے اور اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ وہ اپنی کرتوتوں سے خوب واقف ہیں۔

آیت ۹۷ :-

فرمایا: یہ لوگ تو مشرکوں سے بھی زیادہ زندگی کے دلدادہ ہیں یہ کیونکر مباہلہ کا خطرہ مول لیں گے۔

آیت ۹۸ :-

یہاں یہودیوں کے ایک اعتراض کا رد کیا ہے۔ جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ قرآن جبرائیل کے ذریعہ نازل ہوا ہے تو وہ کہنے لگے جبرائیل تو ہمارا دشمن ہے اس نے ہمارے ایک نبی کو بتلایا تھا کہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دے گا لہٰذا وہ کتاب جو جبرائیل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے۔ فرمایا: جبرائیل نے قرآن خود بخود نازل نہیں کیا بلکہ ہمارے حکم سے نازل کیا ہے اور یہ تمام سابقہ نوشتوں (جن میں خود تمہاری کتابیں شامل ہیں) کی تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا موجب ہے۔

آیت ۹۹ :-

یہودی میکائیل کو اپنا دوست تصور کرتے تھے (رازی) فرمایا: کیا جبرائیل اور کیا میکائیل اور کیا باقی ملائکہ سب اللہ کے خادم ہیں جو اللہ کی یا اس کے ملائکہ میں سے کسی کی دشمنی کرتا ہے کفر کی راہ اختیار کرتا ہے۔

آیت ۱۰۰ :-

فرمایا: قرآن تو ہم نے نازل کیا ہے پس اس کا انکار ہماری نافرمانی ہے۔

آیت ۱۰۱ :-

فرمایا: یہود کی یہ عادت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑتا رہتا ہے۔

آیت ۱۰۲ :-

چنانچہ جب ہمارا رسول ان کے پاس ہماری کتاب لے کر آیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کا انکار کر دیا۔

آیت ۱۰۳ :-

یہود مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ سازشیں کر رہے تھے۔ فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ حکومت کے خلاف ریشہ دوانی ان کا پیشہ بن چکا ہے۔ انہوں نے سلیمان کے عہد میں بھی سرکشوں کا ساتھ دیا تھا اور اب بھی یہی کر رہے ہیں۔

آیت ۱۰۴ :-

فرمایا: اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔

آیت ۱۰۵ ، ۱۰۶ :-

یہود کی سرکشی اور عدوان اور اپنے انبیاء کے قتل کے درپے رہنے کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ مومنوں کو بھی تنبیہہ کی کہ اس راستہ سے بچتے رہیں۔ تمام سرکشی کی ابتداء پاسِ ادب نہ کرنے سے ہوتی ہے۔ پہلے انسان بے ادبی نادانستہ کرتا ہے پھر دانستہ اور آخرکار سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا فرمایا کہ یہود ورشہ کی اتباع میں رسول کے متعلق ایسے الفاظ استعمال نہ کرو جو ذومعنی ہوں اور ان سے بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو کیونکہ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی یعنی شریعت نازل ہو۔

آیت ۱۰۷ :-

فرمایا: اگر ہم نے پہلی شریعت کو منسوخ کیا ہے تو اس سے بہتر شریعت نازل کی ہے۔

آیت ۱۰۸ :-

اللہ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ تمہارا نگران حال اور مددگار ہے۔ پس اگر اس نے پہلی شریعت کے عوض نئی شریعت نازل فرمائی ہے تو اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔

آیت ۱۰۹ :-

جب نئی شریعت کا نزول شروع ہوا تو مومنوں کو سوال کرنے سے روکا تاکہ دشواری سے بچے رہیں۔

آیت ۱۱۰، ۱۱۱ :-

فرمایا: مومنو! اس شریعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔ وہ لوگ جن کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے تم سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں لیکن تم ان کی باتوں میں نہ آنا اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرنا۔

آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴ :-

فرمایا: یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ وہی جنّت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ وہ ایک ہی کتاب کے ماننے والے ہیں وہ ایک دوسرے کو ہدایت سے محروم سمجھتے ہیں لیکن سلامتی کا راستہ تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیک عمل بجالانے میں ہے جس کو یہ اختیار نہیں کرتے۔

آیت ۱۱۵ :-

فرمایا: یوں تو یہ جنّت کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت گاہوں میں داخل ہو کر اللہ کا نام لینے سے منع کرتے ہیں۔

آیت ۱۱۶ :-

یہاں ایک بنیادی مسئلہ بیان کر دیا کہ مساجد خواہ یہود کی ہوں خواہ عیسائیوں کی خواہ مسلمانوں کی وہ سب اللہ کی مساجد ہیں۔ ان کے قبلہ کے اختلاف سے ان کی تقدیس میں فرق نہیں آتا۔ تم جدھر بھی منہ کرو گے اللہ ہی کو پاؤ گے کیونکہ سب جہات کا وہی مالک ہے۔ اِس جگہ ضمناً تحویلِ قبلہ پر اعتراض کا جواب بھی دے دیا۔

آیت ۱۱۷ :-

فرمایا: یہود اور نصاریٰ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ جنّت کے وارث ہیں اور حالت یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے تو عزیر کو ابن اللہ بنا لیا ہے اور دوسرے نے مسیح کو۔ فرمایا: اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ بیٹے بناتا پھرے۔ بیٹا بڑھاپے کا اسرا ہوتا ہے یا نسل کے قیام کا باعث یا جوشِ فطرت سے باپ کے احکام بجالانے والا لیکن خدا تعالیٰ کو تو کوئی کمزوری لاحق نہیں اور وہ زندہ جاوید ہے اور تمام کائنات فطرتاً اس کی فرمانبردار ہے پھر اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔

آیت ۱۱۸ :-

بھلا وہ جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ بیٹوں کا آسرا ڈھونڈتا پھرے۔

آیت ۱۱۹ :-

یہاں یہود اور نصاریٰ کے ایک اور اعتراض کا ذکر کیا فرمایا : یہ نادان کہتے ہیں اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہم پر نشان کیوں نازل نہیں کرتا لیکن یہ تو سابقہ زمانہ کے جہلاء کی باتیں ہیں۔ کیا ان انبیاء پر جن پر یہ ایمان رکھتے ہیں یہی اعتراض نہیں کیا گیا تھا جب خدا تعالیٰ کی سُنّت یہی ہے کہ وہ کلام اپنے پاک بندوں سے کرتا ہے اور انہی کے ہاتھ پر نشان ظاہر کرتا ہے تو اب وہ اپنی سُنّت کیونکر بدل دے گا۔

آیت ۱۲۰، ۱۲۱ :-

یہاں خطاب رسُولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے فرمایا : یہ لوگ تجھے مانیں یا نہ مانیں تیرا کام بشارت دینا اور ڈرانا ہے۔ یہود اور نصاریٰ تو تجھ سے اسی حالت میں خوش ہوں گے جبکہ تُو ان کے دین کو قبول کرے۔

آیت ۱۲۲ :-

مکفّرین کے ذکر کے ساتھ مومنین کا ذکر بھی آگیا۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کی پُوری پُوری پیروی کرتے ہیں۔

آیت ۱۲۳، ۱۲۴ :-

آخر میں بنی اسرائیل کو پھر وہ انعام و اکرام جو ان پر کئے تھے یاد کروائے اور قیامت کے دن سے ڈرایا۔ گویا آیت ۴۸ اور ۴۹ میں جو مضمون شروع کیا تھا اس کا دوسرا سرا اسی مضمون کے ساتھ باندھ دیا۔

آیت ۱۲۵ :-

یہاں سابقہ مضمون کو ایک دوسرے رنگ میں بیان کیا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اس سلسلہ کی مخالفت کی جو آدم کے ذریعہ قائم کیا گیا تھا۔ اب فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سلسلہ کی مخالفت کی جس کی ابراہیم کے ذریعہ تجدید کی گئی تھی۔ فرمایا : اللہ نے ابراہیم کو چند اوامر اور نواہی کے ذریعہ آزمایا اور وہ ان میں پُورا اُترا۔ اس پر اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کی اے میرے ربّ یہ عنایت میری اولاد پر بھی ہو۔ فرمایا: بیشک ہوگی لیکن ظالموں کی میرے حضور رسائی نہیں۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امامت ظالموں سے چھن جاتی ہے۔ جو قوم خدا تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کرتی اس سے آسمانی بادشاہت چھن جاتی ہے اور جو قوم لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرتی اس سے دُنیا کی بادشاہت چھن جاتی ہے۔ مخبر صادق فداہ ابی و امّی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم کہ کفر اور حکومت تو اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ظلم اور حکومت اکٹھے نہیں

ہوتے۔ تاریخ اِس بات کی شاہد ہے کہ ظالموں کی حکومت جلد ہی مٹا دی جاتی ہے۔

آیت ۱۲۶ :۔

ابراہیم کے ذکر کے ساتھ بیت اللہ کا ذکر بھی آگیا کیونکہ یہ وہ مقام تھا جسے آدم نے بنایا۔ اور جب اس کے بعد یہ منہدم ہوگیا تو ابراہیم نے انہی بُنیادوں پر اسمٰعیل کی مدد سے اسے کھڑا کیا۔

فرمایا: یہ گھر مرجع خلائق اور مقامِ امن ہے۔ اسے ابراہیم اور اسمٰعیل نے زاہدوں اور عابدوں کے لئے پاک و صاف کیا تھا پس تم اس کو اپنی عبادت گاہ بنالو۔

آیت ۱۲۷ :۔

یہ وہ جگہ ہے جس کے متعلق ابراہیم نے دعا کی تھی کہ اے ہمارے رب! اس مقام کو امن کی جگہ بنا دے اور اسکے ان اہالی کو جو تجھ پر ایمان لاتے ہیں ہر قسم کی دولت اور رزق عطا فرما اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ رزق تو میں کافروں کو بھی دوں گا اگرچہ بالآخران کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔

آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰ :۔

یہ وہ گھر ہے جس کی بنیادیں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے یہ دُعا مانگتے ہوئے اُٹھائی تھیں کہ اے اللہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذرّیت سے ایک فرمانبردار قوم پیدا کر اور ان میں وہ عظیم الشّان رسول پیدا کر جو لوگوں کو آخری شریعت اور کامل حکمت سکھلائے اور پاک کرے۔

آیت ۱۳۱ :۔

فرمایا: ابراہیم کے دین سے تو کمینے لوگ ہی روگش ہوسکتے ہیں۔

آیت ۱۳۲ :۔

اس کی تو یہ شان تھی کہ جب اللہ نے کہا کہ میرے حضور سرِ تسلیم خم کر تو اس نے کہا حضور میرا سرِ تسلیم تو پہلے سے خم ہے۔

آیت ۱۳۳، ۱۳۴ :۔

اور اس نے اور یعقوب (اسرائیل) نے اپنے بیٹوں کو اسی راہ پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔ (یعقوب کا ذکر بوجہ یہود کے جدِّ امجد ہونے کے خاص طور پر کیا گیا ہے)

آیت ۱۳۵ :۔

فرمایا: یہ لوگ اپنے کئے کا پھل پائیں گے اور تم وہی کاٹو گے جو تم بوؤ گے۔ تم ایک دوسرے کے اعمال کا نہ فائدہ

اُٹھاؤ گے نہ نقصان۔

آیت ۱۳۶ :-

فرمایا: یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ نجات ہمارے مسلک کی پیروی میں ہے۔ تُو ان سے کہہ کہ نجات ابراہیم کے مسلک کی پیروی میں ہے۔ وہ مُشرک نہیں تھا اور تم طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہو۔

آیت ۱۳۷ :-

فرمایا: اے مومنو! تم اُن سے کہہ دو کہ ہم تمہاری طرح انبیاء میں تفریق نہیں کرتے اور کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا ابراہیم اور کیا اسمٰعیل اور کیا اسحٰق اور کیا یعقوب اور کیا موسیٰ اور کیا عیسیٰ علیہم السلام سب پر ایمان لاتے ہیں۔

آیت ۱۳۸ :-

پھر اللہ تعالیٰ مومنوں سے کہتا ہے: اگر یہود اور نصاریٰ تمہاری طرح سب رسُولوں پر ایمان لے آئے تو ہدایت پا جائیں گے ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پڑے رہیں گے۔

آیت ۱۳۹ :-

پھر مومنوں کے مُنہ سے کہلواتا ہے: ہم نے تو اللہ کا رنگ قبول کر لیا ہے۔ یا ہمیں تو اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اس سے بہتر اور کونسا رنگ ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۴۰ :-

مومنوں کے مُنہ سے جواب دلوا کر اللہ تبارک وتعالیٰ رسُولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلواتا ہے: کیا تم اِس بارہ میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو کہ اللہ نے نبوّت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل کر دی جبکہ وہ تمہارا اور ہمارا سب کا رب ہے اور ہر ایک کے اعمال دیکھتا اور جانتا ہے۔

آیت ۱۴۱، ۱۴۲ :-

فرمایا: کیا یہ لوگ اِس قدر بے باک ہو گئے ہیں کہ کہتے ہیں کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور دیگر انبیاء یہودی یا نصاریٰ تھے اور اس شہادت کو جو ان کی کتابوں میں موجود ہے چھپاتے ہیں؛ دیکھو! ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ نہ تم ایک دوسرے کے اعمال کا فائدہ اُٹھاؤ گے نہ نقصان۔

آیت ۱۴۳ :-

پہلی آیات میں فرمایا تھا اصل دین وہی ہے جو ابراہیم کا تھا۔ پھر ابراہیم کی دُعا کا ذکر تھا کہ اے اللہ وہ رسُول جو

آخری شریعت کا حامل ہو میری ذریت میں سے پیدا کرنا۔

فرمایا: اب جبکہ وہ رسول آگیا ہے اور اس نے بیت اللہ کو قبلہ بنایا ہے اس بیت اللہ کو جسے آدم نے تعمیر کیا تھا اور ابراہیم نے دوبارہ کھڑا کیا تھا۔ تو بے سمجھ لوگ اعتراض کرنے لگے ہیں کہ وہ کونسی ضرورت آن پڑی تھی جس کے ماتحت مسلمانوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ مشرق و مغرب سب خدا کے ہیں جب خدا تعالیٰ نے پہلی تمام شریعتیں منسوخ کر دیں اور تمام لوگوں کے لئے ایک دین بنا دیا تو ضروری تھا کہ پہلی شریعتوں کی طرح پہلے تمام قبلے بھی منسوخ ہو جاتے۔ پس اس نے بیت اللہ کو جسے ابوالبشر آدم علیہ السلام نے بنایا اور ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کیا تمام دُنیا کے لئے قبلہ بنا دیا۔ اور یہ اس کی کمال حکمت ہے کہ وہ گھر جو کہ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ تھا وہی آخری قبلہ بنا۔

آیت ۱۴۴:۔

فرمایا: جس طرح اس قبلہ کو سب سے ارفع اور آخری قبلہ بنایا ہے اسی طرح تمہیں بہترین اور آخری اُمت بنایا ہے۔ تمہارا بین الاقوامی International مقام یہ ہے کہ تم جہاں کہیں انسانیت پر ظلم ہوتا دیکھو اس کو دُور کرنے کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ تمہارے لئے جائز نہیں کہ یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لو کہ یہ تو اس ملک کا داخلی معاملہ ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمام نسلِ انسانی کا محافظ بنایا ہے پس نہ ظلم و تعدی کرو اور نہ کہیں ہونے دو۔ اور جس طرح ہم نے تمہیں قوموں کا محافظ و نگران بنایا ہے اسی طرح ہم نے رسُول کو (اور اس کے نائب کو جو اسی حکم میں آتا ہے) تمہارا محافظ و نگران بنایا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے تمام افراد کا خواہ وہ کہیں ہوں محافظ و نگران ہو۔ فرمایا: یہ تو ابتداء سے مقدّر تھا کہ تمام انسانوں کے لئے ایک ہی دین اور ایک ہی قبلہ ہو۔ ہم نے اب تک بیت المقدس کو اس لئے تمہارا قبلہ رہنے دیا کہ دُنیا دیکھ لے کہ تم اس قدر راسخ الایمان ہو کہ اللہ کے حکم پر آنِ واحد میں اِدھر سے اُدھر ہو جاتے ہو اور اس بات کے حقدار ہو کہ تمہیں خیر الاُمت قرار دیا جائے اور اس نور کا محافظ بنایا جائے جس کی شان یہ ہے کہ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ (۲۴:۳۶)۔

آیت ۱۴۵:۔

جبکہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی نے اضطرار کے ساتھ دعا کی کہ وہ جگہ جو ابدالآباد تک کے لئے تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے اس کی تولیت بھی مسلمانوں کو دے دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کو قبول فرمایا اور کہا کہ ہم تیرے ہی زمانہ میں خود تجھے ہی اس کا حکمران بنا دیں گے۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ تُو اور تیری قوم ہر وقت اپنے مقصود کو زیرِ نظر رکھیں اور اس کے حصول کی کوشش کرتے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳ : ۴۰)

آیت ۱۴۶ :-

فرمایا : اہلِ کتاب کا یہ عالم ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قبلہ کو قبلہ بنانے پر راضی ہیں اور نہ اس بات پر راضی ہیں کہ خود ایک قبلہ پر جمع ہو جائیں۔ جب یہ علیٰ وجہ البصیرت نہ ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے کو تیار نہیں تو تُو علیٰ وجہ البصیرت ہو کر کیوں کر ان کے قبلہ کی پیروی کر سکتا ہے۔

آیت ۱۴۷ :-

جب یہ فرمایا کہ وہ آخری رسُول جو کہ دعائے ابراہیم کے نتیجہ میں آنا تھا آ گیا ہے اور آخری شریعت اور آخری قبلہ کا فیصلہ ہو گیا ہے تو طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس رسُول کی کیونکر شناخت ہو۔ فرمایا اس کی شناخت کا وہی طریقہ ہے جس طریق سے تم اپنے بیٹوں کو شناخت کرتے ہو۔ تم اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کی شہادت پر شناخت کرتے ہو لیکن تمہاری بیوی کی صداقت اور امانت میں تو شبہ ہو سکتا ہے لیکن اس شخص کی صداقت اور امانت میں کوئی شبہ نہیں جسے دوست اور دشمن نے صدیق اور امین کا خطاب دے رکھا ہے۔

آیت ۱۴۸ :-

جب رسُول کی صداقت کی دلیل دے دی تو فرمایا : اے انسان ! تیرے رب کی طرف سے سچائی آ گئی ہے تو اس سچائی میں شک نہ کر :

آیت ۱۴۹ :-

یہاں خطاب عام سے خاص ہو گیا ہے۔ مومنوں سے فرمایا : ہر قوم کسی نہ کسی طرف رُخ کر کے کھڑی ہوتی ہے۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی قبلہ اور نصب العین ہے۔ تمہارا قبلہ اور نصب العین میری اطاعت اور میری رضا کا حصول ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کعبہ تو ایک ظاہری قبلہ ہے اصل قبلہ تو اطاعت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قشر کے پیچھے پڑ جاؤ اور مغز کو کھو دو۔

آیت ۱۵۰ ، ۱۵۱ :-

یہاں آیت ۱۴۵ کے مضمون کو دُہرایا ہے۔ فرمایا : تم خانہ کعبہ کی تحصیل کے لئے پوری پوری کوشش کرو تا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ آخری رسُول کے متعلق جو پیشگوئی تھی کہ وہ مکہ کو فتح کرے گا وہ پوری نہیں ہوئی۔ اور تا کہ میں تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دوں۔ رہے وہ لوگ جو ہر بات پر اعتراض کرتے ہیں سو تم لومۃ لائم سے نہ ڈرو۔

آیت ۱۵۲ :-

فرمایا: مومنو! جس طرح ہم نے تمہیں آخری شریعت دی اسی طرح ہم نے تمہاری طرف آخری رسُول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سُناتا ہے۔ پاک کرتا ہے۔ شریعت کا علم دیتا ہے حکمت کی باتیں سکھلاتا ہے اور ان علوم سے بہرہ ور کرتا ہے جن سے تم نا آشنا تھے۔

آیت ۱۵۳ :-

فرمایا: اگر تم ان تمام انعامات سے فائدہ اُٹھاؤ گے اور میرا نام بلند کرو گے یعنی میری اطاعت کرو گے (بیضاوی) تو میں تمہارا نام بلند کروں گا یعنی تمہیں دُنیا میں سرفرازی عطا فرماؤں گا۔

آیت ۱۵۴ :-

فرمایا: ہمارے انعامات سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے تمہیں استقلال، ہمّت، صبر اور دعا سے کام لینا ہو گا۔

آیت ۱۵۵ :-

آیت ۱۵۰ میں جہاد کا ذکر تھا۔ فرمایا: جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں ان کو مُردے مت کہو وہ تو زندہ ہیں یہاں نہایت عُمدہ فلسفہ بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو قوم کو زندہ رکھنے کے لئے جان دیتے ہیں وہ قوم کو زندہ کر کے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔

آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸ :-

فرمایا: ترقی کے لئے آزمائشوں اور تکلیفوں سے گذرنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی قوم مالی اور جانی نقصانات برداشت نہیں کرتی منزلِ مقصود کو نہیں پاتی۔

آیت ۱۵۹ :-

جس طرح پھولوں کا گلدستہ ہوتا ہے کہ چنبیلی کے بعد گلاب کا پھول اور اس کے بعد پھر چنبیلی کا پھول کبھی ایک پھول چھوڑ کر اور کبھی دو پھول چھوڑ کر تاکہ تفاوت اور فرق اس کی خوشنمائی کو زیادہ جاذبِ نظر کر دے عین اسی طرح قرآن بھی مضمون کو مضمون کے ساتھ باندھتا چلا جاتا ہے اور چند آیتوں کے بعد پہلے مضمون کی طرف عود کر کے آتا ہے تاکہ ایک ہی بات کے بار بار بیان کرنے سے طبیعت اُکتا نہ جائے اور مضمون کا حُسن مختلف زاویوں سے واضح ہو کر آنکھوں میں اچھی طرح جچ جائے۔ اس مضمون نگاری میں یہ کمال رکھا گیا ہے کہ ضمنی مضمون کو دوسرے مضمون کے ساتھ بڑا گہرا جوڑ ہوتا ہے۔ اور اگرچہ بادی النظر میں وہ ایک جُدا مضمون نظر آئے۔ دراصل وہ اسی کی ایک فرع ہوتا ہے

یا پھر یُوں کہو کہ یہ مختلف مضامین جُدا جُدا فرع ہوتے ہیں لیکن ان کا تنا ایک ہوتا ہے اور وہ تمام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس تنے سے پیوست ہوتے ہیں اور ان میں ایسا ربط وضبط ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد انسان بے اختیار بول اُٹھتا ہے ماھٰذا قول البشر۔

آیت ۱۴۴ سے تحویلِ قبلہ کا ذکر شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد تحویلِ قبلہ کی غرض وغایت بیان کی۔ پھر اس غرض و غایت کے حصول کے طریق بیان کئے۔ پھر فرمایا کہ تم ان طریقوں پر صبر وہمّت کے ساتھ کاربند ہونا۔ اور اگر اس شجر کی سیرابی تمہیں اپنے خون سے بھی کرنی پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا۔ پھر اسی غرض وغایت کو قائم رکھنے کے لئے بیت اللہ کا حج فرض قرار دیا۔ اسلام کالے اور گورے، مشرقی اور مغربی سب کے لئے یکساں زندگی کا پیغام لایا ہے اور اس کی غرض تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے۔ اس کی ایک ظاہری صورت حج میں متمثل کر دی گئی ہے۔ حج کے لئے مشرق ومغرب سے ہر قوم اور ہر طبقہ کے لوگ آتے ہیں اور ایک عالمی اخوت کا نظّارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے چنانچہ یہاں حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا لیکن اس ذکر کو صفا اور مروہ کے شعائرُ اللہ ہونے کے ذکر کے ساتھ منسلک کر دیا صفا اور مروہ حضرت ہاجرہ کے ایمان اور ایثار کا نشان ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں خدا کے حکم سے ایک بیابان جنگل میں حضرت ہاجرہ اپنے نوزائیدہ نورِ نظر کو لے کر خیمہ نشین ہو گئی تھیں لیکن اس کے پیاس کی شدّت سے تڑپنے کو برداشت نہ کر کے اِدھر سے اُدھر کبھی صفا کی طرف اور کبھی مروہ کی طرف دوڑتی پھرتی تھیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنا رحم نازل فرمایا اور بچہ کے قریب آبِ زمزم کا چشمہ جاری کر دیا۔ اس قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور ہاجرہ کی سعی کو آنے والی قوموں کے لئے ایک نشانِ راہ بنا دیا۔ اس میں یہ واضح اشارہ ہے کہ اے مسلمانو اگر تم خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دو گے اور ہاجرہ کی طرح بیتابانہ اس کی رحمت کے حصول کے لئے سعی کرو گے تو وہ تم پر اپنا فضل نازل کرے گا حتّٰی کہ تم چشمہ حیواں سے سیراب ہو گے اور تمام نجاستوں اور بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کر لو گے۔ سُبحان اللہ کیا طرزِ کلام ہے کیسا حُسنِ بیان ہے جس کی نظیر کسی اور کلام میں نہیں ملتی۔ ؎

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

آیت ۱۶۰ تا ۱۶۳۔

پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا فرمایا اِس نظامِ نَو کے قیام کی ہم نے پہلے صحیفوں میں خبریں دی تھیں جو لوگ ان پیشگوئیوں کو چھپاتے ہیں اللہ کی لعنت کو مول لیتے ہیں۔ اگر وہ اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہوئے

تو دائمی لعنت کے وارث ہوں گے لیکن وہ لوگ جن کا عمل اس کے خلاف ہے اللہ کی رحمت کے مورد ہوں گے۔

آیت ۱۶۴:-

فرمایا: تمہارا خدا ایک خدا ہے رحمٰن اور رحیم خدا۔ یعنی تمام سلسلۂ نبوت خدا تعالیٰ کی صفات رحمانیت اور رحیمیت کا مظہر ہے۔ اگر تم اس نظام سے روگردانی کرو گے تو اس کی رحمت کے دامن سے باہر نکل جاؤ گے۔

آیت ۱۶۵:-

فرمایا: جس خدا نے تمہاری عارضی زندگی کے لئے یہ اہتمام کر رکھا ہے کہ تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور کام کرنے کے لئے دن۔ تمہاری کسبِ معاش کے لئے سمندر میں کشتیاں چلائیں۔ تمہارے رزق کے لئے آسمان سے پانی نازل کیا۔ کیا وہ تمہاری ابدی زندگی کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرے گا؟ اے لوگو کچھ تو اپنی عقل سے کام لو۔

آیت ۱۶۶ تا ۱۶۸:-

فرمایا: اللہ کا تو تمہارے ساتھ یہ سلوک ہے کہ اس نے تمہاری دنیوی زندگی کا بھی بہترین سامان کیا ہے اور اُخروی زندگی کا بھی لیکن تم میں سے بعض لوگ ماسوا اللہ کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتے ہیں اور ان کو وہ محبت دیتے ہیں جو اللہ کا حق ہے البتہ مومنین کا طرزِ عمل ان سے جدا ہے وہ اللہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ فرمایا: اگر بُت پرست لوگ چشمِ بینا کے ساتھ اس عذاب کو دیکھ لیتے جو ان کے اعمال کا لازمی نتیجہ ہے تو خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اندازہ کر لیتے یہ تو اپنے رؤسا کو اپنے اصنام بنائے پھرتے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کے رؤسا اُن سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور یہ بصد حسرت و یاس کہیں گے: کاش ہمیں دوبارہ دُنیا میں لَوٹا دیا جائے اور ہم وہاں اُن سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جیسا کہ وہ ہم سے یہاں کر رہے ہیں۔

آیت ۱۶۹، ۱۷۰:-

جب یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیوی اور اُخروی زندگی کے سامان بہم پہنچائے ہیں تو اس زندگی کے قیام کا طریق بھی بتلایا۔ انسان کا جسم جو کہ اس کی رُوح کا مسکن ہے خوراک سے بنتا ہے پس فرمایا کہ اسے شیطان کے اثرات سے بچاؤ اور حلال اور طیب چیزیں کھاؤ تاکہ نہ ہی تمہاری رُوح ماؤف ہو اور نہ ہی تمہارا جسم۔ اگر تم کھانے میں شیطان کی پیروی کرو گے تو اس کے مرید بن جاؤ گے اور وہ تمہیں ہر قسم کی برائیوں اور گندگیوں کی طرف مائل کر دے گا۔

آیت ۱۷۱:-

پھر اصل مضمون کی طرف عَود کیا فرمایا ہم جب انہیں کہتے ہیں کہ اس نظام کو قبول کرو جو اللہ نے تمہارے لئے

نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو اسی ڈگر پر چلیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے تھے۔ ان کے اس لایعنی اصرار کو پختہ دلیل کے ساتھ رد کیا۔ فرمایا: کیا تم اپنے باپ دادا کی پیروی اس صورت میں بھی کرو گے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ عقل کے کورے تھے اور ترقی کی راہوں سے بے بہرہ۔

آیت ۱۷۲ :۔

فرمایا: راہِ حق سے انحراف کرنے والے بہائم کی مانند ہیں کہ وہ سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ وہ بہرے ہیں یعنی کسی معقول بات کو سمجھتے نہیں۔ وہ گونگے ہیں یعنی کسی بات کو معقول طریق سے سمجھا نہیں سکتے۔ وہ اندھے ہیں یعنی حقائق کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتے۔ بغرضیکہ عقل کے کورے ہیں۔

آیت ۱۷۳،۱۷۴ :۔

پھر آیت ۱۶۹ کے مضمون کی طرف عود کیا ہے۔ فرمایا: حلال اور طیب چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر بجا لاؤ۔ آیت ۱۶۹ میں خطاب عام تھا یہاں مومنوں سے خاص ہے۔ آیت ۱۶۹ میں اصول بتلایا گیا تھا کہ روحانی اور جسمانی زندگی کے قیام کے لئے حلال اور طیب چیزوں کا کھانا ضروری ہے۔ یہاں ان لوگوں کے لئے جو اس اصول کو قبول کرتے ہیں یعنی مومنین کے لئے حلال اور طیب چیزوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ آیت ۱۶۹ میں جس مضمون کو وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کے الفاظ سے ادا کیا تھا یہاں اسی مضمون کو وَمَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔

آیت ۱۷۵ :۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس سورۃ کا بنیادی مضمون اس رسول کی آمد کا ذکر ہے جسے ابراہیم کی دعا کے نتیجہ میں آنا تھا اور جس کے متعلق تمام انبیاء سابقہ بشارت دیتے آئے تھے۔ آیت ۱۵۱، ۱۵۲ میں فرمایا تھا کہ اس رسول کے آنے کے ساتھ ہماری نعمت تم پر پوری ہو گئی ہے۔ یہاں فرمایا کہ اے علماء کی قوم اگر تم ان پیشگوئیوں کو جو اس رسول کے متعلق صحفِ سابقہ میں درج ہیں چھپاؤ گے تو اللہ کے عذاب کے مورد بنو گے۔

آیت ۱۷۶ :۔

فرمایا: تمہارے اس فعل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دینے والے ٹھہرو گے اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہو گی۔

آیت ۱۷۷ :۔

اور یہ اس لئے ہو گا کہ یہ کتاب تو تمہاری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے آئی تھی لیکن تم اس سے فائدہ اٹھانے

کی بجائے گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے۔

آیت ۱۷۸ :-

جب آخری نبی اور آخری کتاب کا ذکر کیا گیا تو طبعاً دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ تمام نیکی آخری قبلہ کی طرف مُنہ کرنے میں ہے۔ فرمایا محض مشرق و مغرب کی طرف مُنہ کرنے میں کوئی نیکی نہیں۔ یہ تو ایک قشر ہے اصل مغز کو نہ بھول جانا اور وہ ہے اللہ اور یوم آخرت، ملائکہ، کتبِ الٰہی اور انبیاء پر ایمان لانا اور اس ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنا یعنی اپنے غریب عزیزوں اور یتیموں اور مسکینوں کی للہ خدمت کرنا، غلاموں کا آزاد کرنا، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کا دینا، عہد کا نبھانا سختی اور تکلیف میں اور جنگ کے دَوران ثابت قدم رہنا۔

آیت ۱۷۹ :-

آیت ۱۷۷ میں فرمایا تھا کہ ہم نے وہ کتاب نازل کی ہے جو تمہاری تمام ضروریات کو پُورا کرتی ہے آیت ۱۷۸ اور اس کے بعد کی آیات میں اس کتاب کے چند احکام بیان کئے ہیں جو قومی اور انفرادی اور رُوحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

عربوں کا دستور تھا کہ اگر کسی قبیلہ کی کوئی عورت یا غلام قتل ہو جاتا تو وہ عہد کر لیتے کہ ہم قاتل کے قبیلہ کے کسی آزاد مرد کو قتل کریں گے اور یہ دستور تو عام تھا کہ قتل کے بدلہ قاتل کے قبیلہ کے کسی شخص کو قتل کر دیا جاتا خواہ وہ قاتل ہوتا یا نہ قرآن نے اس دستور کو منسوخ قرار دیا فرمایا جو قتل کرے اسی کو قتل کیا جائے۔ نہ تم ایک حر کے بدلے دوسرے حر کو قتل کر سکتے ہو نہ غلام کے بدلہ کسی دوسرے کو نہ عورت کے بدلہ کسی دوسری کو۔ Vicorious liability کے قانون نے عرب کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ قبیلے پشتہا پشت تک ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے اور اگرچہ قاتل مر بھی جاتا اس کے قبیلہ کے دوسرے افراد سے بدلہ لیا جاتا۔

قرآن نے اس دستور کو یکسر منسوخ کر کے ایک دائمی امن کی بنیاد رکھ دی۔ پھر یہی نہیں فرمایا کہ قتل کے عوض صرف قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اگر تم اپنے بھائی کو معاف کر دو تو اپنے رب کی رحمت کے دائرہ کو وسیع کرنے والے بنو گے۔

آیت ۱۸۰ :-

فرمایا: قانونِ قصاص تو بقائے حیاۃ کے لئے تھا یعنی یہ قانون اس لئے بنایا گیا تھا کہ لوگ قتل و غارت سے بچیں لیکن جہلاء نے اسی چیز کو جو قوموں کے زندہ رکھنے کا ذریعہ تھی عرب کی بربادی کا ذریعہ بنا لیا۔ اسی چیز کو جو قتل و غارت سے بچنے کا ذریعہ تھی قتل و غارت کا ذریعہ بنا لیا۔

آیت ۱۸۱ :-

قتل کے بعد سب سے زیادہ جھگڑے مال کی تقسیم کے متعلق ہوتے ہیں۔ فرمایا: دولتمند مرتے وقت اپنے مال کی وصیّت کیا کریں اور اس وصیّت میں خاص طور پر اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کا لحاظ رکھیں۔

قرآن دولت کی تقسیم پر بہت زور دیتا ہے۔ Law of Primogeniture قبول نہیں کرتا جس کے مطابق بڑے لڑکے کی موجودگی میں دوسرے بچّے محروم الارث ہو جاتے ہیں۔ اور ورثہ کے ایسے قانون مقرر کرتا ہے جس کے نتیجہ میں دولت بٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس مالِ کثیر ہے تو ظاہر ہے کہ صرف ورثاء میں اس مال کی تقسیم انصاف کے تقاضے پُورے نہیں کرسکتی۔ لہٰذا فرمایا کہ وہ اپنے مال کے ایک حصّہ کی وصیّت کرے (یہ وصیّت ⅓ حصّہ سے زائد کی نہیں ہوسکتی) اور اس وصیّت میں والدین کے حقوق کو ملحوظ رکھے اور ان اقرباء کے لئے بھی کچھ چھوڑے جو کہ وراثت کے حقدار نہیں۔

آیت ۱۸۲ :-

فرمایا: وصیّت کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے۔

آیت ۱۸۳ :-

لیکن اگر کوئی شخص دیکھے کہ موصی وصیّت کرنے میں جنبہ داری یا معصیّت کا مرتکب ہو رہا ہے تو جائز ہے کہ فریقین کے درمیان صُلح کرادے۔

آیت ۱۸۴ :-

قصاص اور وصیّت کے حکم کے بعد روزوں کا حکم دیا۔ روزہ نہ صرف انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اس سے قوم میں صبر و ہمّت اور صعوبتیں برداشت کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور امراء کو غریبوں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے پھر یہ رُوحانی ترقّی کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔

آیت ۱۸۵ :-

روزے ماہِ رمضان میں فرض کئے گئے۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن کا نزول ہُوا۔ پھر مسافر اور مریض کو حکم دیا کہ روزے دوسرے دِنوں میں رکھے[1]۔ یہاں اطلاقِ قانون کے بارہ میں ایک عام اصول بیان فرمایا

---

[1] یہ حکم آگے پیچھے دو آیتوں میں دُہرایا گیا ہے۔ تکرار تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ مسلمان اس حکم کو بھول جائیں گے۔

کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی پسند کرتا ہے تنگی پسند نہیں کرتا پس تم قانون کی ایسی تشریح **Interpretation** نہ کرو جو تکلیف مالا یطاق کا باعث ہو۔

آیت ۱۸۶، ۱۸۷ :۔

روزے خود بھی ایک عبادت ہیں اور ان میں زیادہ عبادت کرنے کے احکام بھی ہیں۔ رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر ایک نیکی کا کوئی اجر ہے روزے کا اجر میں خود ہوں[1]۔ چنانچہ جب انسان رضائے الٰہی کے حصول کے لئے روزے رکھتا ہے تو خواہ وہ زبانِ حال سے کہے یا نہ کہے وہ اپنے رب کا متلاشی ہوتا ہے۔ فرمایا: اے رسُول! اگر میرے بندے تجھ سے میرے بارہ میں پوچھیں کہ اے رسُول بتلا ہم اپنے محبوب کو کیونکر پائیں تو تُو انہیں میری طرف سے کہہ دے: اے اللہ کے بندو۔ اے روزہ دارو میں تم سے بہت قریب ہوں اور میری قُربت کا ثبوت یہ ہے کہ میں تمہاری دُعائیں سُنتا ہوں پس تم میرے احکام کی اطاعت کرو اور مُجھ پر بھروسہ کرو تاکہ ہدایت کی راہوں پر گامزن ہو۔

آیت ۱۸۸ :۔

روزہ کے احکام میں ایک سہولت تو یہ دی تھی کہ مریض اور مسافر کو کہا تھا کہ دوسرے ایّام میں روزے رکھ لے دوسری سہولت یہ دی تھی کہ روزہ ختم ہونے کے بعد عورتوں سے اختلاط کی اجازت دی۔ پھر روزہ کے متعلق کچھ اَور احکام بیان کئے۔

آیت ۱۸۹ :۔

پھر حکم دیا کہ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور ناجائز مقدمہ بازی سے بچو۔ گویا آیت ۱۸۱ میں جو مضمون شروع کیا تھا اس کا ایک اَور پہلو بیان کیا۔ ایک صحیح اور با امن معاشرہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھائیں۔ جس معاشرہ میں مال کا ناحق کھانا عام ہو جاتا ہے وہاں اقتصادی ترقی رُک جاتی ہے۔

اِس حکم کو روزہ کے حکم کے بعد رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی خاطر اکلِ حلال چھوڑ دیتا ہے تو اس پر اکلِ حرام چھوڑنا بدرجہ اولیٰ لازم آتا ہے۔ نیز روزہ رکھنے سے اس کے اندر ڈسپلن پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ناجائز باتوں سے بچنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

---

[1] کلّ عمل ابن آدم له الّا الصّیام فانه لی وانا اجزی به (بخاری۔ کتاب الصوم)

آیت ۱۹۰ :-

پھر حج کا ذکر کیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے احکام یونہی اناپ شناپ نہیں ہوتے بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ہوتے ہیں دنیا کا کارخانہ جس نہج پہ بنایا گیا اس میں حج کا اہتمام پہلے سے کرلیا گیا تھا۔ اور اگرچہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ اس سے وقت ناپنے کا کام لیتے ہیں لیکن ازل سے یہ بھی مقدر تھا کہ اس سے حج کے اوقات معلوم کرنے کا کام لیا جائے گا۔ حج کو سورج کی بجائے چاند کے ساتھ وابستہ کرنے میں کئی حکمتیں ہیں۔

ایک بڑی حکمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور قوموں کے اجتماع کے لئے ایک موسم کو خاص نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ہر موسم میں بدل بدل کر آنے سے اس بات کا واضح اشارہ کر دیا ہے کہ جب تمہیں اللہ کی خاطر اکٹھا ہونا پڑے تو کسی وقت اور موسم کا لحاظ نہ کرو جب بھی آواز آئے لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اکٹھے ہو جاؤ۔

پھر اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ کنایۃً بتلا دیا گیا کہ اسلام کے ذریعہ قوموں کا ایک نکتۂ مرکزی پہ اجتماع حضور رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی قمری تجلّی کا مرہونِ منت ہو گا۔

دیکھو! وہی بات جو نابینا آنکھ کو بے جوڑ نظر آتی تھی کن کن حقائق پر مشتمل ہے اور کس طرح اپنے مقام پر پوری اُترتی ہے۔

عربوں کا دستور تھا کہ احرام باندھنے کے بعد نہ مکان کے دروازہ سے نکلتے تھے نہ داخل ہوتے تھے بلکہ عقب میں نقب لگا کر اس میں سے نکلتے یا داخل ہوتے تھے۔ وہ اس کو بہت نیکی کا کام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس دستور کو منسوخ کر دیا۔ فرمایا: نیکی اس بات میں نہیں کہ تم مکانوں میں ان کی پشت سے داخل ہو یا کسی کام کو اُلٹے طریق سے کرو نیکی تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے میں، اس کے احکام کی پابندی کرنے میں اور ہر ایک کام کو سیدھے طریق سے کرنے میں ہے۔

آیت ۱۹۱ :-

حج کے بعد جہاد کے حکم کا ذکر کیا۔ فرمایا: وہ لوگ جو تم سے جنگ کرتے ہیں تم ان سے جنگ کرو۔ گویا صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔

جہاد کے حکم کو حج کے بعد اس لئے رکھا کہ کفّار نے مسلمانوں کو اوّل تو ارضِ حرم سے نکالا اور پھر ان کے خلاف قتال کا آغاز کیا۔ پس مسلمانوں کو حکم دیا کہ ارضِ حرم کو واپس لو۔

آیت ۱۹۲، ۱۹۳ :-

فرمایا: دفاعی جنگ کا یہ مطلب نہیں کہ تم جنگ میں نرمی برتو بلکہ ہر محاذ پر دشمن کو قتل کرو اور انہیں ان مقامات سے

نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔

اِس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد تو دُنیا کو امن دینا تھا لیکن جنگ خواہ وہ دفاعی جنگ ہی کیوں نہ ہو امن کے منافی نظر آتی ہے۔ فرمایا بعض دفعہ علاج بالمثل ضروری ہوتا ہے۔ اگر فتنہ و فساد کا مقابلہ ہمیشہ نرمی کے ساتھ کیا جائے تو مُفسد لوگ دلیر ہو جائیں گے اور دُنیا کا امن تباہ ہو جائے گا۔ اِس لئے جب پانی سَر سے گذرنے لگے اور کسی علاقہ کا امن تباہ ہوتا نظر آئے تو ان ظالموں کو جو امن تباہ کرنے کے درپے ہیں تہ تیغ کر دینا امن کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

پھر فرمایا مسجدِ حرام کی حُرمت کا لحاظ کرو اور جب تک کافر تمہارے ساتھ اِس علاقہ میں جنگ نہ کریں تم بھی ان کے ساتھ یہاں جنگ نہ کرو۔ یہاں ایک اُصول بیان کر دیا کہ اگر فریقین جنگ کو محدود کرنا چاہیں تو تم خواہ مخواہ اس کو نہ بڑھاؤ۔

آیت ۱۹۴ :-

جب جنگ شروع ہو گئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کب بند کیا جائے۔ قرآن کے مطابق شکست کھانا حرام ہے اور وہ لوگ جو ہتھیار ڈالتے ہیں جہنمی ہیں۔ جب جنگ لڑنی ہی دفاع کے لئے ہے تو ہتھیار ڈالنے کا یہ مطلب ہے کہ طاغوتی طاقتوں کی برتری کو تسلیم کر لیا جائے۔ قرآن اِس بات کی اجازت نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ اِس زندگی سے موت اچھی ہے۔ قرآن کے نزدیک یہ جنگ صرف ایک صُورت میں ختم ہو سکتی ہے اور وہ صُورت کفّار کی کامل شکست ہے جس کے بعد فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور قانون کی حکومت قائم ہو جائے۔

جنگ کے اختتام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قوم کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ فرمایا خاص خاص ظالموں کے سوا کسی کو سزا نہ دی جائے۔

آیت ۱۹۵ :-

یہاں لڑائی کے بعض آداب بیان کئے ہیں۔ فرمایا: اگر دشمن ماہِ حرام کا پاس نہ کرے تو تم اس کو اس کی سزا ماہِ حرام ہی میں دو اور اِس بات کا انتظار نہ کرو کہ ماہِ حرام گذر جائے اور اس کے بعد اس کو سزا دیں گے۔ اِسی طرح اگر دشمن احترام والی چیزوں کا احترام نہیں کرتا اور ان کے احترام کو گزند پہنچاتا ہے مثلاً مسجدِ حرام میں جنگ کرتا ہے تو تم اس کو اس کی سزا وہیں دو اور اِس بات کا انتظار نہ کرو کہ وہ وہاں سے نکل جائے اور تم پھر اس کو پکڑو۔

اِسی طرح دشمن اگر تم پر کسی اور قسم کی زیادتی کرتا ہے مثلاً شہری آبادیوں پر بمباری کرتا ہے تو تم بھی اس کو ویسا ہی جواب دو۔

آیت ۱۹۶ :-

جہاد کے لئے جہاں جانی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مالی قربانی کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں دِل کھول کر مال خرچ کرو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اپنے تئیں آپ ہلاک کرنے والے ٹھہرو گے۔ ایّامِ جہاد میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے ایسی نیکی جو اللہ تعالیٰ کی محبّت کو کھینچ لیتی ہے۔

آیت ۱۹۷ تا ۲۰۰ :۔

چونکہ جہاد اور حج اجتماعی عبادتیں ہیں اور قیامِ امن کا ذریعہ اِس لئے ان کا ذکر ایک دوسرے کے ساتھ کیا گیا ہے آیت ۱۹۰ میں حج کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا تھا یہاں اس کے تفصیلی احکام بیان کئے ہیں۔

آیت ۲۰۱ تا ۲۰۳ :۔

فرمایا: جب حج ختم ہو جائے تو یہ نہ سمجھو کہ اَب مزید عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ اَب تو تمہیں ذوق و شوق کے ساتھ عبادت کرنا چاہیئے۔ لیکن عبادت کے یہ معنی نہیں کہ دُنیا کو ترک کر دو۔ بیشک ہم تمہیں اِس بات سے منع کرتے ہیں کہ صرف دُنیا کے ہو کر رہ جاؤ۔ لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ تم آخرت کی بھلائی کے سوا اور کچھ طلب نہ کرو۔ مومن کے لئے دُنیا بھی ہے اور آخرت بھی۔ پس تم اپنے رب سے دونوں جہان کی بھلائی طلب کرو کیونکہ وہ دونوں جہان کا رب ہے جیسا کہ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا سے ظاہر ہے۔ کسب کے معنی ہیں کسی چیز کو حاصل کرنے کے تمام ذرائع استعمال کرنا۔ پس مومنوں کو حکم ہے کہ دُنیوی علوم کا بھی اکتساب کریں اور آخرت کے لئے بھی پُوری کوشش کریں۔

آیت ۲۰۴ :۔

حج کے شُکرانہ کے طور پر ایّام التشریق میں یعنی ۱۱۔ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحج کو منیٰ میں ٹھہر کر اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے یہ ٹھہرنا دو دِن بھی ہو سکتا ہے اور تین دِن بھی۔

آیت ۲۰۵ تا ۲۰۸ :۔

پہلے فرمایا تھا کہ ہم تمہیں دُنیا کو طلب کرنے سے منع نہیں کرتے یہاں فرمایا اس کے یہ معنی نہیں کہ تم دُنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ اور اپنے قلب کے زنگ کو دھونے کی بجائے اس پر غلاف چڑھا لو اور زمین میں فساد برپا کرو۔ تمہیں ہر حال میں اللہ کی رضا کو طلب کرنا چاہیئے خواہ وہ دُنیا کا کام ہو خواہ خالص دین کا۔

آیت ۲۰۹ :۔

فرمایا: ایمان کا معراج یہی ہے کہ جس زاویہ سے بھی تم پر نگاہ ڈالی جائے تم اللہ کے فرمانبردار نظر آؤ۔ پس اس کے تمام احکام میں اس کی فرمانبرداری اختیار کرو اگر تم اس کی فرمانبرداری نہیں کرو گے تو اپنی جان سے دشمنی کرو گے اور شیطان

کی پیروی کرنے والے ٹھہرو گے۔

آیت ۲۱۰ :۔

فرمایا: یاد رکھو! اگر تم پُوری فرمانبرداری اختیار نہیں کرو گے تو اللہ کے قانونِ انتقام کو دعوت دینے والے ٹھہرو گے اور اس کی حکمت کے ان تقاضوں کو پُورا کرو گے جو قانونِ انتقام کے ساتھ وابستہ ہیں۔

آیت ۲۱۱ :۔

یہاں اپنی بے نیازی کے اظہار کے طور پر خطاب سے غیبت کی طرف التفات کیا ہے۔ فرمایا: اگر یہ لوگ اللہ کی کامل فرمانبرداری نہیں کریں گے تو ان کا معاملہ چکا دیا جائے گا اور نعمت ان سے چھین لی جائے گی۔

آیت ۲۱۲ :۔

مثال کے طور پر بنی اسرائیل کا ذکر کیا فرمایا ہم نے ان کو روشن نشان دیئے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اس سے نقصان اُٹھایا اور اللہ کے عذاب کے نیچے آ گئے۔

آیت ۲۱۳ :۔

فرمایا: تمہاری بے مائیگی تمہیں تباہ نہیں کرے گی۔ قومیں بے بضاعتی کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتیں بلکہ تفاخر، دُنیا طلبی اور مسخرہ پن کے نتیجہ میں تباہ ہوتی ہیں۔ آخری فیصلہ تو اسی قوم کے حق میں ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنے سے ڈرتی ہے ایسے ہی لوگوں کو اللہ بے حساب رزق دیتا ہے۔

آیت ۲۱۴ :۔

یہاں کفّار کے اِس اعتراض کا ردّ کیا ہے کہ یہ کیسا رسُول ہے جو بھائی کو بھائی سے جُدا کرتا ہے اور باپ کو بیٹے سے۔ اس نے معاشرہ کی یکجہتی ختم کر کے رکھ دی ہے۔ فرمایا: انبیاء تو یکجہتی قائم کرنے کے لئے اور اختلاف کو مٹانے کے لئے آتے ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے حَکم اور عَدل ہوتے ہیں۔ چونکہ سب لوگ راہِ مستقیم کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں اِس لئے جب وہ انہیں راہِ مستقیم دکھلاتے ہیں تو ان کو یہ نظر آتا ہے کہ یہ ڈیڑھ اینٹ کی ایک علیحدہ مسجد کھڑی کر رہے ہیں۔

آیت ۲۱۵ :۔

فرمایا: اِس نظامِ نَو کے قیام کے لئے جسے قائم کرنے کے لئے ہم نے آخری نبی کو بھیجا ہے تمہیں طرح طرح کی قربانیاں دینا ہوں گی تم پر مصیبتیں بھی آئیں گی اور تمہیں سختیاں بھی جھیلنا پڑیں گی۔

آیت ۲۱۶ :۔

اِس سے پہلے اکلِ حلال، قصاص، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کے مسائل بیان کئے تھے۔ جہاد کے ضمن میں آیت ۱۹۶ میں انفاقِ مال کا ذکر بھی آ گیا تھا یہاں انفاقِ مال کی بعض دوسری صورتوں کو بیان کیا ہے۔ فرمایا: اوّل تو ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ تم جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہاری نیک کمائی میں سے ہو گا۔ رشوت، ڈاکہ زنی، زنا وغیرہ کی کمائی میں سے نہیں ہو گا۔ پھر اس کے خرچ کے لئے ہم تجویز کرتے ہیں کہ اسے اپنے والدین، اقربا، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر اور دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرو۔

آیت ۲۱۷ :-

آیت ۱۹۱ سے ۱۹۵ تک جہاد کا ذکر کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی آیت ۱۹۶ میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا تھا یہاں پہلے انفاق کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ پھر جہاد کا ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے آیت ۲۱۶ میں انفاق کی ان شقوں کا ذکر ہے جو جہاد بالسیف سے تعلق نہیں رکھتیں۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جہاد بالسیف کا حکم ایک قلیل عرصہ کے لئے ہے کیونکہ یہ صرف دفاعی جنگ ہے اور امن قائم ہونے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ فرمایا تم اِس غلط فہمی میں مت رہنا کہ یہ ایک عارضی معاملہ ہے۔ بیشک یہ دفاعی جنگ ہے لیکن یاد رکھو شیطان ایک محاذ پر شکست کھانے کے بعد آرام سے نہیں بیٹھ جائے گا۔ جب اس کا سر عرب میں کچلا گیا تو وہ فارس اور روم اور سپین اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں اپنا سر نکالے گا۔ پس اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی قوم تمہارے لئے جہاد فرض ہے اور جب تک شیطان شکست کا اعتراف نہیں کر لیتا اور اِس بات کو مان نہیں لیتا کہ من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر تم پر طاقت کا جواب طاقت سے دینا واجب ہے۔ بیشک تم جنگ و جدال کو پسند نہیں کرتے لیکن فتنہ کا سدِّ باب ضروری ہے۔

آیت ۲۱۸ :-

جہاد کے ذکر میں آیت ۱۹۵ میں فرمایا تھا کہ اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ یعنی اگر کفّار ماہِ حرام کی پابندی نہ کریں اور اس میں جنگ و جدال کریں تو تم اِس بات کا انتظار نہ کرو کہ ماہِ حرام گذر جائے تو پھر ان کو سزا دیں گے انہیں ان کے جُرم کی سزا فوراً ماہِ حرام ہی میں دو (اِس میں یہ بھی نکتہ ہے کہ امن کے قیام کا تقاضا ہے کہ فتنہ کا سر بلا توقف کچلا جائے۔ اگر ہماری عدالتوں کی طرح فوجداری مقدمات مہینوں برسوں لٹکتے رہیں تو اصل غرض فوت ہو جاتی ہے) اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک قوم بُرا کام کرتی ہے کہ ماہِ حرام کی حُرمت کو توڑتی ہے تو کیا مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہے کہ ایسا ہی فعل کریں اور بُرائی کے بدلہ میں بُرائی کریں۔ فرمایا: بے شک ماہِ حرام میں جنگ و جدال بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس سے بھی بڑا گناہ اللہ کے راستہ سے بزورِ شمشیر روکنا، امن برباد کرنا، زائرین کو مسجدِ حرام میں جانے سے

روکنا اور حرم کے مکینوں کو حرم سے نکالنا ہے۔ پس جب دو مکروہ باتیں جمع ہوجائیں اور تمہیں ان دونوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہو تو اس بات کو قبول کرو جو کم نقصان دہ ہے۔ یاد رکھو فتنہ و فساد کا جرم قتل سے زیادہ سنگین ہے پس اگر فساد کو مٹانے کے لئے فسادیوں کا قلع قمع کرنا پڑتا ہے تو اس میں دریغ نہ کرو۔ بہتر تو یہ تھا کہ فسادی لوگ تلوار کے زور سے اللہ کی راہ سے لوگوں کو نہ روکتے لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جب تک تم اپنے دین کو نہیں چھوڑ دیتے وہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے پس تمہارے لئے یا تو یہ راستہ کھلا ہے کہ ارتداد اختیار کرو اور جہنم کو قبول کرلو اور یا یہ کہ ان کے ساتھ لڑو اور ان کے فتنہ کو ختم کردو۔

آیت ۲۱۹ :-

آیت ۲۱۸ میں فرمایا تھا کہ فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے فسادیوں کا قلع قمع کرو۔ اس پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ لوگ جن کے خلاف فتنہ کھڑا کیا جاتا ہے اس کا قلع قمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ کیا کریں۔ کیا وہ اپنی بے بضاعتی کے باوجود لڑکر مر جائیں لیکن اگر وہ لڑکر مرجائیں گے تو فتنہ و فساد تو اسی طرح قائم رہے گا۔ فرمایا ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ہجرت کریں اور پھر انصار اور مہاجر اکٹھے ہو کر اپنی فوجی قوت کو مجتمع کریں اور اس کے بعد فتنہ و فساد کا قلع قمع کریں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ بغیر تیاری کے محض نعروں کے بل بوتے پر جنگ لڑی جائے قرآن تو کہتا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (۸ : ۶۱) یعنی اپنی پوری قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرو۔

آیت ۲۲۰ :-

جب قوم کو جہاد کے لئے تیار کیا تو ایسی باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جو قومی استحکام کے خلاف ہیں اور اصلاح معاشرہ کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ فرمایا اگرچہ شراب اور جوئے میں نفع ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ ہے اس لئے ان سے پرہیز کرنا چاہیئے (یہاں یہ مسئلہ بھی بیان ہوگیا کہ اگر کسی چیز کی مضرت اس کے نفع سے زیادہ ہو تو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے) شراب اندازہ کے مطابق پی جائے تو طاقت اور تہور پیدا کرتی ہے لیکن اس کا کثرت سے استعمال صحت کو خراب کرتا ہے نیز یہ ذکرِ الٰہی سے غافل کرتی ہے اور فکری قویٰ کو ماؤف کرتی ہے۔ اسی طرح جوا اگرچہ شغل اور دل لگی کا باعث ہوتا ہے اور دولت کو ایک رنگ میں تقسیم بھی کرتا ہے لیکن اس سے بغیر کام کئے دولت حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ نیز اکثر آپس میں منافست اور رنجش کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ شراب اور جوئے سے روپیہ بھی ضائع ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شراب پینے والے اور جوا کھیلنے والے لوگ اپنی دولت کو بے دریغ لٹا دیتے ہیں۔

جب یہ فرمایا کہ اپنی حلال کی کمائی کو فضول باتوں میں ضائع نہ کرو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر فاضل

دولت کا کیا کریں۔ فرمایا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

آیت ۲۲۱ :۔

گذشتہ آیت میں اصلاحِ معاشرہ کے لئے شراب اور جوئے سے منع کیا تھا اس آیت میں فرمایا کہ تیمیوں کی اصلاح کی طرف دھیان دو یتیموں کے مسئلہ کو جہاد کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اگر ان کو یہ یقین ہو کہ ان کے بعد ان کی اولاد کا خاطر خواہ انتظام ہوگا تو وہ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں زیادہ ذوق شوق سے دیں گے۔

آیت ۲۲۲ :۔

نکاح کے مسئلہ کا بھی جہاد کے مسئلہ کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر موجود الوقت نسل اللہ کی راہ میں کٹ جائے تو اس کی جگہ دوسری نسل قائم ہونا ضروری ہے جو ان اقدار کو زندہ رکھے جن کے لئے پہلی نسل اپنی جان قربان کر رہی ہے پس فرمایا کہ مشرکوں سے شادی بیاہ کے تعلقات نہ رکھو تاکہ تم اپنی اقدار نہ کھو بیٹھو۔

آیت ۲۲۳ :۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نکاح کی غرض صالح اولاد پیدا کرنا ہے تو کیا اس کے بدوں مجامعت کی اجازت ہے۔ فرمایا ہاں اجازت ہے لیکن حیض کے دِنوں میں نہیں کیونکہ حیض ایک مضرت ہے۔ اِس میں یہ مسئلہ بھی بیان ہو گیا کہ مباشرت کے وقت زوجین کا خصوصًا عورت کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔

آیت ۲۲۴ :۔

فرمایا: مجامعت کی اصل غرض تو بقائے نسل ہے پس تم پاک اور صحت مند عورتوں کے ذریعہ ایسی صالح نسل پیدا کرو کہ تمہاری اور تمہاری قوم کی عاقبت سنور جائے۔

آیت ۲۲۵، ۲۲۶ :۔

مذکورہ بالا احکام کا تعلق اگرچہ جہاد سے بھی ہے لیکن ان کی حیثیت عمومی ہے اور وہ امن کے وقت بھی قابلِ عمل ہیں۔ ان کی اصل غرض اصلاحِ معاشرہ ہے چنانچہ فرمایا تمہارا کام لوگوں سے بھلائی کرنا، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور لوگوں کے درمیان صُلح کروانا ہے۔ تم اپنے کسی فرض سے یہ کہہ کر گریز نہیں کر سکتے کہ تم نے فلاں نیک امر کے متعلق اللہ کی قسم کھا کر اس کو ضامن ٹھہرایا ہے کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے۔

جب یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم بھی نیکی کو چھوڑنے کا بہانہ نہیں بن سکتی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قسموں کے متعلق کیا

قانون ہے۔ فرمایا: اگرچہ بے مقصد قسمیں کھانا بُری بات ہے تم سے اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا لیکن اگر تم کسی قسم پر اپنے دِل وجان سے قائم ہو جاؤ تو قابلِ مواخذہ ٹھہرو گے۔

آیت ۲۲۷ :۔

قسموں کے ذکر میں عرب کی ایک منحوس رسم کو منسوخ فرمایا۔ عربوں کا قاعدہ تھا کہ قسم کھاتے تھے کہ میں اس بیوی سے مجامعت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نہ تو وہ عورت مطلقہ شمار ہوتی تھی کہ کہیں اور جا کر شادی کرلے اور نہ پہلے خاوند سے اس کے تعلقات رہتے تھے۔ فرمایا: تمہیں یہ حق نہیں کہ عورتوں کو کالمعلقہ چھوڑ دو۔ اگر تم یہ قسم کھاؤ کہ تم اپنی کسی بیوی سے تعلق نہیں رکھو گے تو یہ قسم طلاق کے مترادف سمجھی جائے گی اور تمہیں حق ہو گا کہ چار ماہ کے اندر یا تو مراجعت کرو یا پھر اس مدت کے گذر جانے پر اس کو طلاق دے دو۔

آیت ۲۲۸ تا ۲۳۴ :۔

طلاق کے ذکر کے ساتھ طلاق کے مسائل اور اس کے ضمنی مسائل مثلاً بچہ کو دُودھ پلانا بیان ہوئے۔

آیت ۲۳۵ :۔

چونکہ طلاق کے بیان میں عدت کا ذکر آیا تھا اس لئے عدت کی ایک دوسری صورت بھی بیان کی یعنی جب خاوند فوت ہو جائے۔

آیت ۲۳۶ :۔

طلاق کی عدت کے درمیان کسی دوسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مطلقہ عورت سے اشارۃً یا کنایۃً نکاح کی بات کرے کیونکہ قرآن کی رُو سے بہتر یہی ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں مصالحت ہو جائے۔ البتہ وفات کے بعد کی عدت کے دوران عورت سے اشارۃً یا کنایۃً نکاح کا ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن بات قولِ معروف سے آگے نہیں بڑھنی چاہیئے اور کوئی قول واقرار نہیں ہونے چاہیئں۔ سبحان اللہ کیا پاک تعلیم ہے۔

آیت ۲۳۷ تا ۲۳۹ :۔

طلاق کے بعض مسائل بیان کئے۔ طلاق وغیرہ کے مسائل کے وسط میں نماز کا ذکر کیا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ان مسائل کی پابندی صرف خوفِ خدا ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور خوفِ خدا صرف نماز سے پیدا ہوتا ہے پس نماز گویا ان احکام کی Sanction ہے جس کا ذکر ان احکام کے درمیان کر دیا گیا ہے۔ آیت اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (۲۹ : ۴۵) اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن نماز کو اپنے احکام کی Sanction قرار دیتا ہے۔

آیت ۲۴۰ :-

فرمایا: خوف کی حالت میں نماز پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اِس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مضمون جہاد ہے جس کے تابع یہ سب مضمون آ رہے ہیں۔ اگرچہ وہ احکام بیان کئے جا رہے ہیں جن سے معاشرہ کی اصلاح مقصود ہے لیکن ان احکام کو جہاد کے حکم کے ساتھ منسلک کر دیا ہے تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ اس قوم کے لئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے کھڑی ہوتی ہے ضروری ہے کہ اپنے معاشرہ کی پوری پوری اصلاح کرے۔

آیت ۲۴۱ :-

آیت ۲۳۵ میں متوفّی کی بیوہ کی عدت کا ذکر کیا تھا یہاں فرمایا کہ متوفّی مرتے وقت اپنی بیوہ کے حق میں وصیت کرے کہ اسے ایک سال تک نان و نفقہ دیا جائے گا اور گھر سے نہیں نکالا جائے گا۔

آیت ۲۴۲ :-

بیوہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کے ذکر کے ساتھ مطلّقہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ذکر بھی کر دیا۔ فرمایا انہیں حق مہر کے علاوہ کچھ نہ کچھ دینا تم پر فرض ہے۔

آیت ۲۴۳ :-

فرمایا: اللہ تمہیں اپنے احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ تم ان کی حکمت کو سمجھو۔

آیت ۲۴۴ :-

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اِن آیات میں اصل مضمون جہاد کا چل رہا ہے باقی مضامین اِس کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں ایک مثال دی ہے فرمایا: ایک دفعہ ایک قوم موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلی تھی لیکن جب اس نے اللہ کے حکم سے خود اپنے اُوپر موت وارد کر لی تو اللہ نے ان کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔

آیت ۲۴۵، ۲۴۶ :-

پس تم بھی اِس واقعہ سے سبق حاصل کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ کی راہ میں دِل کھول کر مال خرچ کرو۔

آیت ۲۴۷ تا ۲۵۳ :-

جہاد کے متعلق بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ اِس واقعہ میں مومنین کے لئے کئی نصائح ہیں۔ بتلایا کہ سالارِ لشکر اور حاکم کیسا ہونا چاہیئے۔ جہاد کرنے والی قوم کا کردار کیسا ہونا چاہیئے۔ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ اگر جہاد نہ کیا جائے اور طاغوتی طاقتوں کو کھلی چھٹی دے دی

جائے تو زمین فساد سے بھر جائے۔

آیت ۲۵۴ :-

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس سورۃ کا اصل مضمون قرآن اور رسولِ عربی کی صداقت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں آیت ۱۴۲ اور اس سے پہلی آیات میں پہلے انبیاء کا ذکر کیا گیا تھا پھر فرمایا کہ یہ نبی اور یہ کتاب ان انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پیشگوئیوں کو پورا کرتے ہیں جو اس بارہ میں انہوں نے بیان کی تھیں۔ اسی ضمن میں آخری قبلہ۔ لوگوں کے آخری مرکز۔ جہاد اور دیگر احکام کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا گیا فرمایا یہ انبیاء مختلف فضیلتوں کے مالک تھے۔ کوئی حکیم تھا اور کوئی رفیع اور کسی کی تائید روح القدس سے کی گئی تھی لیکن ہر ایک رسول کی آمد کے کچھ عرصہ بعد لوگ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے لگے۔ پس تمہارا یہ کہنا کہ اب ہمیں کسی اور نبی کی ضرورت نہیں غلط ہے کیونکہ پہلے نبی بھی اس وقت آئے تھے جبکہ آپس کا اختلاف حد سے بڑھ گیا تھا اور اب بھی تمہارا آپس کا اختلاف حد سے بڑھ چکا ہے۔

آیت ۲۵۵ :-

آیت ۲۴۴ سے ۲۵۳ تک جہاد کا ذکر کیا تھا یہاں انفاق کا ذکر کیا ہے۔ قرآن نے جہاد اور انفاق پر بہت زور دیا ہے اور اکثر ان دونوں چیزوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ انفاق کا ذکر آیت ۲۵۴ کے بعد اس لئے رکھا ہے کہ اگرچہ جہاد ایک اہم رکن ہے لیکن اس کی شرائط کا ہر زمانہ میں پایا جانا ضروری نہیں لیکن انفاق مال ایک ایسا حکم ہے جس پر ہر زمانہ میں عمل کیا جاسکتا ہے اور کرنا ضروری ہے۔ پس جب نبی آخر الزمان کی ضرورت کا ذکر کیا تو اس قوم کو جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی مخاطب کر کے فرمایا کہ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جب کوئی سودا بازی نہ ہو گی اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی اللہ کی راہ میں اپنا مال دل کھول کر خرچ کرو۔

آیت ۲۵۶ :-

قیامت کے ذکر کے ساتھ خدا تعالیٰ کی شان کا ذکر بھی کر دیا نبی آخر الزماں کی آمد کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کا اصل تصوّر محو ہو گیا تھا اور جس طرح لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں موحد کہلانے والے بھی ایک مردہ خدا کی پوجا کرنے لگے۔ فرمایا اس سلسلۂ نبوّت کا موجد ایک حی اور قیوم خدا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے اور حکمران ہے۔ پس یہ نہ سمجھو کہ پہلے تو وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجتا تھا لیکن اب وہ تھک گیا ہے اور اُس نے اِس کام میں تساہل سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔

آیت ۲۵۷ ، ۲۵۸ :-

جہاد کے ذکر سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ دینِ قیم کو قائم کرنے کے لئے زبردستی لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا: نہیں۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔ البتہ جو لوگ ہدایت کو قبول کریں گے وہ کامیاب ہوں گے۔ اللہ ان کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے گا۔ رہے کافر تو معبودانِ باطلہ ان کے دوست ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لاتے ہیں۔

آیت ۲۵۹ :-

اِس آیت میں اور اس کے بعد کی آیت میں آیت ۲۵۸ کے مضمون کو چند مثالوں سے واضح کیا ہے۔

نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا ابراہیم نے اس کے دعویٰ کی تردید میں یہ دلیل دی کہ خدا تو وہ ہستی ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ اِس پر نمرود نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اُس کی اِس دلیل سے ایک عام شخص یہ تأثر لے سکتا تھا کہ ابراہیم پکڑے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشنی عطا فرمائی اور بجائے اس کے کہ آپ فلسفی بحث میں اُلجھتے جسے حاضرینِ مجلس سمجھنے سے قاصر رہتے۔ آپ نے نمرود کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اِس دلیل سے واضح کر دیا کہ خدا تو وہ ہستی ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتی ہے تجھ میں اگر کوئی طاقت ہے تو تُو اسے مغرب سے نکال دے۔ یہ دلیل سُن کر نمرود مبہوت ہوگیا گویا شیطان اسے اندھیرے میں چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہوگیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

آیت ۲۶۰ :-

یہاں حزقیل کو کشف کے ذریعہ جو علم دیا گیا تھا اس کا ذکر ہے۔ آیت ۲۵۹ میں اندھیروں سے اُجالے میں لے جانیوالی اس روشنی کا ذکر تھا جو دلائل یعنی دماغ کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ یہاں اس روشنی کا ذکر ہے جو کشوف سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ۔۔۔۔ الخ۔

آیت ۲۶۱ :-

یہاں اس روشنی کا ذکر ہے جو مکالمہ مخاطبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اِس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کشوف اور الہام کے ذریعہ جو روشنی ملتی ہے وہ اس روشنی کی جو دلائل کے ذریعہ ملتی ہے ممد اور معاون ہوتی ہے اور لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کی دُعا صرف اسی روشنی کے ذریعہ پوری ہوتی ہے۔

آیت ۲۶۲ تا ۲۶۴ :-

اِن آیات میں آیت ۲۵۵ کے مضمون انفاق فی سبیل اللہ کی طرف رجوع کیا ہے لیکن یہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ اس کو آیت ۲۵۸ کے مضمون يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کے ماتحت لایا گیا ہے۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں

مال خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زمین میں دانہ بونا کہ ایک دانہ کے سات سَو دانے بنتے ہیں۔ کلام کی خوبی دیکھئے کہ دانہ زمین کی ظلمات میں دبایا جاتا ہے لیکن اس کا پھل (نور) سُورج کی روشنی میں بنتا اور اُبھرتا ہے۔ گویا یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ کا عمل یہاں بھی جاری ہوتا ہے۔ پھر فرمایا صدقہ کو منّ و اذٰی سے باطل نہ کرو یعنی اپنے بنائے نیکی کے پھول (نور) کو غارت نہ کرو کہ وہ گل سڑ کر مٹّی کا ڈھیر بن جائے اور مِنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ کا عمل شروع ہو جائے۔

آیت ۲۶۵، ۲۶۶:۔

یہاں انفاق کے ایک اَور پہلو کو لیا ہے اور دکھلاوے کے لئے مال خرچ کرنے اور اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کے فرق کو نہایت خوبصورت مثالوں سے بیان کیا ہے۔

آیت ۲۶۷:۔

نیک اعمال کے ریا اور ایذا وغیرہ کے ساتھ ضائع کرنے کو ایک اَور مثال سے بیان کیا ہے۔ فرمایا: کیا تم اِس بات کو پسند کرو گے کہ تمہارا ہرا بھرا لہلہاتا باغ ہو اور ایک آگ کا بگولہ اس پر پڑے اور اسے خاک و خاکستر کر دے یعنی قیامت کے دِن تمہارے اعمالِ صالحہ ہی تمہارے کام آئیں گے۔ پھر تم کیونکر اِس بات کو پسند کرتے ہو کہ ان اعمال کو ریا اور ایذا سے ضائع کرو۔

آیت ۲۶۸ تا ۲۷۵:۔

اِن آیات میں صدقات کے متعلق مزید تشریحات کی ہیں۔

آیت ۲۷۶، ۲۷۷:۔

یہاں سُود خوری سے منع کیا ہے۔ سُود کا ذکر صدقات کے ساتھ کیا ہے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں اور یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن جس نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کا بنیادی نقطہ دینا ہے نہ کہ لینا۔ چنانچہ آگے چل کر فرمایا یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ (۲۷۷) کہ اللہ سُود کے نظام کو مٹانا چاہتا ہے اور صدقات کے نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو مال بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جائے خواہ اس کی صُورت قرض کی ہو صدقہ کی تعریف میں آتا ہے۔

پھر فرمایا وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوةٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ (۳۰ : ۴۰) یعنی اے لوگو۔ یا اے حکومت

کے عمّال! تم لوگوں سے سُود پر جو مال اس غرض سے اکٹھا کرتے ہو کہ اِس طرح اموال النّاس یعنی قومی فنڈ کو بڑھاؤ اور مضبوط کرو گے تو یاد رکھو قومی فنڈ اِس طرح نہیں بڑھتا البتہ وہ زکوٰۃ جو تم لوگ دیتے ہو اس سے تم قومی فنڈ کو بڑھاتے اور مضبوط کرتے ہو۔ دیکھیئے اگر آج حکومت چند ارب روپیہ سُود پر جمع کرتی ہے تو اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے اموال النّاس کو بڑھا لیا ہے لیکن حقیقت الامر یہ ہے کہ جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو وہی مشکلات جو اس وقت اس کے درپیش ہوتی ہیں دوبارہ زیادہ بھیانک صُورت میں سامنے آکھڑی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس زکوٰۃ کے ذریعہ سے جو مال اکٹھا کیا جاتا ہے وہ حقیقی طور پر قومی فنڈ کو بڑھاتا ہے۔ اِس آیت میں ربٰو (سُود) اور زکوٰۃ کے الفاظ بالمقابل استعمال کیئے گئے ہیں۔ ربٰو کے معنی بھی بڑھانے کے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی بھی بڑھانے کے ہیں۔ قرآن نے دونوں مشترک المعنی الفاظ استعمال کر کے اِس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ ربٰو اور زکوٰۃ دراصل دو مختلف نظاموں کا نام ہے۔ ایک نظام قوم میں حرص کے جذبہ کو اُبھارتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم تمہارا مال تمہیں بڑھا کر واپس کریں گے گویا کہ یہ کہتا ہے کہ دراصل تم دے نہیں رہے لے رہے ہو لیکن دوسرا نظام قوم میں قربانی کے جذبہ کو اُبھارتا ہے اور کہتا ہے کہ جب قوم خوشحال ہوگی تو تم خود بھی خوشحال ہو گے اور تمہاری اولادیں بھی۔ قرآن نے اِس نظام کو کبھی صدقہ اور کبھی زکوٰۃ اور کبھی انفاق فی سبیل اللّٰہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

غرضیکہ سُود جس کے گرد مغربی نظام گھومتا ہے لینے پر زور دیتا ہے اور استحصال کا دوسرا نام ہے لیکن جس نظام کو قرآن قائم کرنا چاہتا ہے وہ دینے پر زور دیتا ہے۔ ایک نظام میں ہر ایک شخص زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرے میں زیادہ سے زیادہ دینے کی۔ دونوں نظام ایک دوسرے کے مغائر پڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اپنے حقوق طلب کرنے لگے تو معاشرہ جہنّم بن جائے گا۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ استاد اپنے حقوق مانگ رہا ہے اور طالبِ علم اپنے۔ والدین اپنے حقوق مانگ رہے ہیں اور اولاد اپنے۔ آجر اپنے حقوق مانگ رہا ہے اور اجیر اپنے۔ جنُون کا ایک دَورہ ہے جس نے تمام معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور کوئی بھی مطمئن نظر نہیں آتا۔ اِس کے برعکس اگر صدقہ پر مبنی نظام قائم کیا جائے تو ہر ایک کو اس کے مطالبہ سے زیادہ ملے گا اور آپس کے تعلّقات نفرت اور عداوت کی بجائے محبّت اور دوستی پر قائم ہو جائیں گے۔

آیت ۲۷۸ :-

یہاں اس نظام کے مالی پہلو یعنی زکوٰۃ کے ساتھ نماز کا ذکر کیا ہے جس طرح عورتوں کے متعلق احکام کے درمیان نماز کا ذکر کیا تھا (۲۳۹) اسی طرح اَب سُود کے متعلق احکام کے درمیان نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ زکوٰۃ قرآن

کے مادی نظام کا عنوان ہے اور نماز اس کے رُوحانی نظام کا۔ قرآن نے مادی نظام کی Sanction رُوحانی نظام میں رکھی ہے تاکہ لوگ اس نظام کو شرح صدر سے قبول کریں اور دونوں نظاموں کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ کتاب دین و دُنیا کی بھلائیوں کی جامع ہے۔

آیت ۲۷۹ تا ۲۸۱ :-

چونکہ یہ نظام سُودی نظام کے مغائر پڑا ہوُا ہے اِس لئے تکراراً فرمایا: اگر تم اس سُود کو جو تم نے ابھی لوگوں سے لینا ہے چھوڑنے کو تیار نہیں تو اللہ اور اس کے رسُول کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آیت ۲۸۲ :-

فرمایا: قیامت کے دن سے ڈرو۔ ہر ایک قانون کے پیچھے کوئی نہ کوئی Sanction ہوتی ہے۔ قرآن کے قوانین کی سب سے بڑی Sanction اللہ کا تقویٰ ہے اِس لئے جب احکام کا ذکر آتا ہے تو بیچ میں کبھی نماز کا حکم آجاتا ہے اور کبھی قیامت کا۔

آیت ۲۸۳، ۲۸۴ :-

معاشرتی قوانین کے ذکر میں ایک اور قانون کا ذکر کیا۔ فرمایا: اگر تم کوئی چیز یا روپیہ معینہ مدت کے لئے اُدھار دو یا لو تو اسے ضبطِ تحریر میں لے آؤ۔ پھر اِس بارہ میں بعض ضمنی احکامات بیان کئے۔

آیت ۲۸۵ :-

یہ تمام احکام بیان کرنے کے بعد اِس سوال کا جواب دیا کہ یہ احکام کس اتھارٹی Sanction سے نافذ کئے جا رہے ہیں۔ فرمایا اِن احکام کا نازل کرنے والا وہ خدا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ ان میں بعض احکام ایسے بھی ہیں جن کو تم درونِ خانہ توڑ سکتے ہو لیکن یاد رکھو اللہ تمہارے دِلوں کے بھید جانتا ہے اور وہ تم سے پُورا پُورا حساب لے گا۔

آیت ۲۸۶ :-

آیت ۱۷۹ سے آیت ۲۸۴ تک مندرجہ ذیل احکامات بیان کئے گئے ہیں :-

ایمان وغیرہ ۱۷۸

انفاق ۱۷۸، ۱۹۶، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۴۶، ۲۶۲ تا ۲۷۵ کُل ۱۸ آیتیں۔

قصاص ۱۷۹، ۱۸۰۔

وصیّت ۱۸۱ تا ۱۸۳ کُل ۳ آیتیں۔

روزہ ۱۸۴ تا ۱۸۸ کُل ۵ آیتیں۔

ناحق مال کا کھانا ۱۸۹

حج ۱۹۰، ۱۹۷ تا ۲۰۴ کُل ۹ آیتیں۔

جہاد ۱۹۱ تا ۱۹۵، ۲۱۵، ۲۱۷ تا ۲۱۹، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۷ تا ۲۵۲ کُل ۱۷ آیتیں۔

ہجرت ۲۱۹

شراب اور جوا ۲۲۰

یتامیٰ ۲۲۱

مُشرکوں سے نکاح ۲۲۲ تا ۲۲۴۔

قسم ۲۲۵، ۲۲۶۔

ایلاء ۲۲۷

طلاق ۲۲۸ تا ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۲ کُل ۱۰ آیتیں۔

عدّت وفات ۲۳۵، ۲۳۶۔

عورتوں کے حق میں وصیّت ۲۴۱

سُود ۲۷۶ تا ۲۸۱ کُل ۱۶ آیتیں۔

دَین ۲۸۳، ۲۸۴۔

اِن احکام کے ابتداء میں آیت ۱۷۸ میں فرمایا تھا کہ نیکی کی جڑ اللہ، یومِ آخرت، ملائکہ، اللہ کی تمام کتب اور اس کے جُملہ رسُولوں پر ایمان لانا ہے۔ اِن احکام کے بیان کے بعد مکرر فرمایا کہ مومن اللہ، اس کے ملائکہ، اسکی تمام کتابوں اور اس کے جُملہ رسُولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ گویا مضمون کے دونوں سروں کو آپس میں ملا دیا اور اِس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان احکام پر عمل ایمان کی نشانی ہے۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آیت ۱۷۸ سے آیت ۲۸۴ تک کبھی انفاق کے مضمون کے نیچے حج اور جہاد وغیرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور کبھی حج کے مضمون کے نیچے جہاد اور انفاق کا ذکر ہوتا ہے اور کبھی جہاد کے مضمون کے نیچے انفاق کا ذکر ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم ان اُمور پر کسی قدر روشنی ڈالتے ہیں۔

انفاق کا حکم اِس سلسلہ کا اوّلین حکم ہے (۱۷۸) پس اِس سے معلوم ہوا کہ ایک جہت سے باقی تمام احکام اِس کے تابع ہیں۔ جب ولی خون بہا تک بھی معاف کر دیتا ہے تو اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ۔۔۔ فِی (فَكِ) الرِّقَابِ (۱۷۸) کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ جب مرنے والا اپنے مال کی اپنے اقربا کے حق میں وصیت کرتا ہے تو اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (۱۷۸) کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ جب روزہ دار روزہ رکھتا ہے تو اسے مسکینوں اور یتامیٰ کے دُکھ کا احساس ہوتا ہے اور اس کی طبیعت اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ پر مائل ہوتی ہے۔ روزہ کو انفاق کے ساتھ خاص نسبت ہے چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں بے حد صدقہ کیا کرتے تھے۔ جب انسان حج کے لئے نکلتا ہے تو انفاق کے بغیر حج نہیں کر سکتا۔ جب قوم جہاد کے لئے کھڑی ہوتی ہے تو روپیہ خرچ کئے بغیر جہاد نہیں کر سکتی۔ جب کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے تو ضربًا فی الارض کے لئے اس کو روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ شراب اور جوا روپیہ کو ناجائز ضائع کرتے ہیں اور انفاق کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں یتامیٰ کی خبرگیری انفاق چاہتی ہے۔ نکاح کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے چنانچہ فرمایا جو خرچ نہیں برداشت کر سکتا نکاح نہ کرے (۲۴، ۳۴) سُود کا نظام انفاق کے نظام کے مخالف ہے (۲۸۳) دَین انفاق کی ایک صُورت ہے۔

انفاق اور حج کے درمیان وصیّت، روزہ اور ناحق کا مال کھانے کے مضامین آتے ہیں۔ چونکہ یہ مضامین حج اور جہاد کے بعد بیان نہیں ہوتے اِس لئے ان کا تعلق صرف انفاق سے ہے۔ انفاق کے بعد حج کا مضمون آیا ہے یہ مضمون آیت ۱۹۰ سے ۲۰۴ آیت تک چلتا ہے۔ اس کے درمیان آیت ۱۹۱ سے آیت ۱۹۵ تک جہاد کا ذکر ہے آیت ۱۹۶ میں انفاق کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جہاد اور انفاق کو حج کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اِس بارہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ حج کا Institution تبھی قائم ہو سکتا تھا کہ خانہ کعبہ کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی جاتی (۴۵) سو خدا تعالیٰ کی مشیت نے اس تولیت کے حصول کو جہاد کے ساتھ ملزوم کر دیا۔ پھر انفاق کے بغیر نہ حج ہو سکتا ہے اور نہ جہاد۔

اِس ترتیب میں ایک اور نکتہ بھی پنہاں ہے۔ حج کے معنے ہیں قصد کرنا۔ زیارت کے لئے جانا۔ چنانچہ شرع میں حج اس Institution کا نام ہے جس میں ہر ملک و قوم کے لوگ کالے بھی اور گورے بھی، مشرقی بھی اور مغربی بھی نسل و قوم کی حدود پھلانگ کر اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں گویا یہ

کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے مضمون کے ماتحت جہاد اور انفاق کا ذکر کر کے اِس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کبھی بھی ایسے نظام کو قبول نہیں

کریں گے اور اس کے خلاف ہر ایک حربہ استعمال کریں گے حتٰی کہ جنگ و جدال سے بھی باز نہیں آئیں گے پس مسلمانوں کو
یہ Institution قائم کرنے کے لئے جہاد کی بھی ضرورت ہو گی اور انفاق کی بھی۔ حج اور جہاد کے ذکر کے
درمیان کسی اور حکم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن احکام کا براہِ راست حج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔
حج کے بعد جہاد کا ذکر آیا ہے۔ اور جہاد کے ذکر کے ساتھ ساتھ انفاق کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ ایک آیت میں
جہاد کا ذکر ہے تو دوسری آیت میں انفاق کا ذکر ہے اور پھر اگلی آیت میں جہاد کا ذکر ہے۔ یہ ذکر اِس طرح آیت
۱۹۱ سے آیت ۲۴۶ تک متواتر چلتا ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انفاق جہاد کا ایک لازمی جزو ہے۔
حج، جہاد اور انفاق کی آیات کے درمیان ہجرت (۲۱۹) شراب اور جوا (۲۲۰) یتامٰی کی خبر گیری (۲۲۱)
مشرکوں سے نکاح (۲۲۲) وغیرہ مضامین آئے ہیں۔ جیساکہ اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے یہ تمام احکام جہاد کے
حکم کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

انفاق کا ذکر اس خطوطِ وحدانی کے بعد بھی ہوا ہے جن میں کہ جہاد اور انفاق کا اور بعض دوسرے ضمنی احکامات
کا ذکر کیا گیا ہے (۲۶۲ تا ۲۷۵) چنانچہ سود (۲۷۶ تا ۲۸۱) اور دَین (۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸) وغیرہ کے متعلق احکامات
اسی سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں۔ جیساکہ اُوپر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ان احکامات کو انفاق کے حکم کے ساتھ گہرا
تعلق ہے۔

آیت ۲۸۷ :-

چونکہ اِس سورۃ میں بہت سے ضروری احکام کا ذکر تھا۔ ان احکام کا جن کے ذریعہ قرآن نظامِ نو کو قائم کرنا
چاہتا ہے۔ اِس لئے آخر میں فرمایا ہر شخص اپنے کئے کا پھل پائے گا۔
پھر ایک دعا سکھلائی جو اللہ تعالیٰ کا خوف دِل میں بٹھلاتی ہے اور یہ بتلاتی ہے کہ ان احکام پر عمل کا نتیجہ
نظامِ نو کے قیام اور کافروں پر فتحِ مبین کا ضامن ہے۔ گویا احکام پر عمل کرنے کی ہدایت بھی کی احکام کی
کی طرف بھی توجہ مبذول کروادی اور یہ بھی بتلا دیا کہ ان پر عمل کرنے سے تمہیں کیا حاصل ہو گا۔

(۲) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ
آیاتھا ۲۸۶ — رکوعاتھا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

الٓمّٓ ﴿۲﴾

مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳﴾

یہی ہے وہ کتابِ موعود جو ہر نقص سے پاک ہے۔ یہ ہدایت ہے متقیوں کیلئے

ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید غائب واحد مذکر ہے۔ اِس کے معنی ہیں وہ۔ اِس کی تثنیہ ذَانِكَ یا ذَیْنِكَ یا ذَانّكَ ہے اور جمع اُوْلٰئِكَ۔ مؤنث واحد تِلْكَ۔ تثنیہ تَانِكَ یا تَانّكَ اور جمع اُوْلٰئِكَ ہے۔ اِس کا استعمال بطور اشارہ قریب حاضر کے بھی اکثر ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں اذا کان ذٰلك كذٰلك ...۔ اگر یہ بات اِس اِس طرح ہو گئی ....

خفاف کہتا ہے ؎

اقول لهٗ والرمح یأطر متنه

تأمّل خفافًا انّنی انا ذٰلك

مَیں نے اسے کہا جبکہ نیزہ اس کی کمر کو کاٹ رہا تھا خفاف کو اچھی طرح دیکھ لے مَیں یہاں ہوں۔

قرآن مجید میں یہ کئی جگہ اشارہ قریب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (۳: ۴۵، ۱۲: ۱۰۳) تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ (۶: ۸۴) تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ (۲۷: ۲) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ (۴۵: ۷) ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (۶۰: ۱۱)

امام رازی کہتے ہیں کہ ھٰذا اور ذٰلك میں اصل لفظ ذا ہے جو کہ حرفِ اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۲ : ۲۴۶) ھا توجہ دلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پس جب کوئی چیز قریب ہوتی ہے تو اس کو ھٰذا سے بیان کرتے ہیں یعنی اے مخاطب یہ رہی مشارٌ الیہ چیز۔ لیکن جب کوئی چیز دُور ہوتی ہے تو مخاطب کو یہ بتلانے کے لئے کہ وہ چیز جو تجھ سے دُور ہے اسم اشارہ "ذا" کے ساتھ کاف خطاب اور لام تاکید لگا دیتے ہیں اور اس سے تاخیر کا مفہوم لے لیتے ہیں پس اگرچہ عُرفِ عام میں ذٰلك کو اشارہ بعید کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اسکے بنیادی معنوں میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا۔

جس طرح ھٰذا کا لفظ بعض دفعہ تنقیص کے لئے بولتے ہیں جیسے قرآن میں آیا: اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ (۴۳ : ۵۳) اسی طرح ذٰلك کا لفظ تعظیم اور تفخیم کے لئے بولتے ہیں۔

اَلْكِتٰبُ کے مندرجہ ذیل معانی ہو سکتے ہیں:۔

ا۔ ال معہود ذہنی کے لئے ہے یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ معنی رُوح البیان، نسفی، رازی، کشاف اور بیضاوی نے کئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (۲ : ۱۳۰) یعنی اے ربّ ان میں ایک رسُول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ وہ رسُول جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے کتاب اور حکمت سکھلائے اور ان کو پاک کرے۔ اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آثارِ سابقہ میں ایک عظیم الشّان نبی کی بعثت کی پیشگوئی پائی جاتی تھی جس کے پیشِ نظر حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ دعا کی کہ یا ربّ وہ صاحبِ کتاب نبی میری ہی اولاد میں سے ہو۔ قرآن کے بارے میں بائیبل کی مندرجہ ذیل پیشگوئی بہت واضح ہے:۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں میں سے آیا۔

اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"۔ (استثناء ۳۳/۲)

(نئے تراجم میں بائیبل کے مترجمین نے دس ہزار قدوسیوں کی بجائے لاکھوں قدوسی کر دیا ہے تا کہ پیشگوئی مُبہم ہو جائے کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے ہمراہ دس ہزار صحابہؓ کا لشکر تھا)۔

ب۔ ال تخصیص کے لئے آیا ہے یعنی یہ THE BOOK ہے۔ ایسی کامل کہ جس کا ثانی نہیں اور جس کے سامنے کوئی اور کتاب کتاب کہلانے کی مستحق نہیں یا ایسی کامل کتاب ہے کہ جو کچھ کتاب کہلانے کا مستحق ہے وہ سب اس میں موجود

ہے یعنی جامع جمیع کمالات ہے۔گویا ایک لفظ ال میں علاوہ دیگر مضامین کے یہ مضمون بھی آگیا ہے کہ یہ وہ مجموعہ صحائف ہے کہ فِیْہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (۹۸ : ۳) اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں ھو الرجل: ای الکامل فی الرجلیۃ الجامع لما یکون فی الرجال من مرضیات الخصال (کشاف) یعنی وہ الرجل ہے یعنی ایسا آدمی ہے جو آدمیت میں کامل ہے اور مردوں میں جو صفاتِ حسنہ ہونی چاہئیں سب کا جامع ہے۔

یہ معنی کشاف نے کئے ہیں۔

ریب - راب - یریب - ریبٌ - ضرب - یضرب - ضرب کے وزن پر اسم مصدر ہے۔ ریب کے معنی ہیں ذہنی اضطراب۔ چونکہ شک ذہنی اضطراب پیدا کرتا ہے اس لئے عام طور پر اس کے معنی شک کے کئے جاتے ہیں۔ اسکے معنی تہمت اور سوءِ ظن کے بھی ہیں۔

ریب کے معنی کسی حاجت اور ضرورت کے بھی ہیں (شوکانی اور لین)۔ کعب کہتا ہے ؎

قضینا من تھامۃ کلّ ریب

وخیبر ثم اجممنا السیوفا

یعنی ہم نے خیبر اور تہامہ سے اپنی تمام ضروریات پوری کرلیں اور پھر اپنی تلواروں کو چین سے رکھ دیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی مندرجہ ذیل مختلف تراکیب ہوسکتی ہیں:۔

ذٰلك : مبتدا		جملہ اسمیہ خبریہ
الکتٰب : عطف بیان		
لا : نفی جنس	جملہ اسمیہ بن کر	
ریب، لا کا اسم	ذٰلك کی	
فیہ : خبر	خبر بنا	

اِس اعتبار سے اِس کے معنی ہوئے یہ کتاب ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں یعنی سائل اِس کتاب کے بارہ میں سوال کرتا ہے اور جواب دینے والا کہتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس میں اس مقابلہ کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی دعوت قرآن نے دی ہے کہ: اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۲ : ۲۴)

یعنی اگر تم اِس کتاب کے مِنَ اللہ ہونے میں شک کرتے ہو تو اِس جیسی کوئی ایک سُورۃ بنا کر دکھلا دو۔

ب :- ذٰلِكَ : مبتدا
هو : ضمیر منفصل محذوف
الکتٰب : خبر
لا : نفی جنس
ریب : لا کا اسم
فی : جار
ہٖ : مجرور

(فی + ہٖ : لا کی خبر) — (لا ریب فیہ: یہ جملہ اسمیہ ہے اور الکتٰب کا حال ہے) — جملہ اسمیہ خبریہ

لَا رَيْبَ فِيْهِ صفت موصوف بھی ہو سکتا ہے۔ فِيْهِ میں ہٖ کی ضمیر کا مرجع کتاب بھی ہو سکتا ہے اور کلام ماسبق بھی اور کلام محذوف بھی یعنی اَنَّهٗ مِنْ عِنْدَ اللّٰهِ (جلالین)

ان اعتبارات سے اِس آیت کے مندرجہ ذیل معانی بنتے ہیں :-

۱ ۔ یہ کامل اور جامع کتاب ہے اِس بات میں کچھ بھی شک نہیں۔

۲ ۔ یہ کامل اور جامع کتاب ہے جو ہر شک و شُبہ سے پاک ہے۔

۳ ۔ یہی ہے وہ کتابِ موعود۔ اِس بات میں کچھ شک نہیں۔

۴ ۔ یہی ہے وہ کتابِ موعود جو ہر شک و شُبہ سے پاک ہے۔

۵ ۔ یہ وہ کامل اور جامع کتاب ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔

۶ ۔ یہ وہ کامل اور جامع کتاب ہے جس کے بعد کوئی حاجت نہیں رہتی یعنی "جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیّا نکلا"۔ اِسی لئے فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۵ : ۴)

۷ ۔ یہ وہ کتابِ موعود ہے کہ لَا رَيْبَ لَا يُوجَدُ فِيْهِ یعنی جس کے بعد کوئی حاجت باقی نہیں رہتی یعنی یہ آخر الکتب ہے اور آخری شریعت ہے۔

۸ ۔ یہی وہ کامل جامع اور موعود کتاب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

۹ ۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ بعض دفعہ امر کو خبر کی طرز پر بیان کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں عام طور پر اسم مصدر استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا : فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (۲ : ۱۹۸) یعنی جو شخص حج کی نیت کرے تو اس کے لئے ان مہینوں میں عورتوں سے اختلاط۔ بُرائی کے سب

کام اور لڑائی اور جھگڑا منع ہے۔ یا جیسا کہ فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (۲ : ۱۸۵) یعنی اگر کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر تو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھے۔

اِس اعتبار سے اس کے معنی ہوئے :-

یہی ہے وہ کتابِ موعود یا کامل کتاب۔ اے مخاطب تم اِس بات میں یا اس کے کتابِ موعود یا کتابِ الٰہی ہونے میں شک نہ کرو یا اِس بارہ میں سوءِ ظن سے کام نہ لو۔

یہ معنی رُوح البیان نے کئے ہیں۔

اگر ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ پر وقف مانا جائے تو اس کے بعد فِيْهِ محذوف سمجھا جائے گا اور ملفوظ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے ساتھ لگ جائے گا۔ گویا آیت کی تقدیر ہوگی۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

عربی زبان میں فیہ کے حذف کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں چنانچہ جب یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں تو لا باس فیہ کی بجائے صرف لا باس کہہ لیتے ہیں۔

قرآن مجید نے بھی اِس طرزِ خطابت کو استعمال کیا ہے چنانچہ جب جادوگر حضرت موسٰی علیہ السلام کے مقابلہ میں عاجز آگئے اور فرعون نے انہیں ڈانٹا کہ تم میرے بغیر پوچھے کیوں ایمان لے آئے ہو میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دوں گا اور تمہیں صلیب پر لٹکا دوں گا تو انہوں نے لا ضیر فیہ کہنے کی بجائے لا ضیر (۲۶ : ۵۱) کہا۔

اِس اعتبار سے آیت کے معنے ہوئے : اِس میں متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

اِس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ متقی تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں ہدایت کی ضرورت تو گمراہوں کے لئے ہے پس قرآن کو متقیوں کا ہادی کہنے میں کیا حکمت ہے۔

سو جاننا چاہیئے کہ جس طرح ذاتِ باری کی کوئی کنہ نہیں اسی طرح ذہاب الی اللہ کی راہوں کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے جس نے سمجھا کہ وہ منزل پر پہنچ گیا وہ بلعم باعور کی طرح غرق ہوگیا۔ ہر مقام کے اُوپر ایک مقام ہے اور ہر منزل کے بعد ایک منزل۔ پس ضروری تھا کہ وہ کتاب جو کہ آخری شریعت کہلاتی صرف مبادیات میں اُلجھ کر نہ رہ جاتی بلکہ عارفوں اور ولیوں اور نبیوں کے لئے مشعلِ راہ ہوتی اور ارفع سے ارفع تر مقامات پر لے جاتی۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اِس مدرسہ میں ایم۔ اے سے اُوپر تک تعلیم دی جاتی ہے تو اس سے ایم۔ اے سے کم تعلیم کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اشارۃً اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن نے لِلْمُتَّقِيْنَ هُدًى نہیں فرمایا بلکہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے۔ هُدًى کے تقدم سے اس کے ہدایتِ کامل ہونے پر زور ہے اور مقصودِ بیان یہ ہے کہ یہ

متقیوں تک کے لئے ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی بے شمار دوسری آیات اِس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے جیسا کہ فرمایا:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (۲ : ۱۸۶) رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اُتارا گیا۔ وہ قرآن جو کہ تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ ہدایت کی بیّن تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق کو باطل سے جُدا کرتا ہے۔

فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ (۶ : ۱۵۸) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل، ہدایت اور رحمت آئی ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر قرآن کو مطلق ہدایت کہا گیا ہے:۔

۲ : ۱۹۰، ۳ : ۱۳۹، ۵ : ۴۷، ۷ : ۵۳، ۷ : ۲۰۴، ۱۰ : ۵۸، ۱۲ : ۱۱۲، ۱۶ : ۶۵، ۱۶ : ۸۰، ۱۶ : ۱۰۳، ۲۷ : ۲، ۲۷ : ۷۸، ۲۸ : ۴۴، ۳۱ : ۴، ۴۵ : ۱۲، ۴۵ : ۲۱۔

قرآن بار بار کہتا ہے کہ لوگو تقویٰ اختیار کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ بھی بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲ : ۱۹۰) تم تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (۲ : ۱۹۵) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲ : ۱۹۷) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ جان لو کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (۲ : ۲۰۴) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ (۲ : ۲۲۴) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ جان لو کہ تمہیں اسکے رُوبرو حاضر ہونا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۲ : ۲۳۲) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ جان لو کہ

اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲: ۲۳۴) تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے دیکھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (۴: ۲) اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۵: ۸) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وہ دِل کے بھید جانتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵: ۹) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وہ تمہارے اعمال سے خُوب واقف ہے۔

پس قرآن متّقی بھی بناتا ہے اور متّقی بننے کی وجوہ بھی بیان کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ گویا یہ متّقی بنا کر چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس سے اُوپر مقامات تک پہنچاتا ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (۴۷: ۱۸) جو لوگ ہدایت پا لیتے ہیں وہ ان کو ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات تک پہنچاتا ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بدپرہیز بیمارے نہ بیند روئے صحت را۔ متّقی کے معنی ہیں پرہیز کرنے والا۔ اب جو شخص حکیم یا ڈاکٹر کی بتلائی ہوئی باتوں سے پرہیز نہیں کرے گا یا خود دوائی ہی استعمال نہیں کرے گا اس کو خاک فائدہ ہوگا۔

اللہ جلّ جلالہٗ فرماتے ہیں:۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (۱۷: ۸۳) ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کر رہے ہیں جو کہ ماننے والوں اور تسلیم و رضا کی استعداد و صلاحیت رکھنے والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے لیکن یہی چیز ظالموں کو خسارہ سے بڑھ کر کچھ نہیں دیتی۔

پس بیشک قرآن شفاء للنّاس ہے اور مومنوں کے لئے رحمت مگر ان ظالموں کو جو اپنی بدپرہیزی پر مصر ہیں سوائے خسارہ کے کچھ حاصل نہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۴

ان کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ◉

الغیب : اسم مصدر معرف بہ ال۔ ضرب، یضرب، ضرب کے وزن پر غاب یغیب غیبۃ او غیب حضر کی ضد یعنی ایسی چیز جو آنکھوں سے پوشیدہ ہو یا جسے حواس کے ذریعے محسوس نہ کیا جاسکے۔ اس میں خدا تعالیٰ ملائکہ حشر و نشر سب شامل ہیں۔ یہ لفظ آئندہ آنے والے واقعات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ (۱۱ : ۵۰) یہ غیب کی یعنی آئندہ آنے والے واقعات کی خبریں ہیں جو ہم نے تمہیں بتلائیں۔ ۳۶ : ۱۲ کے ماتحت بیضاوی نے اس کے معنی سریرۃ یعنی دل بھی کیا ہے۔ لسان اور اقرب کہتے ہیں والغیب ماغاب عن العیون وان کان محصلاً فی القلوب۔ یعنی غیب وہ ہے جو آنکھوں سے دور ہو اگرچہ دل میں موجود ہو۔

ب کے اعتبار سے یؤمنون بالغیب کے مندرجہ ذیل معانی ہوسکتے ہیں: اگر تو یہ سمجھا جائے کہ ب فعل کو متعدی بنانے کے لئے استعمال ہوئی ہے تو یومنون بہ استعمال ب فعل متعدی ہوُا اور غیب اس کا مفعول۔ اور اس کے معنی ہوئے غیب پر ایمان لاتے ہیں غیب کو مانتے ہیں۔ اس صورت میں غیب سے مُراد اللہ تعالیٰ، ملائکہ، حشر و نشر جنت دوزخ وغیرہ ایسے اُمور ہیں جو کہ احاطۂ عقل سے باہر ہیں۔ اور اگر غیب سے مُراد اخبارِ غیب لی جائیں تو اس کے معنی ہوں گے کہ ان پیشگوئیوں پر ایمان لاتے ہیں جو کہ بائیبل اور کُتبِ سابقہ میں ایک عظیم الشان نبی کے متعلق ہیں جن میں کہیں تو اس کو رُوحِ حق کے نام سے یاد کیا گیا ہے (یوحنا ۱۶ : ۱۳) اور کہیں اس کا آنا خدا کا آنا بیان کیا گیا ہے (زبور ۴۵ : ۶-۷، یسعیاہ ۴۲ : ۱۰-۱۴)

اگر اس کو بائے مصاحبت لیا جائے تو یومنون فعل لازم ہوُا اور اس کے معنی ہوئے: جو ایمان لاتے ہیں۔ درآنحالیکہ وہ خود تم سے غائب ہیں یعنی ان کا ایمان منافقوں کی طرح نہیں کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۲ : ۱۵) سامنے ہوئے تو کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور پیٹھ پھیری تو کہہ دیا کہ ہم تو محض ٹھٹھا کر رہے تھے۔

اور اگر اس کو بائے آلیہ لیا جائے تو غیب کے معنی دِل ہوں گے یعنی وہ دِل وجان سے ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان محض مُنہ کی باتیں نہیں بلکہ اس کا محرّک ان کا دِل ہے (بیضاوی وروح البیان)

اٰمن متعدّی اور لازم دونوں طرح پر استعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ اپنی اصل حالت میں بھی بطور متعدّی استعمال ہوتا ہے اور ب اور ل کے صِلہ کے ساتھ بھی۔ اکثر جب ب کا صِلہ استعمال کیا جائے تو اس کے معنے ماننے اور قبول

کرنے کے ہوتے ہیں اور جب ل کا صلہ استعمال کیا جائے تو اتباع کے معنی ہوتے ہیں۔

شرع کی اصطلاح میں عام طور پر ایمان کے معنے تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان لئے جاتے ہیں لیکن صائب رائے یہ ہے کہ اقرار میں قول اور فعل دونوں شامل ہوں۔ صاحب رُوح البیان کہتے ہیں کہ اس میں اعتقاد اور اقرار اور عمل شامل ہیں۔ جو اعتقاد نہیں رکھتا لیکن اقرار کرتا ہے وہ منافق ہے اور جو نہ اعتقاد رکھتا ہے اور نہ اقرار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اور جو اعتقاد بھی رکھتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۵

ہاں ان کے لئے جو اس صداقت پر جو اے نبی تم پر نازل ہوئی اور اس صداقت پر جو تم سے پہلے نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ◉

اٰخِرَۃٌ آخر کا مؤنث ہے۔ آخر اول کے مقابل استعمال ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (۳:۵۷) آخرۃ کا لفظ دُنیا کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ دُنیا کو دُنیا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آخرت کے مقابلہ میں قریب ہے۔ اور آخرۃ کو آخرۃ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دُنیا کے بعد ہے۔ قرآن نے بعض جگہ دَارُ الْاٰخِرَۃِ کا لفظ استعمال کیا ہے (۶:۳۲) اور بعض جگہ صرف اٰخِرَۃ کا۔ یہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ کہیں ایک مضمون کو مضاف کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کہیں حذف مضاف کے ساتھ اور کہیں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کہیں اختصار کے ساتھ۔ تاکہ اختصار بھی رہے اور شک کی گنجائش بھی نہ رہے۔ حذف مضاف کی مثالیں تو قرآن میں اکثر ہیں۔ اختصار کی ایک مثال یہ ہے کہ کہیں تو ایمان کی پوری تفصیل بیان فرما دی مثلاً فرمایا: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲:۱۷۸) اور کہیں اسی مضمون کو صرف اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۵:۷۰، ۹:۱۸-۱۹ وغیرہ) سے بیان کر دیا اور کہیں صرف اٰمَنَ (۲۵:۷۱) سے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۶

یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے مقصد کو پا گئے ◉

اس جگہ علیٰ قیام کے معنے دے رہا ہے گویا عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کے معنے ہیں ثَابِتُوْنَ عَلَى الْهُدٰى (املاء)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٧

رہے وہ لوگ جو کفر پر قائم ہو گئے سو ان کے لئے یکساں ہے خواہ تو انکو خبردار کرے یا نہ کرے وہ ایمان لانے کے نہیں ◉

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ بعض دفعہ ماضی کا صیغہ لا کر یہ فائدہ حاصل کرتے ہیں کہ فاعل اس فعل پر قائم ہو گیا ہے اور اس نے اس بارہ میں مزید تردّد ترک کر دیا ہے پس اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے معنے ہیں: من صمم علی الکفر (بیضاوی)

لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اس کا مبتدا (هُمْ) محذوف ہے (شوکانی)

یہ اِنَّ کی خبر بھی ہو سکتا ہے اِس اعتبار سے سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ جملہ معترضہ ہوگا۔ (شوکانی)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٨

اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ ایک بہت بڑا عذاب ان کا انجام ہے ◉

سمع مصدر ہے جو بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے اور واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹﴾

لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں ایمان والی کوئی بات نہیں ◉

قرآن نے ان کا دعوٰی کہ وہ ایمان رکھتے ہیں جُملہ فعلیہ سے بیان کیا ہے جو کہ حدوث کے معنے دیتا ہے لیکن اس کا انکار جُملہ اسمیہ سے کیا ہے جو کہ ثبوت کے معنے دیتا ہے۔ اِس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ مومنین کے دائرہ سے کُلیۃً خارج ہیں اور ان میں مومنوں والی کوئی بات نہیں یعنی لیسوا من الایمان فی شیءٍ (بیضاوی)

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۭ﴿۱۰﴾

وہ اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بے سمجھی میں اپنے ہی آپ کو دھوکا دے رہے ہیں ◉

یُخٰدِعُوْنَ، مُخَادَعَۃٌ سے مفاعلۃ کے باب سے مضارع کا صیغہ ہے۔ اس میں تقابل اور کوشش کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مخادعۃ فریقین کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا خَدْعٌ میں اس کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ، مَا یَخْدَعُوْنَ کی ضمیر کا حال ہے (رُوح البیان)۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ اور مومنوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی نادانی کا یہ عالم ہے کہ آپ ہی اپنے دُھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اِس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مخادعۃ تو فریقین کے درمیان ہوتی ہے کیا اللہ اور مومن بھی مخادعۃ میں شامل ہیں؟ سو جاننا چاہیئے کہ طرزِ کلام سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دھوکے کی ابتداء منافقین کی طرف سے ہے۔ پس عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق اس کا مقابلہ مدافعت سے بھی ہو سکتا ہے اور ان کے دھوکے کو انہی پر پلٹ دینے سے بھی۔

چنانچہ جب فرمایا وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ تو گویا یہ کہا کہ وہ اپنے دھوکے کا آپ ہی شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کو کیونکر دھوکا دیا جا سکتا ہے وہ تو دِلوں کے بھید جانتا ہے۔ اِس کے کئی جواب ہیں:۔

۱۔ بیشک اللہ کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا لیکن اسے دھوکا دینے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ یہاں اسی کوشش کا ذکر ہے۔ ان لوگوں سے جن کا ایمان محض نفاق ہے اس قسم کی حرکات کا سرزد ہونا خلافِ توقع نہیں چنانچہ نساء: ۱۰۹ میں فرمایا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ کہ یہ لوگ بُرے کام کرتے وقت لوگوں سے تو حیا کرتے ہیں اور ان سے چُھپتے ہیں لیکن اللہ سے حیا نہیں کرتے۔

۲۔ یہاں قرآن کے عام قاعدہ کے مطابق کمال اتحاد کے اظہار کے لئے مضاف حذف کر دیا گیا ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے گویا اصل فقرہ یُخٰدِعُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ہے۔

حضور کے ذاتِ باری سے کامل اتحاد کو قرآن نے کئی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ (۴۸ : ۱۱) اور وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸ : ۱۸) میں حضور کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ کہا ہے۔ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (۴ : ۸۱) میں حضور کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا ہے۔ قُلۡ یٰعِبَادِیَ (۳۹ : ۵۴) کہہ کر حضور کو حکم دیا ہے کہ حضور اللہ کے بندوں کو اپنے بندے سمجھیں۔

۳۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں مُراد صرف مومن ہوں اور مومنوں اور اللہ کے کمال اتحاد کی وجہ سے اللہ کا لفظ تشبیب کے طور پر بڑھا دیا گیا ہے گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ جب تم مومنوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہو تو دراصل اللہ کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہو کیونکہ مومن اللہ ہی کے مشن کو پورا کرنے والے ہیں۔

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۱﴾

چونکہ ان کے دِل روگی ہیں اللہ نے ان کا روگ اور بڑھا دیا بوجہ اس جھوٹ کے جو وہ بولتے چلے گئے ایک دردناک عذاب ان کا انجام ہے ◉

زَادَ کا لفظ متعدی اور لازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اِس جگہ بطور متعدی استعمال ہوا ہے۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (۳۷ : ۱۴۸) میں بطور لازم استعمال ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب اللہ ہی ان کا مرض بڑھا دیتا ہے پھر ان کا کیا قصور رہے۔

فَ عربی زبان میں نتیجہ کے لئے آتا ہے۔ پس آیت کے معنی ہیں چونکہ ان کے دلوں میں مرض ہے اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو بیج خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا جڑ پکڑ لیتا ہے وہ بڑھتا چلا جاتا ہے منافقین کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے نفاق کے بیج کو اپنے دِل میں جگہ دی اور اسے اکھیڑ پھینکنے کی کوشش نہ کی پس ان کے مرض کا بڑھنا قانونِ قدرت کے عین مطابق ہے۔ اگر کسی کو کینسر ہو جاتا ہے اور وہ اس کا علاج نہیں کرتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے کینسر کو بڑھاتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ یہ اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ پس قابلِ اعتراض خود مریض ہے نہ وہ ذاتِ پاک جو کہ مبداء کُل فیوض ہے۔

یہ بات اِس مثال سے بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک شخص دن کے وقت اپنے آپ کو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر لیتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو سورج کی روشنی کے فوائد سے محروم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اِس فعل پر صرف پاگل یا مجنون ہی اعتراض کر سکتا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دِل کے مرض کے معنی غم والم کے بھی ہیں (رازی)۔ منافقوں کے دِل رسولِ پاک فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کی ترقی کو دیکھ کر ناسور بن رہے تھے۔ اللہ جلّ جلالہٗ نے رسولِ عربی فداہ رُوحی وجنانی صلے اللہ علیہ وسلم کو دِن دونی رات چوگنی ترقی دے کر ان کے اِس ناسور کو اور بھی بڑھا دیا۔

صاحب رُوح البیان اور شوکانی کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ کی طرح منافقین کے لئے بد دُعا ہو گویا جب مومنین ان کے مرض کا حال سُنتے ہیں تو بے اختیار بول اُٹھتے ہیں: فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا اللہ ایسے بدبختوں کے مرض کو اَور بڑھا دے۔

اَلِمَ سے اَلَمٌ مصدر ہے۔ اَلِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم فاعل ہے اس کے معنے ہیں مُؤْلِمٌ یعنی دُکھ دینے والا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑫

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں فساد کیسا! ہم تو معاشرہ کی اصلاح کر رہے ہیں۔

مُصْلِح صفتِ مشبّہ ہے اِس میں ثبوت کا مفہوم پایا جاتا ہے

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

سُن لو! یہی! ہاں یہی! وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ فساد کرنا ہے۔لیکن انہیں اپنی حالت کا کوئی احساس نہیں ◉

یعنی ان کی خود بینی کا یہ عالم ہے کہ اپنی واضح بیماری بھی ان کو نظر نہیں آتی۔

مُفسد مُصلح کی طرح صفتِ مشبّہ ہے اور اس میں ثبوت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

جب آیت ۱۲ میں ان کو نصیحت کی گئی تھی تو لَا تُفْسِدُوْا کے نرم الفاظ استعمال کئے گئے تھے لیکن جب انہوں نے نصیحت حاصل کرنے کی بجائے تکبّر کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارا کام تو شب و روز اصلاح کرنا ہے اور یہ بات ہماری سرشت میں داخل ہے تو ان پر فردِ جرم عائد کیا اور فرمایا یہ جھوٹ بولتے ہیں ان کو ہر وقت فساد ہی کی سوجھتی ہے اور یہی بات ان کی سرشت میں داخل ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: تم بھی ایمان لے آؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم جاہلوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ سُن لو! یہی! ہاں یہی! جاہل ہیں۔لیکن یہ اپنی حالت کو نہیں جانتے ◉

سَفِيْهٌ کے معنے جاہل کے ہیں (منجد، لسان، ابن عباس و شوکانی)۔جاہل کی بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی

جہالت کو نہیں جانتا اور ابوجہل ہوکر اپنے آپ کو ابوالحکم سمجھتا ہے ؎

آنکس کہ نداند و نداند کہ نداند

در جہل مرکّب ابدالدہر بماند

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۵﴾

جب یہ لوگ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے لیکن جب اپنے سرغنوں سے اکیلے میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں ◉

خلا کے معنی ہیں مضٰی یعنی وہ گیا۔ اس کو ب یا اِلٰی کے ساتھ متعدی بنایا جاتا ہے۔ خلوت بفلان یا خلوت الیہ کے معنے ہیں انفردت معہٗ میں اس سے اکیلے میں ملا۔ شیاطین، شیطان کی جمع مکسر ہے۔ اگر تو نون اصلی لیا جائے تو یہ لفظ شطن سے مشتق ہے اور اگر زائدہ لیا جائے تو شط سے۔ سیبویہ نے دونوں طرح لیا ہے (شوکانی) شطن کے معنے ہیں وہ دُور ہوا۔ شطن عن الحق کے معنے ہیں بعد عن الحق وہ سچائی سے دُور ہوا۔ شطّ کے معنے ہیں بَعُدَ وہ دُور ہوا۔ تباعد عن الحق سچائی سے دُور ہوا۔ شطّ فلانًا ظلمہٗ اس نے اس پر ظُلم کیا۔ پس شیطان کے معنے ہیں سچائی سے یا اللہ سے دُور ہونے والا۔ ظالم۔ اس سے مُراد کل عاتٍ متمرّدٍ من انس اَو جنّ ہے (منجد۔ لسان) یعنی ہر ایک سرکش اور باغی خواہ وہ انسان ہو خواہ جِنّ۔

شَیٰطِیْنِهِمْ میں ھم کی اضافت سے کبائرھم کے معنے بھی پیدا ہوتے ہیں یعنی ان کے سرغنے۔ اور مشارکت کے بھی یعنی ان کے ہم جنس شیطان (بیضاوی۔ روح البیان)۔

مُسْتَهْزِءُوْنَ، مُسْتَهْزِئٌ کی جمع ہے جو کہ استھزاءٌ سے اسم فاعل ہے۔

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ منافقین نے جب مومنوں سے خطاب کیا اور کہا اٰمنا تو جُملہ فعلیہ استعمال کیا جس میں ثبوت کا مفہوم نہیں پایا جاتا لیکن جب کفّار سے خطاب کیا اور کہا اِنَّا مَعَكُمْ تو جُملہ اسمیہ استعمال کیا جس میں ثبوت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ قرآن حکیم کی بلاغت کا کمال ہے کہ محض طرزِ بیان کے اختلاف کے ساتھ ان کی اصلی

صورت کو بے نقاب کر دیا ہے۔

اسی طرح انہوں نے کنّا نستھزءُ یا استھزینا بالمؤمنین نہیں کہا بلکہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ کہہ کر بتلایا کہ ہم تو مومنوں کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں یہ ہماری عادت ہے۔

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ ان کا مذاق ان پر لوٹا دے گا۔ وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹک رہے ہیں ◉

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب وہی یا ویسا ہی فعل جواباً استعمال کیا جائے تو اس کے معنے ہوتے ہیں اس فعل کی سزا دینا یا اس کی مدافعت کرنا۔ پس اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ کے یہ معنے نہیں کہ اللہ ان سے مذاق کرے گا بلکہ اسکے معنے ہیں یرجع وبال الاستھزاء علیھم (بیضاوی، روح البیان) ان کا مذاق انہی پر لوٹا دے گا۔ یعنی جب وہ انہیں ان کے مذاق کی سزا دے گا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مذاق کیا ہوتا ہے۔

یَعْمَھُوْنَ، یَمُدُّھُمْ کے ھُمْ کا حال ہے۔ اِس آیت کی ترکیب مختلف طریق پر ہو سکتی ہے۔

ا۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ، یَمُدُّھُمْ سے متعلق ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: وہ انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ بھٹک رہے ہیں۔

ب۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ، یَعْمَھُوْنَ سے متعلق ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: وہ انکو ڈھیل دے رہا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی ص فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ﴿۱۷﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی۔ سو نہ ہی وہ

تجارت کی راہوں پر چلے اور نہ ہی ان کی تجارت سود مند ہوئی ◉

اِشْتَرَا کے معنی خریدنا اور بیچنا دونوں ہوتے ہیں۔ محاورہ میں اس کے معنی اختیار کرنا بھی ہوتے ہیں۔
مُهْتَدِيْنَ، مُهْتَدُوْنَ کی حالت نصبی وجری ہے جو کہ مُهْتَدٍ کی جمع ہے۔ مُهْتَدٍ، اِهْتَدٰی سے اسم فاعل ہے۔
اِهْتَدٰی کے معنی ہیں وہ صحیح راستہ پر چلا۔ اس نے ہدایت پائی۔ بیضاوی اور شوکانی نے یہاں مُهْتَدِيْنَ کے معنی
مهتدین الیٰ طریق التجارت لئے ہیں یعنی تجارت کی صحیح راہوں پر چلنے والے۔

اِس جگہ قرآن نے زور دینے کے لئے نتیجہ پہلے بیان کیا ہے اور سبب بعد میں۔ ہم نے سبب پہلے بیان کر دیا ہے
اور نتیجہ بعد میں تاکہ مطلب سمجھنے میں آسانی رہے۔

یہ آیت صنعت ترشیح کی نہایت خوبصورت مثال ہے جو کہ اکثر علم بیان کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہے۔ پہلے
ضلالت اور ہدایت کے لئے اِشْتَرَا کا استعارہ استعمال کیا اور پھر اس استعارہ کو آگے بڑھایا اور فرمایا کہ ان کی
تجارت تو گھاٹے کی تجارت ہے یعنی تجارت کا مقصد تو مال کو بڑھانا ہوتا ہے لیکن انہوں نے تجارت کا وہ طریق اختیار
کیا ہے کہ مال بڑھانا تو درکنار راس المال یعنی فطرتِ سلیم بھی کھو بیٹھے ہیں۔ مُهْتَدِيْنَ کا لفظ عبارت میں عجیب رنگ
پیدا کر رہا ہے۔ اِس سے بیک وقت یہ معنے بھی نکل رہے ہیں کہ وہ تجارت کی صحیح راہوں پر نہیں چلے اور یہ مفہوم بھی
اُبھر رہا ہے کہ انہوں نے ہدایت نہیں پائی یعنی استعارہ کا بھی پورا پورا فائدہ دے رہا ہے اور جس مضمون کے بیان
کرنے کے لئے استعارہ استعمال کیا گیا ہے اس مضمون کو بھی نکھیر کر بیان کر رہا ہے۔ سبحان اللہ! کیا حُسنِ کلام ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ
لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٨﴾

ان کی مثال ان لوگوں کی مانند ہے جنہوں نے آگ بھڑکائی۔ لیکن جونہی اس
آگ نے ان کے گرد و نواح کو روشن کیا اللہ نے ان کا نُور چھین لیا اور
ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ وہ کچھ بھی دیکھ نہیں پاتے ◉

الّذی اس جگہ الّذین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (بیضاوی، املاء، شوکانی و روح البیان) اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے بعد ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ آیا ہے۔ بیضاوی کا کہنا ہے کہ الّذی اسم تام نہیں بلکہ اسم کا جزو ہے (یعنی اسم موصول ہے) اس لئے اس کے اخوات (من - ما) کی طرح اس کی جمع نہیں آتی اور یہ واحد اور جمع کے لئے یکساں بولا جاتا ہے۔ اور الّذین زیادۃِ الفاظ کے ساتھ زیادہ معنی کے لئے استعمال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ حالت رفعی میں بھی الّذین ہی آتا ہے الّذون نہیں آتا۔

یہ بھی جائز ہے کہ الّذی یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہو (بیضاوی و املاء) یا اس کا مضاف فوج یا ایسا ہی کوئی اور لفظ محذوف ہو (بیضاوی) اور آیت کی تقدیر ہو کمثل فوج الّذی۔

الّذی کا لفظ جمع کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کی طرف ضمیر واحد اور جمع دونو طرح لوٹتی ہے چنانچہ فرمایا وَخُضْتُمْ کَالَّذِیْ خَاضُوْا (۹ : ۶۹) وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۳۹ : ۳۴) ایک شاعر کہتا ہے ؎

و ان الذی حانت بفلج دماؤھم

ھم القوم کل القوم یا ام خالد (شوکانی)

اضاءت متعدی بھی ہو سکتا ہے اور لازم بھی۔ اگر متعدی لیا جائے تو ماحولہ اس کا مفعول ہوگا۔ اور اَضَاءَتْ مَاحَوْلَہٗ کے معنے ہوں گے: آگ نے اپنے ماحول کو روشن کیا۔ اگر اسے لازم لیا جائے تو مَاحَوْلَہٗ اس کا مسند الیہ ہوگا اور معنے ہوں گے: جب اس کا ماحول روشن ہو گیا۔ ان معنوں میں یہ کلام ہے کہ ما مذکر ہے اور اَضَاءَتْ مؤنث۔ اس کا جواب نحویوں نے یہ دیا ہے کہ مَاحَوْلَہٗ سے مراد اشیاء اور اماکن ہیں۔ گویا ضمیر لفظ کی طرف نہیں معنوں کی طرف راجع ہوئی ہے۔

نور (واحد) کے مقابلہ میں ظلمت (واحد) کی بجائے ظلمٰت (جمع) کا لفظ کثرت اور شدت کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں اور اندھے ہیں اور نہیں جانتے کہ کدھر کو لوٹیں۔

رَجْعٌ کے معنی ہیں اپنے مقام یا اپنی حالت کی طرف واپس لوٹنا۔ رَجَعَ الْکَلْبُ فِیْ قَیْئِہٖ کے معنی ہیں

کُتا اپنی قے کی طرف اسے چاٹنے کے لئے لوٹتا۔

لَا یَرْجِعُوْنَ کے معنی ہیں کہ وہ اس ہدایت کی طرف جسے انہوں نے گمراہی کے عوض فروخت کر دیا تھا (۱۷) واپس نہیں لوٹ سکتے یا اپنے مقام کو کھو چکے ہیں اور اس کی طرف واپس نہیں آسکتے یعنی فھم متحیرون لا یدرون أیتقدمون ام یتاخرون (بیضاوی) کہ وہ حیران وسرگرداں ہیں اور نہیں جانتے کہ اپنے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے جائیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

یا پھر ان کی مثال ان لوگوں کی مانند ہے جن پر آسمانوں سے بادل برسے کہ اس میں اندھیرے بھی ہیں اور کڑک بھی اور چمک بھی۔ وہ موت کے خوف سے بجلی کی چمک اور گرج کے باعث اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں۔ لیکن اللہ کی گرفت ان کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ◉

اَوْ کا عطف اَلَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ او کے بعد مثلھم کا لفظ محذوف ہو۔ صیب سے پہلے مضاف محذوف ہے (بیضاوی، املاء، جلالین وروح البیان) گویا عبارت کی تقدیر ہے او مثلھم کذوی صیب من السّماء۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۳

قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں کو اچک لے جائے۔ جونہی ان کا راستہ روشن ہو جاتا ہے یہ روشنی میں چل نکلتے ہیں لیکن جونہی اندھیرا چھا جاتا ہے یہ رک جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین لیتا۔ یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے ●

اَضَآءَ متعدی بھی ہو سکتا ہے اور لازم بھی متعدی کی صورت میں اس کا مفعول محذوف مانا جائے گا اور آیت کی تقدیر ہو گی کلما نوّر لھم ممشیً یعنی جونہی ان کا راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے لازم لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کلما لمع لھم جونہی ان کے لئے روشنی ہوتی ہے۔ (بیضاوی) ٭

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۲﴾

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اس کی جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ ہاں اس کی جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت اور بادلوں سے پانی برسا کر اس کے ذریعہ تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے۔

پس اے اہلِ علم و نظر! جب وہی رب ہے اور وہی خالق اور وہی منعم تو کسی اور کو اللہ کا ہم پایہ نہ بناؤ ●

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ یہ اعبدوا سے متعلق ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہیں: لوگو اللہ کی عبادت کرو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

ب۔ یہ خلقکم سے متعلق ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہیں، لوگو اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں اِس لئے پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا میں ف سبب کے لئے ہے۔ اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات گنوائی ہیں یعنی اس کا خالق ہونا (اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ) اور اس کا منعم ہونا (اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ......) پھر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ گویا یہ فرمایا کہ جب وہی خالق ہے اور وہی منعم تو پھر تم کسی اور کو اس کا ہم پایہ کیوں بناؤ۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے معنی ہیں وحالکم انکم من اھل العلم والنظر (بیضاوی) یعنی جبکہ تم اہلِ علم و نظر ہو۔

اِس کے معنی جانتے بوجھتے بھی ہو سکتے ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: پس اے لوگو! جب وہی خالق ہے اور وہی منعم تو جانتے بوجھتے کسی اور کو اللہ کا ہم پایہ نہ بناؤ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۴﴾

اے لوگو! اگر تم اِس قرآن کے بارہ میں کچھ شک رکھتے ہو جو ہم نے وقتاً بعد وقتٍ اپنے بندہ پر نازل کیا تو تم بھی اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ۔ اور بیشک ماسوا اللہ جو بھی تمہارے مددگار ہیں تم ان سب کو اپنی مدد کے لئے بُلا لو۔ ہاں کچھ ایسا کام کر دکھلاؤ اگر تم سچے ہو ﴿۲۴﴾

اکثر نحویوں کے نزدیک جن میں بیضاوی اور جلالین بھی شامل ہیں جوابِ شرط شرط سے پہلے نہیں آتا۔ وہ ایسے مقامات پر جواب محذوف مانتے ہیں جو کہ سابقہ عبارت سے اخذ کیا جاتا ہے۔ پس یہاں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کے بعد فافعلوا ذٰلك (جلالین) محذوف ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے، اور یقین جانو کہ تم نہیں کر سکو گے، تو بہتر ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ◉

فَاتَّقُوا النَّارَ میں ف کا عطف محذوف پر ہے گویا عبارت کی تقدیر ہے فامنوا بہٖ واتقوا النار (بیضاوی وروح البیان)۔

جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ تمہیں آگ سے کیا بچائیں گے تم اور خود وہ آگ کا ایندھن ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (۲۱ : ۹۹)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے بشارت دینے والے! بشارت دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جو بہتی ہوئی نہروں سے

شاداب ہیں۔ جب بھی انہیں ان میں سے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے
یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا حالانکہ دراصل انہیں پہلے والے سے
ملتا جلتا پھل دیا جائے گا۔یہی نہیں ان کو وہاں ایسے ساتھی ملیں گے جو ہر آلائش
سے پاک کئے جا چکے ہوں گے۔اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ◉

بشارت کا حکم رسُولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر ایک مبشّر کو (بیضاوی)

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے لفظی معنی ہیں: ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اِس کے مفسّرین نے کئی مفہوم لئے ہیں۔

ا۔ نہریں ان باغوں کی زمین کے نیچے بہتی ہیں گویا ان کے درختوں کی جڑیں بہتی ہوئی نہروں میں ہیں۔

ب ۔ اصل عبارت تحت اشجارھا ہے مضاف حذف ہو گیا اور مضاف الیہ اس کا قائم مقام ہو گیا۔ اِس اعتبار سے اس کے معنی ہوئے: ان کے لئے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

ج ۔ اس کے معنی ہیں تجری من تحت امرھا۔ ۴۳ : ۵۲ میں فرعون کہتا ہے یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اِس کے معنی بیضاوی نے تحت امری کئے ہیں یعنی اے قوم کیا مصر کا ملک میرا نہیں اور کیا یہ نہریں میری نہیں جو میرے حکم کے ماتحت چلتی ہیں۔ اِس اعتبار سے اس کے معنی ہوئے ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کو سرسبز رکھنے کے لئے نہریں چلتی ہیں۔ یاد رہے کہ نہریں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو بے موسم یا کھارے پانی کی ہوں اور باغ کو تباہ کر دیں۔ عربی زبان کے محاورہ کے مطابق ایسی نہروں کو تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا نہیں کہہ سکتے۔

اُتُوْا بِهٖ میں ضمیر رزق کی طرف راجع ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۷﴾

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ کو اس میں کوئی عار نہیں کہ کافروں کے لئے مچھر کی یا اس سے کمتر کسی اور چیز کی مثال بیان کرے۔ اب مومن تو جان لیتے ہیں کہ یہ پتہ کی بات ہے اور ان کے ربّ کی طرف سے ہے لیکن کافر یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ کیا بات کہہ دی؟

ایسی مثال سے اللہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے لیکن اس سے وہ فاسقوں کے سوا جو اس عہد کو جو انہوں نے اللہ کے ساتھ باندھا تھا مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان تعلقات کو جنہیں اللہ نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے توڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں کسی اور کو گمراہ نہیں کرتا۔ یقیناً یہ لوگ سراسر گھاٹے میں ہیں ◉

چونکہ مچھر کی مثال اس کے حقیر اور صغیر ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے۔ فَمَا فَوْقَهَا کے معنی فَمَا فَوْقَهَا فِى الصِّغَرِ (بیضاوی، شوکانی و روح البیان) کئے گئے ہیں۔

اس کے معنی فَمَا فَوْقَهَا فِى الجثۃ (بیضاوی و روح البیان) یعنی اس سے کسی بڑی چیز یعنی مکھی وغیرہ کے بھی ہو سکتے ہیں۔

یُضِلُّ بِهٖ میں ضمیر مثل کی طرف راجع ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے لوگو! تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندگی بخشی۔ یہی نہیں۔ وہ تمہیں پھر موت دے گا اور پھر زندہ کرے گا اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہو گا ◉

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۹

وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔ یہی نہیں وہ آسمان کی طرف بھی متوجہ ہوا اور اس نے اسے یوں تکمیل دی کہ سات آسمان مکمل کر ڈالے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ◉

جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ میں ثم کا لفظ تراخی فی الوقت کے لئے نہیں بلکہ تراخی فی الرّتبۃ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے کہ زمین آسمان کے بعد بنی ہے چنانچہ فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (۷۹ : ۳۱)۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۱

اے انسان! یاد کر اس وقت کو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا :
مَیں زمین پر ایک حاکم مقرر کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا : کیا تُو زمین پر اُسے مسلّط کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون بہائے۔ رہا تیری تسبیح و تقدیس کا سوال۔ سو ہم تیری تحمید کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح بھی کرتے ہیں اور تقدیس بھی۔

اللہ نے کہا: مَیں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ◉

خَلِیْفَۃً کے معنی پیچھے یا بعد میں آنے والے کے ہیں۔ خلف اس بیٹے کو کہتے ہیں جو باپ کے بعد زندہ رہے اس کے معنی نائب، جانشین اور حاکم کے بھی ہیں۔ اِس آیت میں خلیفہ کا لفظ مطلق بیان ہوُا ہے یعنی اِس بات کی تعیین نہیں کی گئی کہ کس کا خلیفہ۔ تمام انبیاء اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ مَیں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں جو میری شریعت کو نافذ کرے گا۔

خلیفہ سے مراد خلیفۃ من سکن الارض قبلہ (بیضاوی) بھی ہو سکتے ہیں یعنی پہلے لوگوں کا جانشین۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے کہ مَیں زمین پر پہلی قوموں کو مٹا کر ایک نئی قوم کو جگہ دینے والا ہوں۔

اِن معنوں پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کا لفظ تو واحد ہے یہ جمع کے معنی کیونکر دے سکتا ہے۔ علاّمہ بیضاوی کہتے ہیں کہ خلیفہ کے معنی خلیفہ اور اس کی ذریّت بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ بنو ہاشم کو اختصار کے طور پر صرف ہاشم کہہ لیتے ہیں اور خلیفہ سے مراد من یخلفکم یا خلقاً یخلفکم بھی لئے جا سکتے ہیں۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کیا تُو زمین پر اس قوم کو یا ان لوگوں کو مسلّط کرے گا جو اس میں فساد برپا کریں جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا ہے من کا لفظ واحد اور جمع کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے اور اس کے بعد ضمائر اکثر مُفرد آتی ہیں۔ علاّمہ بیضاوی اس کے معنی کرتے ہیں اتستخلف عصاۃ ونحن معصومون احقاء بذٰلک یعنی کیا تُو سرکش لوگوں کو خلیفہ بنائے گا جبکہ ہم معصوم ہیں اور خلافت کے زیادہ حقدار۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اب یُوں ہوُا کہ اللہ نے آدم کو اپنی بعض صفات کا علم دیا۔ پھر انہی صفات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: اگر تم اپنے دعوے میں سچّے ہو تو ذرا ان صفات کے بارہ میں مجھے کچھ بتلاؤ ◉

اٰدَمَ کے لفظ کی کئی توجیہات ہیں۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں اٰأْدم ہے۔ فقیل من ادیم الارض وھووجھھا وقیل من الادمۃ وھی السمرۃ۔ قال فی الکشاف وما ادم الاسم عجمی یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ادیم سے مشتق ہے ادیم الارض کے معنی ہیں زمین کی سطح۔ بعض کہتے ہیں یہ ادمۃ سے مشتق ہے جس کے معنی گندمی رنگ کے ہیں۔ کشاف میں لکھا ہے کہ آدم عجمی نام ہے۔ بیضاوی بھی شوکانی کے ہمنوا ہیں۔

آدم کا مقابلہ ابلیس سے تھا جس کے متعلق دوسری جگہ فرمایا ہے کَانَ مِنَ الْجِنّ (۱۸ : ۵۱) کہ وہ جِنّوں میں سے تھا۔ جِن کے معنی ہیں، پوشیدہ مخلوق۔ اس کے لفظی معنوں میں پوشیدگی کا مفہوم پایا جاتا ہے چنانچہ جنّت اس باغ کو کہتے ہیں جو سطحِ زمین کو ڈھانپ لے۔ جنین اس چیز کو کہتے ہیں جس میں بچہ رحِم مادر میں ہوتا ہے۔ جنون اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے۔

اسم کے معنی نام اور صفت دونوں کے ہوتے ہیں۔

کُل کے معنی تمام، اکثر اور بعض کے ہیں (اقرب)

اِس آیت کے یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں: اب یوں ہوُا کہ اللہ نے آدم کو بعض باتوں کی حقیقت سے آشنا کر دیا پھر انہی باتوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ذرا ان امور کی حقیقت بیان کرو۔

فرشتوں کا خیال تھا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آدم کے ذریعہ جو نظام قائم کیا جا رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس قائم کی جائے گی تاہم یہ بات واضح ہے کہ یہ لوگ زمین میں فساد پیدا کریں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کی بعض صلاحیتوں کے متعلق مطلع کر دیا تھا جس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن کے اظہار

کے لئے آدم اور اس کی ذرّیت کو خلیفہ بنانا ضروری ہے کیونکہ یہ صفات تمہارے ذریعہ ظاہر نہیں ہوسکتیں مثلاً اللہ تعالےٰ کی صفات رحیمیت اور مالکِ یوم الدین ہیں۔ فرشتے نافرمانی کر ہی نہیں سکتے پس وہ ان صفات سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ان سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ایسی ہستی کا وجود ضروری ہے جسے اطاعت کا بھی اختیار ہو اور نافرمانی کا بھی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۳﴾

انہوں نے کہا: پاک ہے تیری ذات ہم تو اس علم کے سوا جو تُو نے ہمیں دیا کچھ بھی نہیں جانتے۔ بیشک تُو ہی علیم ہے اور تُو ہی حکیم ◉

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اللہ نے کہا: اے آدم ان فرشتوں کو ان صفات (یا حقائق) کے متعلق کچھ بتلاؤ۔ اور جب آدم نے ان صفات (یا حقائق) کا بیان فرشتوں سے کیا۔ اللہ نے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کے بھید خوب جانتا ہوں۔ مجھے وہ سب کچھ معلوم ہے جو تم علانیہ کرتے ہو اور وہ بھی جو تم پوشیدہ کرتے ہو ◉

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۵﴾

اے لوگو! اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کی
اطاعت اختیار کرو اور ان سب نے اطاعت کی مگر نہ کی تو ابلیس نے۔ اسنے
انکار کیا اور تکبر اختیار کیا۔ اور وہ کیوں نہ کرتا وہ تو تھا ہی کافر ◉

اِبْلِیْسَ، ابلاس سے مشتق ہے۔ ابلس کے معنی ہیں وہ نا امید ہوا۔ اِبْلِیْسَ کے معنی ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہوا۔

ابلیس کے متعلق مفسرین نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ تھا بعض نے کہا ہے کہ وہ جن تھا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے مقابلہ میں بعض شیطان کھڑے کرتا ہے تاکہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کا وعدہ پوری شان کے ساتھ پورا ہو۔ موسیٰ کے وقت شیطان نے فرعون کا روپ دھارا تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت ابوجہل کا اور آدم کے وقت ابلیس کا۔

كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۶

اور پھر یوں ہوا کہ ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمہارے ساتھی اس باغ میں
رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ۔ لیکن اس شجرہ خبیثہ کے پاس نہ
پھٹکنا۔ اگر تم نے کوئی ایسی بات کی تو تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا ◉

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۳۷﴾

اب شیطان نے آدم اور اس کی جماعت کو شجرۂ خبیثہ کے ذریعہ سے ورغلایا اور
ان آسائش کدوں سے جن میں وہ رہ رہے تھے نکال باہر کیا۔ سو ہم نے کہا:
اے آدم اور آدم کی جماعت! ابلیس اور ابلیس کے چیلے تمہارے دشمن اور
تم ان کے دشمن۔ ان بلندیوں سے نیچے اُتر جاؤ تمہارے لئے زیریں زمین میں
ایک معیّن وقت تک ٹھکانہ اور معاش ہے ◉

عَنْهَا: بسببہا (بیضاوی)

عن کے معنی 'سے' کے بھی ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اپنے مقام سے ہلا دیا۔

اِهْبِطُوْا جمع کا صیغہ ہے پس اس سے مُراد آدم اور آدم کی جماعت اور ابلیس اور اس کے چیلے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں قول الاکثرین اَنَّ ابلیس داخل فیہ ایضاً۔

اَرْضِ کا لفظ زمین کے ٹکڑے کے لئے بھی بولتے ہیں جیسا کہ فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (۳۸ : ۲۷) اور بلاد کے لئے بھی۔ یہ لفظ بلندی کے مقابل پستی کے لئے بھی بولا جاتا ہے (لین) اھبطوا کا قرینہ بتلاتا ہے کہ یہاں اس سے مُراد ترائی کا علاقہ ہے معلوم ہوتا ہے آدم پہلے بالائی علاقہ میں رہتا تھا۔ لنکا میں ایک پہاڑ Peak of Adam کے نام سے موسُوم ہے ممکن ہے یہی اس کا اصل مولد و مسکن ہو۔ جب اس کی جماعت کے بعض لوگوں نے شجرۂ خبیثہ یعنی ابلیس اور اس کی قوم سے میل جول کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بد اثرات کو زائل کرنے کے لئے ان کو اس علاقہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۳۸﴾

جب زمین اپنی وسعتوں کے باوجود آدم پر تنگ ہو گئی تو اس نے اپنے رب
سے بعض دعائیں سیکھیں۔ آدم نے توبہ کی اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی۔

بیشک وہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ میں ف محذوف عبارت پر دلالت کرتا ہے چنانچہ رُوح البیان میں لکھا ہے الفاء للدلالة علی ان التوبة حصلت عقیب الامر بالھبوط - اسی طرح فتاب علیه میں بھی ف محذوف عبارت پر دلالت کرتا ہے چنانچہ رُوح البیان میں لکھا ہے والفاء للدلالة علی ترتبه علی تلقی الکلمات المتضمن لمعنی التوبة -

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ..... الخ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آدم نے اپنے رب سے بعض احکامات وصول کئے۔ پھر ان پر عمل کیا جس کے نتیجہ میں اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٠﴾ ع ۴

اس کے بعد ہم نے آدم سے کہا: اے آدم تم اور تمہاری جماعت زیرین تر علاقوں میں باجماعت نکل جاؤ۔ اور سُنو! جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو اسکی پیروی کرو۔ کیونکہ جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انکو نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ البتہ وہ لوگ جو ہماری ہدایت کا انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے دوزخ کے وارث ہونگے۔ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے ◉

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا پہلی ہجرت کے حکم میں جَمِيْعًا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور اس کی جماعت اوّلاً پہاڑوں پر رہتے تھے جہاں سے ایک ایک، دو دو کر کے وہ لوگ ترائی کے علاقے میں آگئے۔ چونکہ یہ عارضی مقام تھا اور منشائے ایزدی یہ تھا کہ ان میں اور ابلیس میں زیادہ سے زیادہ بُعد مکانی حائل ہو اس لئے دوسری ہجرت کا یعنی

ترائی کے علاقوں سے میدانی علاقوں میں چلے جانے کا حکم ہوا۔ اور چونکہ یہاں سب قوم اکٹھی ہو چکی تھی اور باجماعت سفر ممکن تھا اس لئے یہاں سے باجماعت ہجرت کا حکم ہوا۔ یاد رہے کہ ان دونوں ہجرتوں کے لئے هبوط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے بلندی سے نیچے کی طرف آنا ہے۔

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ : خالد اسم فاعل ہے گویا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا فیصلہ وہ خود کرتے ہیں۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے اور اس سے پہلے اور بعد جمع کی۔ واحد کی ضمیر سے تانیس اور محبت کا اظہار مقصود ہے اور جمع کی ضمیر سے جبروت اور غنا کا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۱﴾

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۲﴾

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ

تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو مَیں نے تم کو عطا کی تھی۔ تم اس عہد کو جو تم نے مجھ سے کر رکھا ہے پُورا کرو اور مَیں اس عہد کو جو مَیں نے تم سے کیا ہے پُورا کروں گا۔ اور مجھ سے اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور اس کا انکار کرنے میں اوّلیت اختیار نہ کرو۔ اور میری آیات کو حقیر قیمت کے عوض مت بیچو۔ اور مجھ ہی کو ڈھال بناؤ۔ اور حق کو باطل کے ساتھ مخلوط نہ کرو اور نہ ہی دیدہ دانستہ حق کو چھپاؤ۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور فرمانبرداروں کے ساتھ فرمانبردار بن جاؤ۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور اپنے تئیں بھول جاتے ہو؟ اور تم یہ سب کچھ اللہ کی کتاب پڑھنے کے باوجود کرتے ہو۔ تم کیوں نہیں سوچتے سمجھتے؟ ◉

اِیَّایَ میں فعل محذوف ہے گویا فقرہ ہے ایّای ارھبوا (املاء و روح البیان)

فَارْهَبُوْنِ میں ف جزائیہ ہے اور ارھبون اصل میں ارھبونی ہے گویا فقرہ یُوں ہے ان کنتم راھبین شیئًا فارھبونی (روح البیان و بیضاوی)

جُملہ عبارت کی تقدیر یہ ہے ایّای ارھبوا۔ ان کنتم راھبین شیئًا فارھبون یعنی مجھ ہی سے ڈرو۔ اگر تم کسی چیز سے ڈرتے ہو تو مُجھ سے ڈرو۔ گویا زور دینے کے لئے ایک تو مفعول کو مقدم کر دیا ہے اور دوسرے مضمون تکراراً بیان کیا ہے۔

ہم نے اِس کا ترجمہ لفظی کرنے کی بجائے "مُجھ ہی سے اور صرف مُجھ ہی سے ڈرو" کر دیا ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اس نظامِ نبوّت کی تصدیق کرتا ہے جس کے تم وارث ہو۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کے یہ معنی نہیں کہ اللہ کی آیات زیادہ قیمت کے عوض فروخت کی جا سکتی ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی آیات کے عوض جو قیمت بھی کہ تم وصول کرو گے وہ حقیر ہے کیونکہ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (۹ : ۳۸)

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۶﴾

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ ع ۵

اے بنی اسرائیل! ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق صبر و دعا کے ساتھ مانگو۔ بیشک
دعا مشکل ہے مگر ان لوگوں کے لئے نہیں جو عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ جو یقین رکھتے
ہیں کہ وہ اپنے ربّ کے حضور پیش ہونگے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے ◉

اِنَّھَا کی ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے اور ان سب امور کی طرف بھی جن کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا ہے اور استعانت کی طرف بھی مطلق صبر کی طرف نہیں جاسکتی کیونکہ صبر مذکر آتا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۸﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو مَیں نے تم کو عطا کی تھی اور

اس بات کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی کی شفاعت قبول ہو گی اور نہ ہی کسی سے معاوضہ وصول کیا جائے گا اور کسی کی مدد لوگوں کو عذاب سے نہیں بچا سکے گی ◉

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۵۰

اسوقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی۔ وہ تمہیں دردناک عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک بہت بڑی آزمائش تھی ◉

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۔۔۔ الخ : ماضی کے صیغہ کے بعد مضارع لاکر تواتر کا مفہوم پیدا کیا گیا ہے۔ آیت ۴۸ میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا ذکر کیا تو استیناس کے اظہار کے لئے اپنے لئے واحد کی ضمیر استعمال کی۔ ۵۰ میں اور اس کے بعد کی آیات میں جبروت اور قدرت کے اظہار کے لئے جمع کی ضمیر استعمال کی۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۱

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھاڑ دیا تھا۔ پھر تم کو نجات دی اور فرعون کی قوم کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا ◉

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ہمارے حضور چالیس راتیں پوری کرے گا۔ اور تم نے یہ ظلم کیا کہ اس کے پیچھے بچھڑے کو خدا بنا لیا۔ لیکن ہم نے اس کے بعد بھی تم سے درگذر کیا تاکہ تم شکرگذار بنو ◉

وٰعَدْنَا: مواعدہ (مصدر) سے بابِ مفاعلہ ہے۔ اس میں فریقین کا اشتراکِ عمل پایا جاتا ہے یعنی اللہ نے میقات میں برکات نازل کرنے کا وعدہ کیا اور موسیٰ نے عبودیت کا۔ یا اللہ نے موسیٰ سے میقات کا وعدہ کیا اور موسیٰ نے اسے قبول کر لیا۔ گویا موسیٰ کا وعدہ کو قبول کرنا وعدہ سے مشابہ فعل ہونے کی وجہ سے وعدہ ہی کے ضمن میں آتا ہے۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں اصل المفاعلۃ انہا تفید الاشتراك فی اصل الفعل ولکنہا قد تأتی للواحد فی کلام العرب کما فی قولہم: داویت العلیل، وعاقبت اللص، وطارقت النعل، وذلك کثیر فی کلامہم۔ یعنی اگرچہ مفاعلہ اشتراکِ عمل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ روزمرّہ میں یہ واحد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں داویت العلیل، وعاقبت اللص وطارقت النعل وغیرہ۔

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً سے پہلے مضاف محذوف ہے گویا عبارت کی تقدیر ہے انقضاء اربعین لیلۃً (رازی و روح البیان)

وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی حق و باطل کی تمیز عطا کی تاکہ تم ہدایت پاؤ ◉

وَالْفُرْقَانَ میں وعطف تفسیری ہے (جلالین) اُردو میں بھی اور بعض دفعہ تفسیر کے لئے بول لیتے ہیں لیکن مطلب کی صفائی کے پیش نظر یہاں اس کا ترجمہ 'یعنی' سے کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۵﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا تھا: اے قوم تم نے بچھڑے کو خدا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی انانیت کو قتل کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ اگر تم توبہ کروگے تو وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ بے شک وہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے معنی علامہ بیضاوی نے قطع الشھوات بھی کئے ہیں۔

فَتَابَ عَلَیْكُمْ: متعلق بمحذوف' ان جعلتہ من کلام موسٰی علیہ السلام لھم۔ تقدیرہ۔ ان فعلتم ما امرتم بہ فقد تاب علیکم۔ او عطف علی محذوف ان جعلتہ خطابا من اللہ تعالیٰ لھم۔ کانہ قال ففعلتم ما امرتم بہ فتاب علیکم (بیضاوی و رازی)۔ یعنی فتاب علیکم اگر تو موسٰی کا قول لیا جائے تو اس سے پہلے شرط 'اگر تم نے ایسا کیا' محذوف مانی جائے گی اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کا قول لیا جائے تو اس کا عطف محذوف عبارت پر مانا جائے گا اور آیت کے معنی ہوں گے: اور جب تم نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے چمک اور کڑک نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ پھر تمہاری موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا تاکہ تم ہمارا شکر ادا کرو ●

اَخَذَ کے معنی ہیں گرفت یا ایسی گرفت جو ہلاک کر دے یا ہلاکت کے قریب پہنچا دے۔ اسی طرح موت کے معنی نیند اور غشی کے بھی ہیں۔ یعنی ایسی حالت جو موت کے مشابہ ہو۔ ہمارے ہاں ہلاکت کا لفظ ہلاکت کے قریب پہنچنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ میں درد سے ہلاک ہوگیا۔ یہاں 'اخذت' جس کا ترجمہ 'ہلاک کر دیا' کیا گیا ہے سے یہی مراد ہے۔ یعنی چمک اور کڑک نے اس طرح ان کے حواس باطل کر دیئے کہ وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ اس حالت کو اگلے فقرہ میں موت سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اس استعارہ کی ترشیح کی ہے اور پھر ہوش میں لانے کو زندہ کرنے سے تعبیر کر کے اس ترشیح کی تکمیل کر دی ہے۔ علم بیان میں ایسے طرز بیان کو الاستعارۃ المرشحہ یا صنعت ترشیح کہتے ہیں (دیکھو مختصر المعانی)

وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور یہی نہیں ، ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا اور کہا کہ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ اور پیو۔ لیکن تم نے ان نعمتوں کی ناقدری کی۔ مگر اس طرح تم نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا ◉

وَمَا ظَلَمُوْنَا: فیہ اختصار واصلہ فظلموا بان کفروا ھٰذہ النعم وماظلمونا (بیضاوی) یہ اختصار قرآنی ہے کہ مفہوم بغیر الفاظ کے ادا کر دیا ہے۔ ہم نے سہولت کی خاطر اس مفہوم کو ملفوظ کر دیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اصل میں غائب کی ضمیر ہے جو کہ مخاطبین کی اہانت کے لئے لائی گئی ہے یعنی تم ایسے ناقدردان ہو کہ اب خطاب کے لائق نہیں رہے۔ چونکہ اردو میں ضمائر کے اس طرح بدلنے کا طریق نہیں اور مخاطب کے بعد غائب کی ضمیر لانے سے اہانت کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا بلکہ عبارت اوپری اور بے معنی بن کر رہ جاتی ہے لہذا ترجمہ میں مخاطب ہی کی ضمیر رکھی گئی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۹﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تمہیں کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ لیکن اس کے دروازوں میں پوری پوری فرمانبرداری کے ساتھ داخل ہونا اور یہ دعا کرنا کہ اے ہمارے خدا ہمارے بوجھ ہلکے کر دے۔ اگر تم ہمارے حکم کی تعمیل کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کو برکت پر برکت دیں گے ◉

سُجَّدًا: فرمانبرداری کے ساتھ یا سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے۔
حِطَّۃٌ کے معنی گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی دعا کے ہیں۔ حَطَّہٗ کے معنی ہیں وضعہ۔
انزلہ اس نے اسے اونچی جگہ سے نیچی جگہ رکھا۔
حِطَّۃٌ سے پہلے مبتداء محذوف ہے اور عبارت کی تقدیر ہے امرُكَ حِطَّۃٌ یا مسئلتنا حِطَّۃٌ۔
حِطَّۃٌ، قولوا کا مفعول بھی ہوسکتا ہے یعنی تم حِطَّۃٌ حِطَّۃٌ (اے اللہ ہمارے گناہوں کا بوجھ ہلکا کردے) کہتے ہوئے داخل ہو۔
نَغْفِرْ لَكُمْ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجذوم ہے۔
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ: ای نزیدھم احسانا علی احسانھم المتقدم (شوکانی)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶

لیکن ہمارے حکم کی تعمیل کرنا تو درکنار ظالموں نے ہمارے حکم کے الفاظ بدل ڈالے۔ چنانچہ ہم نے ان ظالموں کی نافرمانیوں کے سبب ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا ◉

خطاب سے غیبت کی طرف التفات ناراضگی کے اظہار کے لئے ہے۔ گویا یہ کہنا مقصود ہے ع
ہٹو تم نہیں منہ لگانے کے قابل

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ
اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۱﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا
کی اور ہم نے اسے کہا کہ اپنا عصا فلاں چٹان پر مارو۔اور جونہی
اس نے ایسا کیا اس چٹان میں سے بارہ[۱۲] چشمے پھوٹ نکلے اور ہر ایک
گروہ کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہو گیا۔ہم نے کہا: اس رزق میں سے
جو اللہ نے تمہیں دیا ہے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد برپا نہ
کرو ◉

ا اَلْحَجَرَ میں ال عہد کے لئے ہے۔(بیضاوی وروح البیان)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ
لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ
قِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَاؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ
لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّؕ ذٰلِكَ بِمَا

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۲﴾ ع ۷

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا تھا: اے موسٰی ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے۔ اپنے ربّ سے دعا کر کہ ہمارے لئے ترکاری، لکڑی، گیہوں، مسور اور پیاز ایسی چیزیں جو کہ زمین سے اُگتی ہیں پیدا کرے۔

موسٰی نے کہا: کیا تم اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ لوگے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ تم جو کچھ مانگتے ہو تمہیں مل جائے گا۔ چنانچہ جو لوگ اس سودے پر راضی ہو گئے ذلّت اور رُسوائی ان کے شاملِ حال ہوئی اور وہ اللہ کے غضب کے نیچے آ گئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور اس کا سبب وہ نافرمانی تھی جو انہوں نے کی اور وہ عدوان تھا جو ان کا شیوہ تھا ◉

طَعَامٍ وَّاحِدٍ: یرید بہ ما رزقوا فی التیہ من المنّ والسلوٰی وبوحدتہ انہ لا یختلف ولا یتبدّل (بیضاوی)

بنی اسرائیل نے جب ان چیزوں کا مطالبہ کیا جو شہر میں ملتی تھیں تو گویا دراصل یہ کہا کہ ہم صحرا نوردی سے تنگ آ گئے ہیں ہمارے لئے کسی شہر میں رہائش کا بندوبست کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم وہ بلند اُور اعلیٰ اخلاق جو صحرا نوردی سے پیدا ہوتے ہیں ترک کرنا چاہتے ہو اگر یہی بات ہے تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔

يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ: عربی زبان میں فعل ارادۂ فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پس اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہوتا ہے پھر بِغَيْرِ الْحَقِّ کی تخصیص کیوں فرمائی سو جاننا چاہیئے کہ اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:-

ا۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ کا لفظ زور دینے کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ گویا ان کے فعل کے ناحق ہونے کو تکراراً

بیان کیا ہے (رازی)

۲ - اَلْحَقّ سے مُراد حقّ النّبیّٖن ہے اور آیت کی تقدیر یہ ہے بغیر حقّ النّبیّٖن یعنی نبیوں کا حق تو یہ تھا کہ ان کی اتباع کی جاتی لیکن وہ اتباع کا حق ادا کرنے کی بجائے ان کو قتل کرتے ہیں۔

۳ - اَلْحَقّ میں ال معہودِ ذہنی کے لئے ہے یعنی اس سے مُراد وہ چیز ہے جو ان کے نزدیک بھی حق ہے یعنی وہ انبیاء کو جس بناء پر قتل کرتے ہیں وہ خود ان کے نزدیک درست نہیں (بیضاوی و رازی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۳﴾

پہلے انبیاء پر ایمان لانے والوں میں سے یہودیوں، نصاریٰ اور صابیوں میں سے جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل بجا لائیں گے وہ اپنا اجر اپنے ربّ کے حضور پائیں گے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم ◉

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے معنی اٰمنوا بالانبیاء من قبل (جلالین) بھی ہو سکتے ہیں اور اٰمنوا بالسنتھم (بیضاوی) بھی۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اللہ پر ایمان میں انبیاء پر ایمان شامل ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (النساء: ۱۵۱، ۱۵۲)۔

اسی طرح آخرت پر ایمان میں رسول اور قرآن پر ایمان شامل ہے جیسا کہ فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ (۶: ۹۳)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۴﴾

اے بنی اسرائیل ! وہ وقت بھی یاد کرو جب طُور کی رفعتوں کے تلے ہم نے تم سے ایک پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کتاب جو ہم نے تمہیں دی ہے مضبوط تھام کر رکھو اور اس کی تعلیم اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھو تا کہ تقویٰ کی منازل طے کر سکو ◉

رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ جس کے لفظی معنی ہیں طُور کو تم پر بلند کیا۔ ایک خوبصورت استعارہ ہے۔ ایسے استعارات ہر زبان میں ملتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ناک بہہ رہا ہے یا ندی بہہ رہی ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ پانی بہہ رہا ہے۔ اسی طرح اس سے مُراد ہے کہ یہ عہد طُور کے دامن میں لیا گیا تھا۔ گویا طُور کو تمہارے اُوپر گواہ کے طور پر کھڑا کر رکھا تھا۔ یہ الفاظ ایسے خوبصورت اور مناسب ہیں کہ واقعہ کا ہُوبہو نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ خروج باب ۱۹ آیت ۱۷، ۱۸ میں لکھا ہے: اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لائے تا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا اُوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾

لیکن تم اس پختہ عہد کے بعد بھی پھر گئے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو تم گھاٹے ہی گھاٹے میں تھے ◉

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٦﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

تم اپنے ہیں سے ان لوگوں کے انجام سے تو واقف ہو جنہوں نے سبت
کے معاملہ میں سرکشی کی۔ ہم نے انہیں بیک جنبشِ لب ذلیل بندر بنا دیا
اور ان کی سزا کو اُس زمانہ اور آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے عبرت
کا نمونہ اور متقیوں کے لئے باعثِ نصیحت بنایا ◉

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ : قال مجاهد ما مسخت صورهم ولكن قلوبهم ...
وقوله۔ كونوا۔ ليس بأمر اذ لا قدرة لهم عليه وانما المراد له سرعة التكوين
(بیضاوی) یعنی مجاہد کے نزدیک ان کی صورتیں نہیں بلکہ ان کے دِل مسخ ہوئے تھے۔ اور کونوا سے مُراد
حکم نہیں صرف سرعتِ تکوین ہے کیونکہ اگر اس سے مراد حکم لیا جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ان لوگوں
کو خود بخود بندر بن جانے پر قدرت حاصل تھی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ط
فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۹﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ
عَلَيْنَا ط وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْأَرْضَ
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ج مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ط قَالُوا الْـٰٔنَ
ع ۸ جِئْتَ بِالْحَقِّ ط فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا: اللہ تمہیں
حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔

وہ لوگ کہنے لگے: کیا تم ہم سے مذاق کر رہے ہو؟

اس نے کہا: میں جاہل بننے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

وہ کہنے لگے: ہماری خاطر سے اپنے رب کو پکار کہ وہ ہمیں کھول کر

بتلائے کہ یہ کونسی قسم کی گائے ہے؟

اُس نے کہا: وہ کہتا ہے: یہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے نہ بچھیا، درمیانی اور اوسط عمر کی ہے۔ پس جو حکم تمہیں دیا گیا ہے بجا لاؤ۔

وہ کہنے لگے: ہماری خاطر سے اپنے رب کو پکار کہ وہ ہمیں کھول کر بتلائے کہ اس کا کیا رنگ ہے؟

اُس نے کہا: وہ کہتا ہے: یہ پیلے رنگ کی گائے ہے اس کا رنگ گہرا ہے اور وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو مسرّت بخشتی ہے۔

وہ کہنے لگے: ہماری خاطر سے اپنے رب کو پکار کہ وہ ہمیں کھول کر بتلائے کہ یہ کونسی گائے ہے؟ ہمیں تو تمام گائیں ایک ایسی لگتی ہیں۔ یقیناً اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت پا جائیں گے۔

اس نے کہا: وہ کہتا ہے: یہ وہ گائے ہے جو نہ تو زمین میں ہل چلانے کو اور نہ کھیتوں کے پانی پلانے کو جوتی گئی ہے۔ بے عیب اور بے داغ ہے۔

وہ کہنے لگے: اب تم نے کھری بات کہی ہے۔ پس انہوں نے گائے ذبح کر ہی دی اگرچہ وہ کرنے کے نہیں تھے ◉

بَقَرَةً: بیل یا گائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ: یہ کہنے کی بجائے کہ مَیں جہالت کی باتوں سے پناہ مانگتا ہوں یہ فرمایا کہ مَیں جاہل بننے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جہالت کی باتیں خواہ ہنسی مذاق میں کی جائیں انسان کو جاہل بنا دیتی ہیں۔

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ: یہود کا رَبَّنَا کی بجائے رَبَّكَ کہنا ان کی سرکشی اور عدوان پر دلالت کرتا ہے۔

عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ: وہی مضمون جو لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ میں منفی طریق پر بیان کیا تھا عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ میں مثبت طریق پر بیان کیا ہے تاکہ حدود کی مکمّل تعیین ہو جائے۔ علمِ معانی میں اس طرزِ بیان کو اطناب کہتے ہیں۔ تکرار سے ایک تو تعیین اور تشخیص کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے دوسرے یہود کی بد طینتی کو نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ ایسے

نافرمان ہیں کہ اگرچہ بات کھول کھول کر اور دُہرا کر بیان کر دی گئی اور اس کے بعد فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ بھی مکرر کہا گیا پھر بھی وہ بہانہ سازی سے باز نہ آئے اور کہنے لگے: اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۷۳﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا۔ پھر تم اس بارہ میں جھگڑے اور اللہ اس چیز کو جسے تم چھپا رہے تھے ظاہر کرنیوالا تھا۔ سو ہم نے کہا: اس معاملہ کی جانچ اس کے دیگر حالات کی روشنی میں کرو۔ یہی وہ طریق ہے جس کے ذریعہ اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور وہ تمہیں اپنے نشان دکھلاتا ہے تاکہ تم صاحبِ خرد بن جاؤ ◉

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى: مضارع کا صیغہ ہے جس میں استمرار پایا جاتا ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت کا بیان ہے کہ وہ اس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اگر اَضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا سے مُراد گائے کے ٹکڑے سے مقتول کو مارنا ہے تو كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کے معنے ہیں کہ مقتول کا اس طرح زندہ ہونا اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے لیکن مشاہدہ اس بات کو رد کرتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى اس بات پر شاہدِ ناطق ہے کہ یہاں مُراد قاتل کا سُراغ نکالنا اور اس سے قصاص لینا ہے۔ قرآن کہتا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (۲ : ۱۸۰) دوسری جگہ فرمایا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (۵ : ۳۳)۔ اَحْيَاهَا میں هَا کی ضمیر نفس کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور مقتول کی طرف بھی۔

مقتول کا قصاص لینا بھی استعارۃً اس کو زندہ کرنا ہے۔ ایسا زندہ کرنا کہ گویا اس سے تمام مخلوق زندہ ہوتی ہے کیونکہ اس سے ایک ایسے جرم کا قلع قمع کیا جاتا ہے جو نسلِ انسانی کی جڑ کو کاٹتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۵﴾

اِس واقعہ کے بعد تمہارے دِل سخت ہو گئے۔ اور اب ان کی یہ حالت ہے کہ گویا کہ وہ پتھر ہیں یا اس سے بھی سخت۔ اور پتھر تو بعض ایسے بھی ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ◉

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

اے مومنو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئینگے
حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کلامِ الٰہی کو سُنتے ہیں اور
پھر سمجھنے بُوجھنے کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں
کہ وہ کیا کر رہے ہیں ۞

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٧﴾

اور جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے لیکن
جب ایک دوسرے سے اکیلے میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم وہ باتیں
جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں انہیں اس لئے بتلاتے ہو کہ وہ ان کی بناء
پر تمہارے رب کے حوالہ سے تم پر حُجّت قائم کریں۔ کیا تم اتنی سی
بات بھی نہیں سمجھتے؟ ۞

لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ: ليحتجوا عليكم بما انزل ربكم فى كتابه جعلوا
محاجتهم بكتاب الله وحكمه محاجة عنده (بیضاوی)۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٨﴾

پر کیا وہ نہیں جانتے کہ تمام وہ راز جو وہ چھپاتے ہیں اور تمام
وہ باتیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو معلوم ہیں ۞

یعنی رسُول کو ان امور کی اللہ تعالیٰ پہلے سے آگاہی دے چکا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ وَاِنْ هُمْ

النصف

اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۷۹﴾

اور ان میں سے بعض اَن پڑھ ہیں۔ انہیں خدا کی کتاب کا کوئی علم نہیں۔
ان کے توہمات ہی ان کا علم ہیں۔ اور وہ صرف اٹکل پچّو سے کام لیتے
ہیں ◉

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ
هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَوَیْلٌ
لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۰﴾

رہے ان کے پڑھے لکھے لوگ تو افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب
لکھتے تو اپنے ہاتھ سے ہیں اور پھر کہتے یہ ہیں: یہ خدا کی طرف سے
ہے۔ اور وہ یہ تمام کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے عوض ایک حقیر
قیمت حاصل کر لیں ◉

فَوَیْلٌ: ف محذوف عبارت سے متعلق ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ
اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ
اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

یہ لوگ کہتے ہیں: آگ اگر ہمیں چھوئے گی بھی تو صرف گنتی کے چند دن

کہہ :کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یقیناً
اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ لیکن کہیں یہ بات تو نہیں
کہ تم نادانی سے اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو ◉

فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ میں شرط مقدر ہے۔ ای ان اتخذ تم عند اللہ عھداً افلن
یخلف اللہ عھدہٗ (بیضاوی و روح البیان)

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

یہ لوگ کس غلط فہمی میں پڑے ہیں۔ جو لوگ بھی بُرے کام کرتے ہیں اور
ان کے گناہ ان پر حاوی ہو چکے ہیں دوزخ کے مکین ہیں۔ وہ اسی میں
ہمیشہ رہیں گے ◉

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ
ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ ع ۹/۹

البتہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل بجا لاتے ہیں جنّت کے
مکین ہیں۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ◉

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا
اللّٰہَ ۟ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی
وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۴﴾

اے بنی اسرائیل! وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے ایک عہد باندھا تھا اور کہا تھا: تمہاری شان یہ ہو گی کہ تم اللہ کے سوا کسی اَور کی پرستش نہیں کرو گے اور اپنے والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو گے۔ اور پھر ہم نے تمہیں کہا تھا: لوگوں سے اچھی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ لیکن سوائے چند لوگوں کے تم سب اپنے عہد سے پھر گئے۔ اور تم کیوں نہ پھرتے عہد سے پھر جانا تو تمہاری سرشت میں داخل ہے ◉

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: میثاق النبیین کی طرح مضاف مضاف الیہ ہے یعنی بنی اسرائیل کا میثاق۔ بنی اسرائیل کا میثاق کہہ کر میثاق کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا: یعنی بات بھی اچھی کہنا اور کہنا بھی اچھے طریق سے۔

مُّعْرِضُوْنَ: مُعْرِض مُفْحِل کے وزن پر اسم صفت ہے جس میں ثبوت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے ایک پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا: تمہاری شان یہ ہو گی کہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے

اور اپنے بھائی بندوں کو اپنے وطن سے نہیں نکالو گے۔ اور پھر یہی نہیں
کہ تم نے یہ عہد کیا۔ تم نے اس کی توثیق کی۔ اور تم اس بات پر گواہ
ہو ◉

حُسنِ کلام دیکھئے کہ حکم میں دِیَارِکُمْ ہے اور الزام میں دیارھم یعنی تمہیں حکم تو یہ تھا کہ اپنے بھائیوں کو اپنے وطن سے نہیں نکالو گے لیکن اپنا وطن تو ایک طرف رہا تم اُن لوگوں کو ان کے وطن سے نکال دیتے ہو۔ اسیطرح حکم میں تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَ ہے لیکن الزام میں تَقْتُلُوْنَ ہے یعنی خون بہانا تو ایک طرف رہا تم ان کو قتل کر دیتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۶﴾

لیکن تم ایسے لوگ ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو اور گناہ
اور ظلم میں ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے اپنے میں سے بعض

لوگوں کو ان کے وطن سے نکالتے ہو۔اور طرفہ تر یہ کہ اگر وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آئیں تو تم فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ خود ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔کیا تم اللہ کی کتاب کے بعض حصّوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسی حرکات کے مرتکب ہوں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ان کے شاملِ حال ہو۔اور یہی نہیں کہ وہ دنیا میں رُسوا کئے جائیں گے وہ قیامت کے دن ایک بہت سخت عذاب میں مُبتلا کئے جائیں گے۔اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ◉

مدینہ میں مُشرکوں کے ۲ دو قبیلے تھے اوس اور خزرج۔یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔اسی طرح یہودیوں کے ۲ دو قبیلے تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر۔بنی قریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنی نضیر خزرج کے۔اوس اور خزرج کی خانہ جنگی میں بنی قریظہ اور بنی نضیر بھی اپنے اپنے ساتھیوں کی طرف سے میدان میں اُتر آتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو تباہ کرتے اور ان کو گھروں سے نکالتے لیکن جنگ ختم ہونے پر قیدیوں کو باہم چندہ اکٹھا کر کے چھڑوا لیتے۔جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کیا بوالعجبی ہے تو کہتے کہ قیدیوں کو تو ہم اِس لئے چھڑواتے ہیں کہ توریت کا حکم ہے۔رہی ایک دوسرے کے خلاف جنگ سو اگرچہ یہ حرام ہے پر ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ساتھی دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ہوں۔(بیضاوی و رازی)

اِس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب وہ جلاوطنی میں کسی جابر ظالم کے ہاتھوں میں پڑ جاتے تھے اور وہ ان کو قیدی بنا لیتا تھا تو تم ان کا فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٧﴾ ع ۱۰

یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے عوض ورلی زندگی خرید لی۔پس

نہ ہی ان کا عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کی مدد ان کو عذاب سے بچا سکے گی ۞

یُنۡصَرُوۡنَ : یمنعون منہ (جلالین وروح البیان)

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَقَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ وَاَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُکُمُ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِیۡقًا کَذَّبۡتُمۡ ۫ وَفَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اے بنی اسرائیل! ہم نے موسٰی کو کتاب دی اور اس کے بعد پے درپے رسول بھیجے اور مریم کے بیٹے عیسٰی کو کھلے کھلے نشان دئے اور رُوح القدس سے اس کی مدد کی لیکن تم نے اپنا وطیرہ نہیں چھوڑا۔ یہ تمہارا کیا طریق ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسی دعوت لے کر آیا جو تمہاری خواہشات کے خلاف تھی تو تم نے سرکشی کی اور کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کیا ۞

فَفَرِیۡقًا کَذَّبۡتُمۡ وَفَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ : کَذَّبۡتُمۡ ماضی کا صیغہ ہے اور تَقۡتُلُوۡنَ حال کا۔ قتل کے لئے حال کا صیغہ لا کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمہارا قتل کا فعل اس قدر گھناؤنا ہے کہ اب بھی آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔ ایسے طرزِ کلام کو علمِ بیان میں صنعت مراعاۃ للفواصل کہتے ہیں مضارع کا صیغہ لا کر یہ معنی بھی پیدا کئے گئے ہیں کہ تم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہو (بیضاوی)

وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾

یہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے دِل علم کا خزانہ ہیں۔ یہ جھوٹ بکتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے اور وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ◉

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہمارے دل تمہارے حملوں سے محفوظ ہیں (بیضاوی۔ رازی۔ رُوح البیان۔ شوکانی و مفردات)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٠﴾

باوجود اس بات کے کہ اس سے پہلے یہ لوگ کافروں پر فتح پانے کی دعائیں مانگا کرتے تھے جب ان کے پاس اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب آئی۔ وہ کتاب جو کہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے تو انہوں نے اس کو ردّ کر دیا۔ ہاں! جب ان کے پاس وہ صداقت پہنچی جس کو انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہو ◉

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ نبی آخرالزمان مبعوث فرما کر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ (جلالین۔ بیضاوی۔ رازی۔ شوکانی و رُوح البیان)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۱﴾

کیا ہی بُرا سودا ہے جس کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا کہ سرکشی کی راہ سے اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا اِس وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اِس کو نازل کیا۔ان کے اس فعل کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ غضب کے بعد غضب کے مستحق ہو گئے ہیں۔ ایسے کافروں کے لئے رُسوا کر دینے والا عذاب مقدّر ہے ◉

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۲﴾

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں:ہم اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی۔اور ان کا دستور یہ ہے کہ وہ توریت کے بعد ہر ایک کتاب کا انکار کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ ان کی ضروریات کو پورا کرتی ہے اور اس

سچائی کی جو ان کے پاس ہے تصدیق کرتی ہے۔
اے پیغمبر! ان سے کہو! اگر تم واقعی اس کتاب پر ایمان رکھتے ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے تو تم اس سے پہلے اللہ کے انبیاء کو کس لئے قتل کرتے تھے ◉

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

اے بنی اسرائیل! موسٰی تمہارے پاس کھلے کھلے نشان لے کر آیا۔ لیکن تم نے اس کے طُور پر جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم کیوں نہ بناتے۔ بے راہ روی تو تمہاری سرشت میں داخل ہے ◉

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور اُس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ ہم نے طُور کی رفعتوں کے نیچے تم سے ایک پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ جو تعلیم ہم نے تمہیں دی ہے اس پر اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور اس کی پابندی کرو۔ لیکن تم میں سے جن لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا انہوں نے کہا: ہم نے حکم سُن لیا ہے اور حکم عدولی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور

وہ ایسا کیوں نہ کہتے۔ان کے دل تو ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبّت سے معمور تھے۔

اے پیغمبر ان سے کہو: اگر تم اسی اعتبار سے مومن ہو تو بہت ہی بُری راہ ہے جس کی طرف تمہارا ایمان تمہیں ہدایت کرتا ہے ◉

وَاسْمَعُوْا : سِمَاعَ طَاعَةٍ (بیضاوی وروح البیان)

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٦﴾

اے پیغمبر ان سے کہو: اگر اللہ کے حضور تمہارے لئے آخرت کا گھر مخصوص ہے جس میں اور لوگوں کو قدم رکھنے کی گنجائش نہیں۔ اور اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچّے ہو تو ذرا ہمارے مقابل آ کر موت کی تمنّا کرو۔ لیکن بوجہ ان اعمال کے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہیں وہ کبھی بھی موت کی تمنّا نہیں کریں گے۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے ◉

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ : ای ادعوا بالموت علی ای الفریقین اکذب (شوکانی ورازی)۔

اِس آیت میں نیز ۳ : ۶۲ میں یہودیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہودی میرے مقابلہ پر میدان میں آجاتے تو صفحۂ ہستی پر ایک بھی یہودی باقی نہ رہتا (درمنثور، بیضاوی، روح البیان، رازی وشوکانی)۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ ع

موت کی تمنا تو کجا زندگی کی طلب میں تو ان کو اور لوگوں سے زیادہ حریص پائے گا حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ حریص۔ ان میں سے ہر ایک شخص کی آرزو ہے کہ ہزار سال عمر پائے لیکن لمبی عمر پا لینے سے تو ان میں سے کوئی عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔ اللہ ان کے اعمال سے بخوبی واقف ہے ◉

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۸﴾

اے پیغمبر ان سے کہو کہ جو جبرائیل کا دشمن ہے اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبرائیل نے قرآن تیرے دل پر اللہ کے حکم سے نازل کیا ہے۔ وہ قرآن جو کہ پہلی سچائیوں کی تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کے لئے سراسر ہدایت اور بشارت ہے ◉

فَمَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ کا جواب محذوف ہے (جلالین و املاء)۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۹﴾

اللہ تمام ایسے کافروں کا دشمن ہے جو اللہ، اس کے فرشتوں، اُس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کے دشمن ہیں ◉

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے پیغمبر! ہم نے تم پر کھلے کھلے نشان نازل کئے ہیں انہیں فاسقوں کے سوا کوئی رد نہیں کرتا ◉

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ان کا یہ کیا دستور ہے کہ جب بھی وہ کوئی عہد کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ اس کو توڑ دیتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اس کو مانتے ہی نہیں ◉

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

دیکھو! جب ان کے پاس اللہ کی جانب سے ایک رسول آیا جو اس
کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تصدیق کرتا ہے تو علماءِ اہلِ کتاب میں سے
ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو یوں پسِ پُشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے
ہی نہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ◉

قرآن نے کہیں تو اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ فرمایا ہے کہیں اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کہیں اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ اور کہیں اَھْلِ الْکِتٰبِ۔

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ کے معنے بیضاوی نے ۴ : ۴۵ اور رازی نے ۴ : ۴۸ میں حظًّا یسیرًا کئے ہیں یعنی جنہیں کتاب کا معمولی سا علم دیا گیا ہے۔ رُوح البیان نے ۳ : ۲۴ میں اس کے معنے حظًّا وافرًا یعنی بہت علم دیا گیا کئے ہیں لیکن رازی اور بیضاوی کی تشریح زیادہ معقول اور مقبول ہے۔

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ جو کہ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۸ : ۸۱) سے ملتی جلتی ترکیب ہے اور کم و بیش اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے کے معنے رازی نے ۴ : ۸۴ میں علماء کے کئے ہیں۔ اِس جگہ علامہ نے اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ کے معانی کا فرق بتلایا ہے۔ ۴ : ۱۰۲ میں رازی نے اس کے معنے علماءُ کئے ہیں یا وہ لوگ جو کتاب سے تمسک کرتے ہیں۔ بیضاوی کا بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کو غور کے ساتھ دیکھنے سے یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہر مقام پر عبارت کا موقع محل اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ ان دونوں معانی میں سے کونسا لگے گا۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ میں اٰتَیْنَا معروف کا صیغہ ہے۔ اس کے معنے ہیں ایسے لوگ جنکو ہم نے اپنی جناب سے کتاب کا علم دیا ہے یعنی جن کا علم لدنی اور وہبی ہے یعنی عارفین کا گروہ۔ اس کے برعکس اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مجہول کا صیغہ ہے اس کے معنے ہیں وہ علماء جن کا علم کسبی ہے۔

اہلِ کتاب کا لفظ عام ہے۔ اس کے معنے ہیں کتاب کو ماننے والے۔ کتاب کے پڑھنے والے۔ کتاب پر عمل کرنے والے یا عمل کا دعویٰ کرنے والے۔

قرآن نے اِس لفظ کو طنزًا بھی استعمال کیا ہے یعنی وہ لوگ جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ کتاب پر عمل کرنے والے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے برعکس ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ ج وَ

مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى
يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا
مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى
الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

۱۲ ع ۱۲

اور یہی نہیں، یہ لوگ اسی ڈگر پر چل پڑے جس پر کہ سلیمان کی حکومت
میں سرکش لوگ چلے تھے (اور حقیقت یہ ہے کہ سلیمان نے کوئی عہد شکنی
نہیں کی۔ عہد شکنی تو ان سرکشوں نے کی جو لوگوں کو ریشہ دوانی کی تعلیم

دیتے تھے) بظاہر انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو کہ بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کو الہام کی گئی تھی۔لیکن وہ دونوں تو کسی کو کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ عہد شکنی نہ کرنا۔ہمارا مقصد تو محض تمہاری آزمائش ہے۔ ان فرشتوں کے پیروکاروں نے ان سے وہ علم حاصل کیا جو کہ آدمی اور اس کے ساتھی کے درمیان جُدائی ڈال دیتا ہے۔لیکن وہ اللہ کے حکم کے سوا کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے تھے۔ لیکن ان یہودیوں کا یہ حال ہے کہ وہ باتیں سیکھتے ہیں جو کہ ان کے لئے ضرررساں ہیں اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اور وہ یہ سب کچھ یہ جانتے بوجھتے کرتے ہیں کہ جو کوئی اس راہ کو اختیار کرتا ہے آخرت میں بے بہرہ رہتا ہے۔ کیا ہی بُرا سودا ہے کہ جس کے عوض یہ اپنی جانوں کو بیچ ڈالتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ سے وہ اجر پاتے جو اس سے بہت بہتر ہے جس کے عوض یہ اپنی جانیں بیچ ڈالتے ہیں۔کاش کہ یہ اتنی سی بات سمجھ لیتے ◉

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ کا عطف مَا تَتۡلُوا پر ہے (بیضاوی ورازی)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے! رسول کو خطاب کرتے وقت رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنۡظُرۡنَا کہو اور اس کی بات گوشِ ہوش سے سنو۔یاد رکھو کہ جو لوگ ہمارا حکم نہیں مانتے ان کے لئے ایک دردناک عذاب مقدر ہے ◉

رَاعِنَا ذو معنی جملہ ہے۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ یہ مراعاۃ (مصدر) سے ہے باب مفاعلۃ ہے اور اس کے معنی ہیں تو ہماری رعایت کر یعنی ہمارا خیال رکھ ہم تیری رعایت کریں گے یعنی تیرا خیال رکھیں گے۔ ان معنوں میں برابری کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اس کے معنی اَرْعِنَا (داعنا) سَمْعَكَ بھی ہیں یعنی اپنے کان ہماری طرف مبذول کر۔ رَاعِ حاکم کو بھی کہتے ہیں اِس اعتبار سے اس کے معنی ہوئے: اے ہمارے حاکم۔ راعن رعونۃ سے اسمِ فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ اِس اعتبار سے جملہ 'یا راعنا' ہوا۔ اختصار کی وجہ سے 'یا' گر گیا اور راعنا رہ گیا۔ اِس کے معنی ہیں اے متکبر یا بیوقوف آدمی۔ عبرانی میں راعینا کے معنی 'اے بہرے شخص' بھی ہیں۔ ع کی کسرہ کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو یہ لفظ راعینا ہو جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ اے ہمارے چرواہے۔
یہودی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رَاعِنَا کہہ کر پکارتے تاکہ ذم اور برابری کا پہلو نکلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اُنْظُرْنَا کو جس کے معنی ہیں ہماری طرف توجہ کیجئے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ادب کو ہمیشہ ملحوظ رکھو اور خدا اور رسول کے بارے میں دانستہ و نادانستہ بے ادبی سے بچو کیونکہ بے ادبی آخر کار دردناک عذاب کا مورد بنا دیتی ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۶﴾

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کُفر کی راہ اختیار کی ہے وہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔ لیکن اللہ کو ان کی پسند سے کیا غرض۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چُن لیتا ہے۔ وہ تو بہت ہی فضل فرمانے والا ہے ◉

خیر سے مُراد یہاں قرآن ہے (بیضاوی و رُوح البیان)۔ دوسری جگہ فرماتا ہے وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا (۱۶ : ۳۰) قرآن نے شریعت کو خیر کہا ہے لیکن عیسائیوں نے

شریعت کو لعنت قرار دیا ہے چنانچہ گلتیوں ۳: ۱۳ میں لکھا ہے مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۷﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۸﴾

ہم اپنے احکام میں سے جب کسی حکم کو منسوخ کرتے ہیں یا سینوں سے محو کرتے ہیں تو اس کی بجائے اس سے بہتر یا کم از کم ویسا ہی حکم نافذ کرتے ہیں۔ اے انسان! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار؟ ۞

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۹﴾

مومنو! کیا تم اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے؟ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ جس نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا راہِ راست سے

بھٹک گیا ◉

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اپنے نفس کے حسد کی وجہ سے اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر بنا دیں۔ہاں اسکے بعد جب کہ سچائی تم پر پُوری پُوری کُھل گئی۔پس ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان سے کنارہ کرو حتّٰی کہ اللہ اپنا فیصلہ نافذ فرمادے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ◉

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یاد رکھو! جو نیکی بھی کہ تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے حضور موجود پاؤ گے۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے بخوبی واقف ہے ◉

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

یہودی کہتے ہیں کہ سوائے یہودیوں کے اور نصرانی کہتے ہیں کہ سوائے نصرانیوں کے کوئی جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ ان کی خوش فہمیاں ہیں۔ ان سے کہو: اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو ◉

وَاَصْلُهٗ : وقالت الیھود لن یدخل الجنۃ الّا من کان یھودیا، وَقَالَتِ النَّصٰرٰی: لن یدخل الجنۃ الّا من کان نصرانیًا (شوکانی)

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ ع ۱۳ ۹ ۱۳

یہ کس غلط فہمی میں مبتلا ہیں! جو لوگ اللہ کے حضور سرِتسلیم خم کرتے اور نیکی اختیار کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم ◉

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

باوجود اس کے کہ وہ دونوں ایک ہی کتاب کے پیرو ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ نصرانیوں کے عقائد بے بنیاد ہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے عقائد بے بنیاد ہیں۔ تمام بے علم لوگ بالکل انہی کی طرح بات کرتے ہیں۔ اللہ ان کا جھگڑا قیامت کے دن نپٹا دے گا ۞

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ان لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکیں اور ان کی ویرانی کے درپے ہوں۔ ان کے لئے تو یہی مناسب تھا کہ ان میں ڈرتے ڈرتے قدم رکھتے۔ ان کے لئے دُنیا میں ذِلّت اور آخرت میں ایک بہت بڑا عذاب مقدر ہے ۞

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۶﴾

پورب اور پچھم سب اللہ کے ہیں۔ تم جدھر بھی مُنہ کرو اللہ ہی اللہ
ہے۔ بیشک اللہ تمام جہان پر محیط، سب کچھ جاننے والا ہے ◉

وَاسِعٌ اسم فاعل ہے۔ اِس کا مصدر وسعٌ یا سَعَۃٌ ہے۔ وَسِعَ الاناءُ المتاعَ کے معنی ہیں کہ برتن میں متاع کے لئے کافی گنجائش تھی۔ وسعت رحمۃ اللّٰہ کلّ شیءٍ کے معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت ہر ایک چیز کو آسانی سے گھیرے ہوئے ہے (اقرب ومنجد)

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲ : ۲۵۶) کے معنی ہیں کہ اس کی حکومت زمین و آسمان کو آسانی سے گھیرے ہوئے ہے۔

السعۃ کا لفظ قدرت کے لئے فعل کے لئے اور حال کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے (مفردات)

وسعٌ کی ضد ضیقٌ ہے۔

وَاسِعٌ کا لفظ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کے معنی ہیں ایسی ذات جو اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے ہر ایک چیز پر وسیع ہے یعنی اسے آسانی سے گھیرے ہوئے ہے۔

قرآن نے وَاسِعٌ کا لفظ مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال کیا ہے:۔

وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۲ : ۱۱۵، ۲ : ۲۴۷، ۲ : ۲۶۱، ۲ : ۲۶۸، ۳ : ۷۳، ۵ : ۵۴، ۲۴ : ۳۲۔

وَاسِعٌ حَکِیْمٌ ۴ : ۱۳۰

وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ۵۳ : ۳۲

گویا یہ لفظ بغیر ال کے استعمال کیا ہے صرف ذاتِ باری کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور تنہا استعمال نہیں کیا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا

یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۱۱۸﴾

یہ لوگ اللہ کی مساجد ہی سے نہیں روکتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فلاں
کو بیٹا بنا لیا ہے۔ پاک ہے وہ ذات۔ اسے بیٹے سے کیا غرض۔ آسمانوں
اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔
وہ آسمان اور زمین کا موجد ہے۔ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو
کہتا ہے کہ 'ہوجا' اور وہ بات کونًا بعد کونٍ ہوجاتی ہے ◉

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا : عطفہ علی مفہوم قولہ تعالیٰ۔ ومن اظلم (بیضاوی و رازی)۔

فَیَكُوْنُ : مضارع کا صیغہ ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن نے کہیں کن فکان نہیں کہا ہر جگہ كُنْ فَیَكُوْنُ ہی کہا ہے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ ہر کن کے ساتھ سلسلہ اسباب حرکت میں آجاتا ہے حتیٰ کہ مطلوبہ شے معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ آجکل سائنسدانوں نے سیکنڈ کے کروڑویں حصّہ کی بھی تقسیم کرلی ہے۔ پس اگرچہ وہ چیز دیر سے ظہور پذیر ہو یا جلد یکون کا استمرار سلسلہ اسباب کے وجود کا متقاضی ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۹﴾

نادان لوگ کہتے ہیں: اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا کم از کم
ہمارے پاس کوئی نشان کیوں نہیں آتا؟ بالکل ایسی ہی باتیں اُن سے
پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ ان سب کے دل ایک ہی رنگ میں رنگین
ہیں۔ وہ جو چاہیں کہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم نے حقیقت پسند لوگوں کیلئے

اپنی آیات کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ◉

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١٢٠﴾

اے رسول! ہم نے تجھے ان کی ضروریات پوری کرنے کو بھیجا ہے تا کہ تُو ماننے والوں کو بشارت دے اور انکار کرنے والوں کو تنبیہہ کرے۔ لیکن اگر وہ انکار ہی پر مصر ہیں تو ایسے جہنمیوں کے بارہ میں تجھ سے کوئی باز پُرس نہیں ہو گی ◉

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢١﴾

اے رسول! اسلام قبول کرنا تو بڑی بات ہے یہ یہودی اور نصاریٰ تجھ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تُو ان کے دین کی پیروی نہ کرے۔ اُن سے کہہ: اصل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے آئے۔ اور یاد رکھ! اگر اس علم کے بعد جو کہ تجھے دیا گیا ہے تُو ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا ◉

ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ يَتْلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُو۟لَٰٓئِكَ

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

جن لوگوں کو ہم نے آخری کتاب دی ہے وہ اس کی اسی طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح کہ پیروی کا حق ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جو رسُول پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اس کا انکار کرتے ہیں سو وہ سراسر گھاٹے میں ہیں ◉

اَلْكِتٰبَ میں ال معہود ذہنی کے لئے ہے (شوکانی، رازی و طبری)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو مَیں نے تمہیں عطا کی تھی۔ اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ مَیں نے تمہیں تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور کسی سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور کوئی سفارش کسی کو فائدہ نہیں دے گی اور کسی کی مدد لوگوں کو عذاب سے نہیں بچائے گی ◉

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ : يمنعون من عذاب الله (جلالین)

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ واقعہ بھی یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پُورا اُترا۔ اللہ نے کہا: مَیں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: یہ عنایت میری اولاد پر بھی ہو۔ فرمایا: بے شک ہو گی پر میرا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ◉

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو مرجع خلائق اور مقام امن بنایا تھا اور کہا تھا کہ مقام ابراہیم کو نماز کے لئے مخصوص کر لو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں۔ اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک اور صاف رکھو ◉

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیم نے کہا تھا: اے میرے ربّ اِس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں انہیں ہر قسم کا رزق عطا کر۔ اللہ نے کہا: میرا رزق کافروں کے لئے بھی یکساں کھُلا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان کو صرف تھوڑی مدت کے لئے فائدہ پہنچاؤں گا۔ اور پھر آگ کے عذاب کی طرف دھکیل کر لے جاؤں گا۔ کیا ہی بُرا ہے یہ انجام! ◉

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ہمارے رب! ہماری خدمت قبول فرما تو دعاؤں کو سُننے والا نیّتوں کو جاننے والا ہے ◉

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً

مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنے فرمانبردار بندے بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی جماعت کھڑی کر جو کہ تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریق بتلا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تُو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا۔ بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾ ع ۵/۸ ۱۵

اے ہمارے ربّ! ان لوگوں میں ایک رسُول مبعوث فرما جو کہ انہی میں سے ہو۔ جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سُنائے۔ آخری شریعت اور کامل حکمت سکھلائے اور پاک کرے۔ تُو ہر بات پر غالب ہے۔ تیری ہر بات میں حکمت ہے ◉

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے مگر وہ کہ جس نے اپنے نفس کو خود ذلیل کر لیا ہو۔ ہم نے اس کو اس دنیا میں اپنا برگزیدہ بنایا اور آخرت میں وہ صالحین کے گروہ میں شامل ہو گا۔ جب اسکے ربّ نے اس کو کہا: میرے حضور سرِ تسلیم خم کر۔ تو اس نے کہا: میرا سرِ تسلیم ربّ العٰلمین کے حضور پہلے سے خم ہے ۝

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

نہ صرف یہ کہ ابراہیم نے خود سرِ تسلیم خم کیا اس نے اپنے بیٹوں کو اسی راہ پر چلنے کی ہدایت کی۔ اور ایسی ہی ہدایت یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو کی۔ ابراہیم نے کہا: بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے ایک ضابطہ حیات چن لیا ہے۔ پس اطاعت اور فرمانبرداری کو دمِ واپسیں تک اپنا شعار بنائے رکھیو ۝

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کے لفظی معنی ہیں پس تم پر موت نہ آئے مگر اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں لیکن جیسا کہ شوکانی نے کہا ہے فیه ایجاز بلیغٌ والمراد الزموا الاسلام ولا تفارقوا حتّٰی تموتوا یعنی اس میں ایجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اسلام پر قائم رہو حتّٰی کہ تمہیں موت آجائے۔ نیز دیکھو المودّج۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

تم تو اس وقت موجود نہیں تھے جب یعقوب پر موت کی گھڑی آئی اور اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔ انہوں نے کہا: ہم اُس کی عبادت کریں گے جو تیرا خدا ہے اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کا خدا ہے۔ جو خدائے واحد ہے اور ہم اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں ◉

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

یہ بھی لوگ تھے جو گذر گئے۔ وہ اپنے اعمال کا اجر پائیں گے اور تم اپنے اعمال کا۔ نہ تم ان کے اعمال کے لئے جوابدہ ہوگے اور نہ وہ تمہارے اعمال کے لئے ◉

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: كما لايسئلون عن عملكم (جلالين وشوكانی)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

یہودی کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے اور عیسائی کہتے ہیں کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ اے رسول! تو

اُن سے کہہ دے: ہم ہرگز تمہاری بات ماننے کے نہیں۔ ہم تو ابراہیم کے دین کی اتباع کریں گے جو تمام ادیانِ باطلہ سے روکش ہو کر اللہ کے حضور جُھکا ہُوا تھا اور اس کو مُشرکوں سے کوئی واسطہ نہ تھا ﴿﴾

حَنِیۡفَ کے لفظی معنے ہیں جُھکا ہُوا یعنی مائل عن الادیان الباطلۃ الی دین الحق (جلالین و شوکانی)۔

قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ۖ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾

مومنو! کہو: ہم اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اور ان کتب پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئیں اور ان کتب پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو دی گئیں ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اس بارہ میں انبیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اللہ ہی کی فرمانبرداری کرتے ہیں ﴿﴾

فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا ہُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَہُوَ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۸﴾

مومنو! اگر وہ تمہاری طرح ایمان لے آئے تو ہدایت پا گئے۔لیکن اگر انہوں نے انکار کیا تو جان لو کہ وہ حق کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔
اے رسول! اگر انہوں نے مخالفت کی تو اللہ تجھے ان کے شر سے ضرور بچائے گا۔ وہ سب کچھ سُنتا سب کچھ جانتا ہے ◉

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

مومنو! کہو: ہم نے اللہ کا دین قبول کر لیا ہے۔ اللہ کے دین سے کونسا دین بہتر ہے۔ ہم تو صرف اللہ ہی کے بندے بن کر رہیں گے ◉

صِبْغَةَ اللّٰهِ: نصبه بفعل مقدر۔ اے صبغنا اللہ صبغۃ (جلالین وبیضاوی)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اے رسول! ان سے کہو: کیا تم ہم سے اللہ کے انتخاب کے بارہ میں جھگڑا کرو گے جبکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اور ہم اپنے اعمال کا اجر پائیں گے اور تم اپنے اعمال کا۔ اور برعکس تمہارے ہم خالص اسی کے ہو چکے ہیں ◉

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ

يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

اے یہود! یہ تم کیا کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے۔ اور اے نصارٰی! یہ تم کیا کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد نصارٰی تھے۔ اے رسول! اُن سے کہہ: کیا تم بہتر جانتے ہو یا اللہ۔

اے اہلِ کتاب! اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اس شہادت کو جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے آئی ہو چھپائے۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ◉

پُورا فقرہ یُوں بنتا ہے ام یقولون ان ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط کانوا ھودًا او یقولون ان ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط کانوا نصارٰی اس کی ترکیب قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (۲ : ۱۱۲) کی طرح ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ ع ۱۶

یہ وہ لوگ تھے جو گذر گئے۔ وہ اپنے اعمال کا اجر پائیں گے اور تم اپنے اعمال کا۔ نہ تم ان کے اعمال کے لئے جوابدہ ہو گے اور نہ وہ تمہارے اعمال کے لئے۔

ربع

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

بے سمجھ لوگ ضرور کہیں گے: مسلمانوں کو کس چیز نے اپنے اس قبلہ سے کہ جس کی طرف ان کا رُخ تھا پھیر دیا ہے۔

اے رسول! ان سے کہہ: مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔

اصل چیز تو صراطِ مستقیم ہے اور صراطِ مستقیم وہ جسے چاہتا ہے دکھاتا ہے ◉

يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ اس میں ایجازِ حذف ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

مومنو! جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو بہترین قبلہ بنایا اسی طرح تمہیں بہترین اُمّت بنایا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم قوموں کی نگرانی کرو اور رسول تمہاری نگرانی کرے۔

اے رسول! جس قبلہ کی طرف تمہارا پہلے رُخ تھا ہم نے اسے تمہارا قبلہ محض اِس لئے بنایا تھا تا کہ ہم ان لوگوں کو جو ہمارے رسول کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں سے جان لیں جو کہ ایڑیوں کے بَل پھر جاتے ہیں۔

مومنو! تحویلِ قبلہ ایک بہت بڑی بات تھی مگر ان کے لئے نہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ اللہ کا مقصد تمہارے ایمانوں کو ضائع کرنا نہیں۔ اللہ لوگوں پر بہت مہربانی بہت رحم کرنیوالا ہے ◉

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۵﴾

اے رسُول! ہم دیکھتے ہیں کہ تیرا مُنہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ ہم تمہیں اس قبلہ کا جو کہ تمہیں پسند ہے متولّی بنا کر رہیں گے۔ پس صبر و ہمّت سے کام لو اور اپنی توجہ مسجدِ حرام پر مرکوز رکھو۔

اور اے مومنو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنی توجہ مسجدِ حرام پر مرکوز رکھو، علماء اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ تحویلِ قبلہ کا حکم ان کے ربّ کی طرف سے ہے اور حق ہے۔ رہے منکرین سو اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ◉

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ : تجھے اس کا متولّی، حاکم، نگران بنائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (۸ : ۳۵)

فَوَلِّ وَجْهَكَ میں ف کا عطف محذوف پر ہے اور اس کی تقدیر ہے فَاصْبِرْ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ : ای الیهود۔ (جلالین ورازی)

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اے رسول! اگرچہ تو علماء اہلِ کتاب کے پاس ہر قسم کے نشان لے آئے یہ تیرے قبلہ کی پیروی کرنے کے نہیں۔ اور تو علیٰ وجہ البصیرت ہو کر کیونکر ان کے قبلہ کی پیروی کر سکتا ہے جبکہ یہ علیٰ وجہ البصیرت نہ ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے کو تیار نہیں۔ یاد رکھ! اگر تو نے اس علم کے باوجود جو تجھے دیا گیا ہے انکی خواہشات کی پیروی کی تو تیرا شمار ظالموں میں ہو گا ◉

وَمَآ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۔۔۔: ماهم بتارکی باطلهم وما انت بتارك حقك (رازی)

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتا ہے ◉

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾

اے انسان یہ سچائی تیرے رب کی طرف سے آئی ہے تُو اس میں شک مت کر ◉

وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يَاۡتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۴۹﴾

ہر قوم کا ایک نصب العین ہے جس کی طرف اس کا رُخ ہے۔ تمہارا نصب العین ہماری رضا ہے۔ پس ہماری مرضیات پر چلنے میں ایکدوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے ◉

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ کا تعلق مقدر عبارت سے ہے۔ رُوح البیان کہتا ہے قال بعض اهل الحقيقة

معناہُ : کل قوم اشتغلوا بغیرنا عنا... فکونوا معاشر العارفین لنا و اشتغلوا بنا عن غیرنا فان مرجعکم الینا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٠﴾

اے رسُول! تجھے جس مقام سے بھی جنگ کے لئے نکلنا پڑے اپنی توجّہ مسجدِ حرام پر مرکوز رکھنا۔ یہ ایک سچّا حکم ہے جو تیرے ربّ کی طرف سے ہے۔ مومنو! اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ◉

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥١﴾

اے رسُول! تجھے جب جنگ کے لئے نکلنا پڑے اپنی توجّہ مسجدِ حرام پر مرکوز رکھنا۔ مومنو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنی توجّہ مسجدِ حرام پر

مرکوز رکھو۔ تمہارے لئے مسجدِ حرام کا حصول اِس لئے ضروری ہے تا کہ لوگ تمہیں کوئی الزام نہ دے سکیں۔ رہے بے جا الزام دینے والے لوگ۔ سو تم ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔

پھر مسجدِ حرام کا حصول اِس لئے بھی ضروری ہے تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تا کہ تم ترقی کی راہوں پر گامزن ہو ◉

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۲

مومنو! جس طرح ہم نے تم پر اپنی نعمت پوری کی اسی طرح ہم نے تمہارے درمیان تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ پاک کرتا ہے۔ کتاب اور حکمت سکھاتا اور ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے ◉

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۱۵۳

پس تم میرا نام بلند کرو میں تمہارا نام بلند کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری نعمتوں کی ناشکری نہ کرو ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۱۵۴

اے مومنو! صبر اور دعا سے کام لو یاد رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں
کے ساتھ ہے ◉

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ
أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٥﴾

ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں مُردے مت کہو
مُردے کہاں وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کے حال کی خبر نہیں ◉

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٦﴾
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٧﴾
أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور اموال اور نفوس اور ثمرات کے
نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ دیکھیں کہ کون صبر کرتا ہے
اور کون نہیں کرتا۔ اے رسول! ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے

جن پر جب کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ ہی کے
بندے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ
ہیں جن پر ان کے ربّ کی عنایات اور رحمتیں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں
جو ہدایت کی راہ پر گامزن ہیں ◉

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ...الخ: فننظر أتصبرون ام لا (جلالین)

اِنَّا لِلّٰهِ: ملكاً وعبيداً (جلالین)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۹﴾

صفا اور مروہ کے پہاڑ اللہ کے نشانات میں سے چند نشان ہیں۔ پس
جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کے لئے ان کے درمیان
سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو کوئی نیک کام کرے گا جان
لے گا کہ اللہ قدر شناس اور سب کچھ جاننے والا ہے ◉

سعی کی رسم زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔ اسلام آنے پر جب کعبہ کے بُت توڑ دیئے گئے تو طبعاً مسلمانوں کے دل میں سعی کے متعلق شک پیدا ہوا لہذا فرمایا کہ سعی کرنے میں کوئی مضائقہ یا گناہ نہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک سعی واجب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى

مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ

اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ ﴿۱۶۰﴾

اللہ اور تمام لعنت کرنے والے ان لوگوں پر لعنت کرتے ہیں جو ان
واضح شہادتوں اور ہدایت کی باتوں کو جو ہم نے کتاب میں نازل کیں
ہمارے کھول کھول کر بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں ◉

آیت ۱۶۰ میں جہاں جلال کا اظہار مقصود تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے لیکن
آیت ۱۶۱ میں تانیس اور رحم کے اظہار کے لئے واحد کی ضمیر استعمال کی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ

عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۱﴾

رہے وہ لوگ جو توبہ کرتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں اور
سچائی کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں سو میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔
میں بہت توبہ قبول کرنے والا۔ بہت رحم کرنے والا ہوں ◉

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ

عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ ﴿۱۶۲﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے اُن پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس لعنت کے اثر کے نیچے ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کا عذاب کم کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مُہلت دی جائے گی ◉

ع ۱۹ وَ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۴﴾

لوگو! تمہارا خدا خدائے واحد ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہ۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے ◉

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔ رات اور دن کی گردش میں۔ ان کشتیوں کے چلنے میں جو دریاؤں اور سمندروں میں لوگوں کے فائدہ کے لئے چلتی ہیں۔ اس پانی میں جو اللہ آسمان سے اُتارتا ہے اور

اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ تمام ان حیوانوں میں جو
اس نے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ ہواؤں کے ادلنے بدلنے میں اور ان
بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان معلّق و مسخّر ہیں عقلمندوں
کے لئے نشان ہیں ۞

وَبَثَّ فِيْهَا کا عطف اَنْزَلَ پر بھی ہوسکتا ہے اور اَحْيَا پر بھی (بیضاوی) ۔ مؤخر الذکر صورت میں آیت کے معنے ہوں گے: اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور حیوانوں کو زمین میں پھیلاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۶﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۷﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۸﴾ ع

۲۰/۴

لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو ماسوا اللہ کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ وہ ان سے ایسا پیار کرتے ہیں جیسا اللہ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ ان سے جتنا چاہیں پیار کریں مومنوں کو جو اللہ سے پیار ہے وہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔

اگر ظالم لوگ وہ بات اب دیکھ لیتے جو عذاب دیکھ کر دیکھیں گے تو وہ جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کو ہے اور کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

اس وقت پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ وہ دوزخ کا عذاب بچشم خود دیکھ لیں گے اور ان کے تمام ذرائع منقطع ہو جائیں گے۔ اس وقت پیروکار کہیں گے: کاش ہمیں دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہوتا تاکہ ہم ان سے وہاں اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتے جیسا کہ وہ ہم سے یہاں کر رہے ہیں۔ یوں اللہ ان کو ان کے اعمال دکھلا دے گا جو حسرت و یاس بن کر ان پر طاری ہو جائیں گے اور وہ دوزخ سے کسی طور نکل نہیں سکیں گے ◉

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ: من حبهم للانداد (جلالین)

خارج اسم فاعل ہے یعنی اپنی کسی ہمت و کوشش سے نہیں نکل سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۹﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اے لوگو! زمین کی حلال اور طیّب چیزیں کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ یاد رکھو! وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں بُری اور فحش باتوں کی تلقین کرتا ہے اور اس بات کی کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کی حقیقت کا تمہیں کچھ علم نہیں ۞

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس سچائی کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہرگز نہیں۔ ہم تو اسی طریق کی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے ہوئے پایا۔ لیکن کیا وہ ان کی تقلید پر اصرار کریں گے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کسی بات کا شعور رکھتے ہوں اور نہ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوں؟ ۞

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

کفار کو پکارنے والے کی مثال اُس شخص کی مانند ہے جو بہائم کو پکارتا ہے۔ جو سوائے چیخ و پکار کے کچھ نہیں سُن پاتے۔ وہ بہرے ہیں،

گونگے ہیں، اندھے ہیں چنانچہ کچھ نہیں سمجھتے ◉

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا : علی حذف مضاف تقدیرہ ومثل داعی الذین کفروا۔ (بیضاوی۔شوکانی ورازی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے مومنو! جو اچھی چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں حسب ضرورت کھاؤ۔ اگر تم فی الحقیقت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کا شکر بھی ادا کرو ◉

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اُس نے تم پر صرف مُردار، خون، سؤر کا گوشت اور وہ چیزیں جو غیراللہ کے نام پر ذبح کی جاتی ہیں حرام کی ہیں۔لیکن اگر کوئی ان چیزوں کو اضطراری حالت میں کھالے اور اس کے فعل میں بغاوت اور سرکشی کا کوئی پہلو نہ پایا جاتا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ یاد رکھو! اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ◉

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۵﴾

وہ لوگ جو اپنی کتاب کی ان بشارتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے نازل کیں اور ان کے عوض حقیر قیمت وصول کرتے ہیں اپنے اندرونوں میں آگ کا سامان کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ نہ ہی اُن سے کلام کرے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا۔ ایک دردناک عذاب ان کا انجام ہے ۞

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی اور مغفرت کے عوض عذاب، العجب! کس صبر و ہمّت سے یہ دوزخ کا اہتمام کر رہے ہیں! ۞

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ: تعجب من حالهم فی الالتباس بموجبات النار (بیضاوی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۷﴾ ع

ع ۲۱ / ۹ / ۵

ان کی اس بدنصیبی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے تو کتاب ان کی ضرورت کے
مطابق نازل کی لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا ◉
بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ :فرفضوه بالتكذيب (بیضاوی)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ
الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى
حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى
الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

یاد رکھو! نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ نیکی
تو ان لوگوں کی نیکی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر،

کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور باوجود مال سے محبت کرنے کے اسے اپنے عزیز و اقارب، یتیموں، مسکینوں اور سوالیوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جب بھی عہد کریں عہد کو نبھاتے ہیں۔ خصوصاً ان لوگوں کی جو سختی اور تکلیف میں اور جنگ کے دوران ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ادعائے ایمان میں سچے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں ◉

(وَلٰكِنَّ الْبِرَّ) بر (مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ) بحذف المضاف (رازی۔ بیضاوی و روح البیان)

عَلٰى حُبِّهٖ میں ہ کی ضمیر مال کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور اللہ کی طرف بھی۔ مؤخر الذکر صورت میں آیت کے معنی ہوں گے: اپنے مال اللہ کی محبت کی خاطر اپنے عزیز و اقارب ... میں خرچ کرتے ہیں۔

وَالصّٰبِرِيْنَ منصوب آیا ہے جس سے اختصاص یا مدح کے معنے پیدا ہوتے ہیں (بیضاوی۔ جلالین و روح البیان)

سائل، سئل سے اسم فاعل یا صفت مشبہ ہے اس کے معنی صرف منہ سے مانگنے والا نہیں۔ ایسا مانگنے والا تو وہ چور بھی ہو سکتا ہے جو کسی کے گھر میں گھس آئے اور کہے کہ مجھے اپنا مال دو۔ پس اس میں وہ لوگ شامل نہیں جن کی زبان تو صورتِ سوال ہے مگر ان کے جوارح اور احوال صورتِ سوال نہیں۔ البتہ وہ لوگ ضرور شامل ہیں جو اگرچہ زبان سے سوال نہیں کرتے مگر ان کے احوال صورتِ سوال ہیں۔ سائل کے لئے حاجت مند ہونا ضروری ہے۔ امام راغب کہتے ہیں السوال الحاجة تحرض النفس عليها (مفردات)۔

فِي الرِّقَابِ: رقاب، رقبہ کی جمع ہے جس کے معنی گردن کے ہیں۔ اس سے پہلے فك کا لفظ محذوف مانا جاتا ہے۔ گویا اس کے معنی ہیں: فی فك الرقاب۔ یعنی گردنوں کو چھڑانے میں اپنا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں گردنوں کے بندھے ہونے کی صورت جسمانی غلامی تھی اور آجکل اقتصادی (ECONOMIC) غلامی ہے۔ پس غریبوں کی ایسی مالی مدد کرنا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اس حکم کے ماتحت آتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

مومنو! تم پر مقتولوں کا قصاص واجب کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کو قتل کرے تو اس کے بدلے وہی آزاد مارا جائے۔ غلام غلام کو قتل کرے تو اس کے بدلے وہی غلام مارا جائے۔ عورت عورت کو قتل کرے تو اس کے بدلے وہی عورت ماری جائے۔ ہاں اگر قاتل کو اس کا بھائی اس کی خطا سے کچھ معاف کر دے تو معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہونا چاہیئے۔ اور مقتول کے وارث کو خون بہا حُسنِ سلوک کے ساتھ ادا ہونا چاہیئے۔ اس قانون میں تمہارے ربّ نے تمہارے لئے سہولت اور رحمت رکھ دی ہے۔ لیکن جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لئے ایک دردناک عذاب مقدّر ہے ◉

قتلی قتیل کی جمع ہے جو فعیل کے وزن پر مفعول یعنی مقتول کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر کسی کا غلام یا عورت قتل ہو جاتا تو وہ عہد کر لیتے کہ اس کے عوض مقابل قبیلہ میں سے کسی حر کو ماریں گے۔ قرآن نے اس رسم کو موقوف کیا اور فرمایا کہ جو کوئی قتل

کرے وہی مارا جائے۔ یاد رہے کہ اَلْحُرُّ، اَلْعَبْدُ اور اَلْاُنْثٰی میں ال معہود ذہنی کے لئے ہے یعنی وہ آزاد جو آزاد کو قتل کرے اور وہ عبد جو عبد کو قتل کرے اور وہ عورت جو عورت کو قتل کرے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ: یعنی خون بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کر دے یا خون بہا دینے میں حیل و حجت کرے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اے دانشورو! قانونِ قصاص تمہاری بقا کا ضامن ہے اور اسلئے نافذ کیا گیا ہے تاکہ تم قتل و غارت سے بچو ◉

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚۖ اِۨلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۱۸۱﴾

مومنو! جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مالِ کثیر چھوڑے تو اس پر فرض ہے کہ والدین اور عزیز و اقارب کے حق میں معقول وصیّت کرے۔ یہ ایک فرض ہے جو متقیوں پر عائد کیا گیا ہے ◉

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ﴿۱۸۲﴾

اور اگر کوئی وصیّت کو سُننے سمجھنے کے بعد بدل ڈالے تو اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وصیّت کو بدلنے کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سُنتا سب کچھ جانتا ہے ◉

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۳﴾ ع ۲۲

اور اگر کوئی شخص دیکھے کہ موصی جنبہ داری یا معصیّت کا مرتکب ہو رہا ہے اور فریقین کے درمیان معاملہ سُلجھا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یاد رکھو! اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے ◉

خَافَ کے معنی علم یا تیقن کے بھی ہیں (اقرب ولسان)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ ل

مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ کی منازل طے کر لو ◉

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ

لَّهٗ ۖ وَ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

تم گنتی کے چند دن روزے رکھو۔ البتہ اگر کوئی شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ ان دنوں کی بجائے دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے۔ اور وہ لوگ جو روزہ رکھنے میں ناقابلِ برداشت مشقّت محسوس کریں ہر ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کا کھانا دیں اور اگر کوئی اپنے شوق سے نیکی میں بڑھے تو یہ اس کیلئے خیر و برکت کا موجب ہو گا۔ یاد رکھو! روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم حقیقت حال کو جانتے تو یہ بات آسانی سے سمجھ لیتے ◉

فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ: مفسّرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سہولت ہے یا حکم۔ اس آیت کی دوسری قرات عدۃً ہے جس کے معنی ہیں فعدو عدۃ یعنی پوری کرو گنتی۔ اس میں حکم پایا جاتا ہے۔ طبری ان آیات کے تحت مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتا ہے الصائم فی السفر کالمفطر فی الحضر یعنی سفر میں روزہ رکھنے والا اور حضر میں روزہ نہ رکھنے والا برابر ہیں کیونکہ دونوں خدا تعالےٰ کے حکم کا انکار کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل ایمان اطاعت میں ہے تکلیف برداشت کرنے میں نہیں۔ قرآن نے نفس کا حق رکھا ہے چنانچہ نکاح کا بھی حکم دیا اور کھانے پینے کا بھی اور اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کا بھی۔ تحدیثِ نعمت نہ کرنا ناشکر گزاری ہے۔ باقی یہ کہنا کہ آجکل کا سفر آسان ہے بے معنی بات ہے قرآن خدائے عالم الغیب کا کلام ہے اور سب زمانوں کے لئے ہے۔ نیز اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ محض رخصت ہے تو بھی خدا کی رخصتوں سے فائدہ نہ اُٹھانا تکبّر کی علامت ہے اس کی حدود سے بچنا ہی بہتر ہے۔ حدیث میں آیا ہے انّ اللہ یحبّ ان توؔتٰی رخصہ کما یحبّ ان توؔتٰی عزائم (حدیث) یعنی اللہ تعالیٰ اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں کی اس کے اوامر کی طرح اطاعت کی جائے۔

یُطِیۡقُوۡنَ (اطاق۔ یطیق اطاقۃ) بابِ افعال میں سے ہے جس میں سلب ماخذ کے معنی پائے جانے جائز ہیں۔

اگر یُطِیۡقُوۡنَہٗ کے معنی طاقت رکھنے کے کئے جائیں تو آیت کے معنی ہوں گے اور وہ لوگ جو طاقت رکھتے ہیں (وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے کی بجائے) اس کے بدلہ مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ ان معنوں کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ بعد کی آیت فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡکُمُ ... نے اِس آیت کو منسُوخ کر دیا ہے۔

ہم تو قرآن میں ناسخ منسُوخ کے قائل نہیں لیکن جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کو بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ ۲ دو آیات جن کی تنزیل میں وقفہ کا کوئی ثبوت نہیں آگے پیچھے آئی ہیں لیکن ایک دوسری کو منسُوخ کر رہی ہے۔ وہ لوگ جو ناسخ منسُوخ کے قائل ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ النسخ کلما کان اقل کان اولی کہ نسخ جتنا کم سے کم ہو بہتر ہے۔ پس کیوں نہ وہ معنی کئے جائیں جن میں نسخ لازم نہیں آتا۔

اِس آیت کی دوسری قرائتیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

یُطَوَّقُوۡنَہٗ : یجعل کالمطوق فی اعناقھم

یَطَّوَّقُوۡنَہٗ : یَتَطَوَّقُوۡنَہٗ

یُطَیِّقُوۡنَہٗ : یُطَیۡوَقُوۡنَہٗ

یَطَّیَّقُوۡنَہٗ : یَتَطَیۡوَقُوۡنَہٗ

(تاج۔ قاموس۔ لسان)

ان تمام قرائتوں کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں یُکلّفونہ۔ یُجشّمونہ یعنی اس میں تکلیف محسوس کریں۔

شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ہُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡہُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡکُمُ الشَّہۡرَ فَلۡیَصُمۡہُ ؕ وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ اُس قرآن کا جو
لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور انہیں ہدایت کی راہوں کے
واضح نشان بتلاتا ہے اور حق کو باطل سے جُدا کرتا ہے۔ پس تم میں
سے جو کوئی اِس مہینہ کو پائے سارا مہینہ روزے رکھے۔ البتہ جو
مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے پُورے
کرے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ وہ تمہارے لئے تنگی نہیں
چاہتا۔ اُس نے یہ احکام اِس لئے نازل کئے ہیں تاکہ تم روزوں کی
گنتی پوری کرو اور اس ہدایت کے باعث جو اس نے تمہیں دی
ہے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شُکر ادا کرو ◉

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ : اجمعوا علیٰ ان الفعل المعلل محذوف (رازی بیضاوی و روح البیان)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۷﴾

اے رسُول! اگر میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں
بتلا دے کہ مَیں قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے
تو مَیں اس کی پکار سُنتا ہوں۔ پس میرے بندوں پر واجب ہے

کہ میرے احکام کی اطاعت کریں اور مجھ پر بھروسہ کریں تاکہ وہ
ہدایت کی راہوں کو پالیں ۞

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اے مومنو! روزوں کی راتوں میں تمہارا اپنی عورتوں کے پاس
جانا جائز ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ کو
معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کا حق ادا نہیں کرتے تھے سو
اُس نے تم پر رحم کے ساتھ رجوع کیا اور تمہارے لئے آسانی

پیدا کر دی۔ سو اب تم بے شک ان سے خلوت کرو اور اللہ نے جو نعمتیں تمہارے لئے مقرر کر رکھی ہیں ان کو طلب کرو۔ اور تم شوق سے کھاؤ پیو حتیٰ کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ اور جب تم روزہ رکھ لو تو اُسے رات پڑے تک پُورا کرو۔ اور جب تم مساجد میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے خلوت نہ کرو۔ یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ ان حدود کے قریب مت جاؤ۔ جس طرح اللہ نے تمہیں یہ احکام کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ اسی طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ●

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ: یہ جملہ جَوَامِعُ الْكَلِم میں سے ہے اور ایک بہت وسیع مضمون کو بیان کرتا ہے۔

لباس کے مختلف فوائد ہوتے ہیں:-

۱۔ یہ ستر کا کام دیتا ہے چنانچہ فرمایا:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (۷: ۲۷) وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا (۲۵: ۴۸) اِس اعتبار سے آیت کے معنے ہوئے کہ وہ تمہیں فسق و فجور سے بچاتی ہیں اور تم ان کو۔ گویا اَیِّم ہونے کی حالت عریانی کی حالت کے مشابہ ہے۔

۲۔ اس سے یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ تمہارا کام ایک دوسرے کے عیوب کی ستاری کرنا ہے۔

۳۔ لباس موسم کی حدت اور شدت سے بچاتا ہے اور جسم کو آرام دیتا ہے چنانچہ قرآن نے رات کو لباس بھی کہا ہے (۲۵: ۴۸) اور باعثِ تسکین بھی (۱۰: ۶۸) اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوئے کہ تمہارا فرض ہے کہ ایک دوسرے کو راحت دو اور ایک دوسرے کی غمخواری کرو۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ کو اوّلیت دے کر یہ بتلایا ہے کہ مرد کو باہر کی گرمی سختی برداشت کرنا پڑتی ہے عورت کو چاہیئے کہ جب وہ گھر میں آئے تو اس کے لئے راحت اور سکینت کا موجب بنے۔ اسی مضمون کو دوسری جگہ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا (۳۰: ۲۲) کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔

۴۔ لباس زینت کا کام بھی دیتا ہے جیسا کہ فرمایا اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (۷ : ۲۷) گویا عورت مرد کو مزین کرتی ہے اور مرد عورت کو۔ اِس مضمون کو دوسری جگہ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (۲۵ : ۵۵) کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نکاح کے نتیجہ میں مرد اور عورت دونوں کا حُسن نکھرتا ہے۔

۵۔ لباس کے متعلق ہر قوم اور ہر ملک کی پسند اپنی اپنی ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (۷ : ۲۷) کہ تمہارے لئے تقویٰ کا لباس سب سے بہترین لباس ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے وَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ کہ تو نکاح کرتے وقت سب سے زیادہ جس چیز کو اہمیت دے وہ تیرے زوج کی دینی حالت ہے۔ اِس اعتبار سے اس آیت کے معنی ہوئے: وہ تمہارے تقویٰ میں بڑھنے کا باعث بنتی ہیں اور تم ان کے تقویٰ میں بڑھنے کا باعث بنتے ہو۔

۶۔ عربی محاورہ میں لباس کا لفظ کسی چیز کے محیط ہو جانے اور چھا جانے پر بھی بولتے ہیں جیسا کہ فرمایا فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۱۶ : ۱۱۳) کہ بستی کے مکینوں کی بدعملی کے نتیجہ میں اللہ نے اس بستی کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزا چکھایا یعنی ان پر بھوک اور خوف کو مسلّط کر دیا۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: کہ تم ایک دوسرے پر محیط اور مسلّط ہوتے ہو یعنی گہرا اثر ڈالتے ہو۔

۷۔ لَابَسَ يُلَابِسُ (مصدر مُلَابَسَةٌ اور لِبَاسٌ) کے معنی ہیں وہ اس سے گھل مل گیا۔ اُسنے اس سے گہرے تعلقات رکھے۔ اس کی دلی اور اندرونی حالت سے واقف ہؤا۔ اس اعتبار سے معنی ہوئے: کہ تم ایک دوسرے کے رازداں ہو۔ تمہارے آپس میں گہرے تعلقات ہیں۔ تم ایکدوسرے سے گھل مل کر رہتے ہو۔

۸۔ اس میں اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (۴ : ۲۲) کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اگرچہ لباس انسان کو دوسروں کی نگاہ سے ڈھانپ دیتا ہے خود اس کے اور لباس پہننے والے کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

۹۔ لَبِسَ امْرَاَةً کے معنے ہیں اُس نے عورت سے دراز مدّت تک حظ اُٹھایا یا اس کی خدمت سے فائدہ حاصل کیا۔ لَبِسَ اَبَاهُ کے معنے ہیں اس نے اپنے باپ کے ساتھ ایک دراز مدت تک خوشگوار

زندگی گذاری (لین) اِس اعتبار سے آیت کے معنے ہوئے کہ تم ایک دوسرے کے لئے حظ اور خوشی کا باعث بنتے ہو۔ ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہو۔

عَفَا عَنْكُمْ: عفو کے معنی تسہیل کے بھی ہیں (رازی۔ شوکانی)

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ: عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اگر غایت اور مغیّٰہ ایک ہی جنس سے ہوں تو غایت مغیّٰہ کے حکم میں شامل ہوتی ہے۔ مثلاً وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ میں اَيْدِيْ (مغیّٰہ) اور مَرَافِقِ (غایت) دونوں ایک ہی جنس سے ہیں اِس لئے دھونے میں مرافق بھی شامل ہیں لیکن اگر مغیّٰہ اور غایت ایک جنس سے نہ ہوں تو غایت مغیّٰہ کے حکم میں شامل نہیں ہوتی۔ اس آیت میں صِیَام (مغیّٰہ) اور لَیْل (غایت) مختلف الجنس ہیں۔ لہذا آیت کے معنی ہوں گے کہ رات کا کوئی حصہ روزہ میں شامل نہیں اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے کہیں کہ زید دیوار تک چلا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے دیوار کو یا اس کے کسی حصّہ کو عبور نہیں کیا۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ ع ۲۳/۷

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ اور لوگوں کے مال کا کوئی حصہ ناجائز کھانے کی غرض سے یہ جانتے بوجھتے کہ تمہارا کوئی حق نہیں مقدمات حکام کے پاس نہ لے جاؤ ◉

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اے رسُول! لوگ تجھ سے چاند کی حالتوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ یہ لوگوں کے وقت ناپنے کا اور حج کے اوقات معلوم کرنے کا آلہ ہیں۔

مومنو! یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے سے داخل ہو۔ نیکی تو اس شخص کی نیکی ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ پس تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم اپنی مُراد پالو ◉

اَهِلَّة، هِلَال کی جمع ہے۔ اِس جگہ چاند کی مختلف حالتوں کو مجازاً مختلف چاندوں سے تعبیر کیا ہے۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں:-

وجمعها باعتبار هلال كل ليلة تنزيلا لاختلاف الاوقات مَنزِلة اختلاف الذوات

اگر اَهِلَّة سے مراد خود چاند لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ تمام نئے چاند مل کر مواقیت کا کام دیتے ہیں یعنی ان کے ذریعہ سے انسان قمری اعتبار سے سال اور مہینے معلوم کرتا ہے۔

اِس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیشک نئے چاند یا چاند کی مختلف حالتیں مواقیت کا کام تو دیتی ہیں لیکن یہ مواقیت الحج کیونکر ہیں۔

ظاہر ہے کہ حج کی تاریخیں چاند کی تاریخوں کے ساتھ مقرر کی جاتی ہیں۔ پس جہاں چاند کی مختلف حالتیں یا مختلف قمری مہینے دوسرے حساب کتاب کا علم دیتے ہیں وہاں حج کے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

اِس آیت میں ایک اور بڑا نکتہ ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ بعض دفعہ دو اسماء آگے پیچھے آتے ہیں اور پہلے اسم کے لئے ایک فعل آتا ہے اور دوسرے اسم کے لئے اس کے مطابق فعل نہیں آتا

مثلاً کہتے ہیں جَاءَ مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وَرُمْحًا اب اس کے لفظی معنی ہیں کہ وہ آیا جبکہ اس کے گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی اور بھالا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ بھالا گلے میں نہیں لٹکایا جاتا بلکہ ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے لیکن اختصار اور سہولت کی خاطر اٰخِذًا کا لفظ مقدر رکھا گیا ہے۔ اِس اعتبار سے اس جگہ آیت کی تقدیر ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَاِشْعَارٌ لِلْحَجِّ لی جانی جائز ہے۔ گویا یہ فرمایا ہے کہ دیکھو! ہر ایک نیا چاند اگرچہ ایک مہینہ کی مسافت کے بعد دوبارہ اَلْعُرْجُوْنَ الْقَدِیْمِ (۳۶ : ۴۰) کی حالت کو پہنچتا ہے لیکن باوجود اس کے اس کی غایت اور اس کا مقصد بعینہٖ وہی رہتا ہے جو کہ پہلے تھا یعنی ہمیشہ زمین کے گرد گھومنا اور اپنا چہرہ زمین کی طرف رکھنا۔ پس چاند کے اس فعل میں حج کے اشعار ہیں یعنی جس طرح چاند اپنے تمام سفر میں اپنا مُنہ زمین کی طرف رکھتا ہے حتّٰی کہ اس وقت بھی اس کا مُنہ زمین کی طرف ہوتا ہے جبکہ وہ زمین سے بہت دُور ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسجدِ حرام کو اپنا مرکز بنائے رکھیں اور ہمیشہ اسی کی طرف اپنے مُنہ کریں۔ جب وہ حج کے لئے آئیں تو بھی ان کا مُنہ مسجدِ حرام کی طرف ہو اور جب حج کر کے چلے جائیں تو بھی ان کا مُنہ مسجدِ حرام کی طرف رہے۔ گویا ایک نہایت لطیف انداز سے وحدتِ مرکزی کے مضمون کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وحدتِ مرکزی کا اصول زمین و آسمان میں رائج ہے۔ اگر تم اس اصول پر قائم رہو گے تو تمہاری ترقی ہو گی لیکن اگر تم اس اصول کو توڑو گے تو تم اس نظام کو درہم برہم کرنے والے ہو گے جس کو ہم قرآن کے ذریعہ سے قائم کر رہے ہیں۔ اِس مضمون کو دوسری جگہ قرآن مجید نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (۲ : ۱۵۰)

لَیْسَ الْبِرُّ ... الخ کے مندرجہ ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں:۔

یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم معاملات کو اُلٹے طریق سے سلجھاؤ۔ نیکی تو اس شخص کی نیکی ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا معاملات کو سیدھے طریق سے سلجھاؤ۔ (بیضاوی)

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تم اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو
لیکن زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا ◉

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۳﴾

تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا
ہے تم ان کو نکال دو۔ یاد رکھو کہ فتنہ و فساد قتل سے بدتر
جُرم ہے۔ البتہ مسجدِ حرام کے نواح میں ان سے لڑائی نہ کرو
جب تک کہ وہ خود وہاں تم سے لڑائی نہ کریں۔ ہاں اگر وہ
اس کے نواح میں تم سے لڑائی کریں تو تم ان کو تہ تیغ کر دو۔
کافروں کی یہی سزا ہے۔ لیکن اگر وہ لڑائی سے باز آ جائیں تو
جان لو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے ◉

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور تم ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور
اللہ کا قانون جاری ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے
سوا کسی اور پر گرفت جائز نہیں ◉

وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ: یعنی وہ قانون جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نافذ کیا ہے کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کُفر کی راہ اختیار کرے (۱۸ : ۳۰) اور دین میں کوئی جبر نہ ہو (۲ : ۲۵۷) جاری ہو جائے۔

دین کے معنی جزا سزا کے بھی ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جزا سزا کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

ماہِ حرام کا احترام نہ کرنے کی سزا ماہِ حرام میں ہے۔اور تمام حُرمت
والی چیزوں کا قصاص واجب ہے۔ پس جو شخص تم پر زیادتی کرے
تم اس کی زیادتی کے مطابق اس کو سزا دو۔ لیکن ہر حال میں اللہ
کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ◉

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ صلے وَاَحْسِنُوْا ج اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں

نہ ڈالو۔ اور نیکی اختیار کرو کہ اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے ◉

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

اور حج اور عمرہ اللہ کی رضا کی خاطر کرو۔ اور اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو قربانی تمہیں میسّر آئے کرو۔ اور جب تک قربانی اپنی جگہ تک نہ پہنچے سر نہ منڈواؤ۔ اور اگر کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو اور اس کو احرام ہی میں سر منڈوانا پڑ جائے

تو وہ اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔
اور جب تمہیں امن میسّر ہو اور تم حج کے لئے پہنچ جاؤ تو جو شخص
حج کے ساتھ ساتھ عمرہ کا ثواب بھی حاصل کرنا چاہے تو جو قربانی اسے
میسّر ہو کرے۔ لیکن جسے قربانی میسّر نہ ہو وہ حج کے ایّام میں تین
روزے رکھے اور واپس پہنچ کر سات۔ یہ ہو جائیں گے پورے دس۔
یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے اہل و عیال مسجدِ حرام
کے نواح میں نہ رہتے ہوں۔ لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور
جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ◉

فَفِدْيَةٌ ۔۔۔ الخ: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اِس صورت میں تین روزے رکھنے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانے یا ایک جانور قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔
فَمَنْ تَمَتَّعَ: ف محذوف عبارت پر دال ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۞ ۱۹۸

حج کے مہینے معروف و معلوم ہیں۔ جو کوئی ان مہینوں میں اپنے اوپر
حج فرض کر لیتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ حج کے دَوران نہ کوئی
فحش کلامی، نہ گناہ کی کوئی بات اور نہ کوئی جھگڑا جائز ہے۔ یقیناً
جو نیکی بھی کہ تم بجا لاؤ اللہ اسے جانتا ہے۔ اور جب تم حج

کے لئے نکلو تو زادِ راہ لے کر نکلو۔ لیکن یاد رکھو کہ سب سے بہتر
زادِ راہ تقویٰ ہے۔ پس اے اہلِ خرد میرا تقویٰ اختیار کرو ◉

حج کے معروف مہینے شوال، ذیقعد اور ذوالحج ہیں۔ بعض کے نزدیک ذوالحج کے صرف پہلے نو دن اور بعض کے نزدیک دس دن ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک پورا ذوالحج ہے (بیضاوی)

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جب تم حج کے لئے نکلو تو تقویٰ کو اپنا زادِ راہ بناؤ اور یاد رکھو کہ یہی بہترین زادِ راہ ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۹﴾

یہ کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تم حج کے دوران تجارت وغیرہ کے ذریعہ اپنے ربّ کا فضل تلاش کرو۔ اور جب تم عرفات سے گروہ در گروہ لوٹو تو مشعرالحرام کے قریب اللہ کا ذکر کرو۔ تم اس کا ذکر اس لئے کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ورنہ اس سے پہلے تم گمراہوں کے زمرہ میں شامل تھے ◉

مَشْعَرِ الْحَرَامِ سے مراد مزدلفہ ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ : والکاف للتعلیل (جلالین، اقرب، منجد) اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں: تم اس کا ذکر اس طریق پر کرو جس کی اُس نے تمہیں ہدایت دی۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اے قریش ! جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں تم بھی لوٹو۔ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ◉

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ : قریش اور ان کے حلفاء حمس کا دستور تھا کہ وہ حج کے وقت مزدلفہ وقوف کرتے تھے اور عرفات جہاں باقی لوگ جاتے تھے نہیں جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ میں سے ہیں اور حرم کے رہنے والے ہیں اس لئے ہم حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ اسکے برعکس باقی عرب لوگ حضرت ابراہیم کی سُنّت میں عرفات وقوف کرتے تھے۔ اس جگہ قریش کو حکم دیا ہے کہ تم بھی عرفات وقوف کرکے وہاں سے لوٹو جیسا کہ باقی لوگ لوٹتے ہیں۔ (رازی، شوکانی وروح البیان)

اَفِیْضُوْا کا حکم عام بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ سے مراد وہ جگہ ہوگی جہاں سے سابقہ لوگ یعنی ابراہیم اور اسمٰعیل وغیرھما لوٹتے تھے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنے ہونگے: اور جہاں سے پہلے لوگ لوٹتے تھے تم بھی وہاں سے لوٹو.... (رازی وشوکانی)

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۲﴾

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٣﴾

اور جب تم ارکانِ حج پُورے کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے تھے اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر۔
کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہمیں ہمارا نصیب اسی دُنیا میں دیدے۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہمیں اِس دُنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کا ثواب پائیں گے۔ یقیناً اللہ ان کا حساب بہت جلد چُکا دے گا

عربوں کا دستور تھا کہ حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد منیٰ میں قیام کرتے اور اپنے باپ دادا کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے۔ قرآن نے اِس رسم کو بند کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی بجائے خدائے عزّوجل کا ذکر اسی بلکہ اس سے بڑھ کر ذوق و شوق سے کیا جائے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٤﴾

مومنو! گنتی کے مقررہ دنوں میں اللہ کا ذکر کرو لیکن اگر کوئی جلدی کرے اور دُو دن ہی میں واپس چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی زیادہ ٹھہر جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ

نہیں۔ یہ رعایت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے
ہیں۔ لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے حضور
جمع کئے جاؤ گے ◉

مقررہ دنوں سے مُراد ایّام التشریق یعنی ۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحج ہیں۔
لِمَنِ اتَّقٰى: خبر مبتدا محذوف (رُوح البیان)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۵﴾

بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن کی دُنیاداری کی باتیں تجھے بہت بھلی
لگتی ہیں۔ وہ اپنی قلبی کیفیّات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ لیکن
حقیقت یہ ہے کہ وہ تیرے سخت ترین دشمن ہیں ◉

قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ ایسی باتیں جن کا مقصد محض حصولِ دُنیا
ہے یا ایسی باتیں جن کا تعلق دُنیوی اُمور سے ہے۔ (بیضاوی)

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۶﴾

باوجود اِس بات کے کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا جب وہ تیرے
پاس سے لوٹتے ہیں تو ملک میں فساد بپا کرنے اور کھیتوں اور نسل
کو تباہ کرنے کے لئے تگ و دَو کرتے ہیں ◉

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ

جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۷﴾

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو جھوٹی عزّت کا احساس ان کو گناہ پر قائم کر دیتا ہے۔ ان کے لئے جہنّم کافی ہے۔ کیا ہی بُرا ہے یہ ٹھکانہ ! ◉

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۸﴾

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جانوں کا سودا کر لیتے ہیں۔ اللہ ایسے بندوں پر بہت مہربان ہے ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۹﴾

مومنو! پوری پوری فرمانبرداری اختیار کرو اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ وہ تمہارا کھُلا کھُلا دشمن ہے ◉

كَآفَّةً: حال من السلم۔ ای فی جمیع شرائعہ (جلالین وبیضاوی)۔ کَآفَّۃً، اٰمَنُوا کی ضمیر کا حال بھی ہو سکتا ہے (بیضاوی) اِس صورت میں معنی ہوں گے: مومنو! تم تمام کے تمام فرمانبرداری اختیار کرو۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۱۰﴾

اگر ان تمام روشن نشانات کے باوجود جو کہ تمہارے پاس آئے ہیں
تمہارے پائے استقلال میں لغزش آ گئی تو تم سزا سے بچ نہیں
سکو گے۔ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کی ہر بات میں
حکمت ہے ◉

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ : لايعجزه الانتقام (بیضاوی۔جلالین وروح البیان)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ
الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿٢١١﴾ ع ۲۵

کیا وہ لوگ جو اطاعت کی راہ اختیار نہیں کرتے اس بات کی
انتظار میں ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایہ میں
ان پر نازل ہوں اور معاملہ چکا دیا جائے۔ اگر یہی بات ہے تو
ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام امور کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے
ہاتھ میں ہے ◉

هَلْ يَنْظُرُوْنَ : من يترك الدخول فى السلم (روح البیان وجلالین)

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَ
مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١٢﴾

ذرا بنی اسرائیل سے پوچھ۔ ہم نے انہیں کتنے روشن نشان دیئے۔ لیکن
جو لوگ اللہ کی نعمت پانے کے بعد اسے ہدایت کی بجائے گمراہی کا
سبب بنالیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت
ہے ◉

يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ: تبديلهم اياها۔ ان الله اظهرها لتكون اسباب هدٰهم فجعلوها اسباب ضلالتهم (روح البيان) یعنی نعمت بدلنے کے یہ معنی ہیں کہ اسے ہدایت کی بجائے گمراہی کا سبب بنا لیا جائے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۳﴾

کافر دُنیوی زندگی کے فریفتہ ہیں۔ وہ مومنوں کی بے بضاعتی پر اُن
سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں قیامت کے
دن ان پر فائق ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے ◉

يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: لفقرهم (جلالين)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ

فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۴﴾

شروع میں تو سب لوگ ایک ہی اُمّت تھے لیکن ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ سو اللہ نے انبیاء بھیجے تا کہ ان کو یکجہتی کی بشارت دیں اور اختلافات کے نتائج سے ڈرائیں۔ اور اس نے ان کے ساتھ سچائی پر مشتمل کتاب بھیجی تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے۔ لیکن کھُلے کھُلے نشان آ چکنے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے انہی لوگوں نے کہ جنہیں سچائی دی گئی تھی سچائی کے بارہ میں اختلاف کیا۔ پر اللہ نے اپنے حکم سے مومنوں کو اس سچائی کی طرف ہدایت کی جس کے بارہ میں لوگ اختلاف کر رہے تھے۔ یقیناً اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے ◉

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ: فاختلفوا فبعث اللّٰہ وانّما حذف لدلالة قوله فيما اختلفوا فيه (بیضاوی وروح البیان)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۵﴾

مومنو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم ان آزمائشوں میں سے نہیں گزرے جن میں سے پہلے لوگ گذر چکے ہیں۔ ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ جھنجھوڑے گئے حتّٰی کہ وقت کا رسول اور مومن پکار اُٹھے "اللہ کی مدد کب آئے گی" عین اس وقت آواز آئی کہ اللہ کی مدد قریب ہے ◉

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۶﴾

اے رسولؐ! لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ تُو ان سے کہہ دے کہ اپنی نیک کمائی میں سے خرچ کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ اپنی نیک کمائی میں سے تم جو بھی خرچ کرتے ہو اس کے حقدار تمہارے والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو نیک کام بھی تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ میں یہ مضمون شامل ہے کہ انفقوا من خیر۔ کشاف۔ بیضاوی۔ رازی اور روح البیان کہتے ہیں قد تضمن قوله ما انفقتم من خير بان ماينفقونه خیر کے معنی ہیں اچھا مال یا زیادہ مال یا ایسا مال جو احسن طریق سے حاصل کیا گیا ہو۔ (لین)

كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰٓى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰٓى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۷﴾ ع ۲۶/۱۰

اگرچہ تمہیں لڑائی ناپسند ہے یہ تم پر فرض کی گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو۔ اور بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ کونسی چیز تمہارے لئے اچھی ہے اور کونسی بُری۔ مگر تم نہیں جانتے ◉

يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ ؕ قُلۡ قِتَالٌ فِيۡهِ كَبِيۡرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَكُفۡرٌۢ بِهٖ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَاِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَكۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَالۡفِتۡنَةُ اَكۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ ؕ وَلَا يَزَالُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ حَتّٰى يَرُدُّوۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِكُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا ؕ

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۸﴾

یہ لوگ تجھ سے ماہِ حرام کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کے متعلق کیا حکم ہے۔ کہہ : اس میں لڑنا گناہ کبیرہ ہے لیکن اللہ کا کُفر کرنا اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے روکنا اور حرم کے مکینوں کو حرم سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑھ کر جرم ہے۔ یقیناً فتنہ و فساد کا جرم قتل سے سنگین تر ہے۔

یہ لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے باز نہیں آئیں گے تا کہ اگر ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ لیکن یاد رکھو کہ تم میں سے جو لوگ ارتداد کی راہ اختیار کریں گے اور کُفر کی حالت میں مریں گے۔ ان کے اعمال دُنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہیں گے ●

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ : حتّٰی للتعلیل کقولك اعبد اللہ حتّٰی ادخل الجنّة (بیضاوی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٩﴾

وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔وہ دیکھیں گے کہ اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنیوالا ہے ●

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٢٠﴾

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢١﴾

اے رسول! یہ لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔کہہ: ان کی تہہ میں کبیرہ گناہ پوشیدہ ہیں اور ان میں لوگوں

کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔لیکن ان کا گناہ ان کے فوائد سے بہت زیادہ ہے۔

اور یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ کہہ: جو تمہاری ضرورت سے فاضل ہو۔ یوں اللہ اپنے احکام تمہیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دُنیا اور آخرت کے بارہ میں غور وفکر سے کام لو۔

اور یہ لوگ تجھ سے یتیموں کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔ کہہ: اچھی بات تو یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی بھلائی مدِنظر رکھی جائے۔ اگر تم ان سے مِل جُل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔لیکن یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے کہ کون کوئی کام فساد کی نیّت سے کرتا ہے اور کون اصلاح کی نیت سے۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہارے لئے سخت قانون بنا دیتا۔لیکن اگرچہ اللہ ہر بات پر قادر ہے اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ ۵ ۱۱

مومنو! مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح نہ کرو۔ ایک مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو اللہ کی مومن بندی بہت بہتر ہے۔ اسی طرح اپنی عورتوں کے نکاح مشرکوں سے مت کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مشرک مرد سے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو اللہ کا مومن بندہ بہت بہتر ہے۔ مشرک تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں لیکن اللہ تمہیں سہولتیں بہم پہنچا کر جنّت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے احکامات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ●

اس آیت میں تقابل ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مومن لونڈی اور مومن غلام آزاد مشرک اور آزاد مشرکہ سے بہتر ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی مومن بندیاں اور مومن بندے مشرکوں سے بہتر ہیں اوّل الذکر معنوں میں آزاد کا لفظ لفظاً بیان نہیں ہوا۔ لونڈی اور غلام کے تقابل کی وجہ سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ مؤخّر الذکر معنوں میں مشرک کے تقابل کی وجہ سے اَمَۃ اور عبد سے اللہ کے بندے اور بندیاں مراد لئے جائیں گے۔ کشاف اور بیضاوی نے مؤخر الذکر معنی کئے ہیں۔

بِاِذْنِہٖ: بتوفیقہٖ وتیسیرہٖ (بیضاوی)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اے رسُول! لوگ تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ حیض میں عورتوں کے ساتھ اختلاط کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ کہہ: حیض ایک مضرّت ہے۔ پس حیض کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ البتہ جب وہ نہا دھو کر پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس اس طریق سے آؤ جس طریق سے آنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ یاد رکھو! اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں اور پھر اُن سے محبت کرتا ہے جو پاک صاف رہتے ہیں ◉

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُم مُّلٰقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۴﴾

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ تم اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ۔ بہرحال اپنی عاقبت کا سامان کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ جان لو کہ ایک دن تمہیں اس کے حضور پیش ہونا ہے۔ اے رسول! مومنوں کو نیک انجام کی خوشخبری دے ◉

وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ اِس شغل میں اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ۔

۲۔ عورتوں کے ساتھ ایسا حُسنِ سلوک کرو کہ تمہاری عاقبت سنور جائے۔

۳۔ ان کے ذریعہ اپنے بعد اولادِ صالح کا سامان کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا

وَ تُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

لوگو! اپنی ایسی قسموں کے سبب کہ تم نیک کام نہیں کروگے، تقویٰ اختیار نہیں کروگے یا لوگوں کے درمیان صُلح نہیں کرواؤ گے اللہ کے نام کو ڈھال نہ بناؤ۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سُنتا سب کچھ جانتا ہے

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَ لٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ البتہ ان پر مواخذہ کرے گا جن پر تمہارے دل قائم ہوگئے۔ تاہم اللہ بہت درگذر کرنے والا سزا دینے میں دھیما ہے

بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ: یعنی کسی نیکی نہ کرنے کی قسم کھاکر اس پر دِل وجان سے قائم ہوگئے یا کسی نیکی کرنے کی قسم دِل وجان سے کھاکر اس سے منحرف ہوگئے۔

لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۷﴾

وَ اِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۸﴾

جو لوگ اپنی عورتوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھالیتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کی مُہلت ہے۔ اگر وہ اس مُہلت کے اندر رجوع کرلیں

تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔
لیکن اگر وہ طلاق کا فیصلہ کرلیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ
اللہ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے ◉

یعنی مظلوم کی فریاد سنتا ہے ظالم کا ظلم دیکھتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۹﴾ ع ۲۸ ۱۲

مطلقہ عورتیں تین حیض آنے تک اپنے آپ کو نکاح ثانی سے روکیں۔ اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ جو کچھ اللہ نے ان کے بطنوں میں پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔ اور ان کے خاوند بشرطیکہ ان کا مقصد درستی احوال ہو اِس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ اس مدت میں انکو اپنی زوجیت میں واپس لے لیں۔ اگرچہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے قانون کی نظر میں عورتوں کے حقوق

ان کے فرائض کے برابر ہیں۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات پر قادر ہے
اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

یَـتَرَبَّصْنَ : خبر بمعنی الامر (بیضاوی) یعنی اگر تم اس کے حکیمانہ قوانین کی پابندی نہیں کرو گے تو وہ تم سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

طلاق رجعی دو دفعہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد خواہ تم عورت کو اچھے طریق سے اپنے پاس رکھو یا حُسنِ سلوک سے رخصت کر دو۔ اگر تم ان کو رخصت کرو تو تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کوئی چیز واپس لو۔

ہاں اگر میاں بیوی دونوں یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے قوانین کا پاس نہیں کر سکیں گے اور اگر تم بھی یہ سمجھو کہ وہ اللہ کے قوانین کا پاس نہیں کر سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت

اپنی خلاصی فدیہ دے کر کروا لے۔ یہ اللہ کے قوانین ہیں ان سے باہر
مت جاؤ۔ یاد رکھو! جو لوگ اللہ کے قوانین سے باہر جاتے ہیں
وہی حقیقی ظالم ہیں ◉

اَلطَّلَاقُ میں ال عہد کے لئے ہے یعنی التطلیق الرجعی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاقیں دینے کے بعد یا تو طلاق دینے والا طلاق سے رجوع کرے اور عورت کو حسنِ سلوک سے اپنے پاس رکھے یا پھر تیسری طلاق دے کر جو کہ بَتّہ ہو گی اس کو رخصت کر دے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ میں خطاب معاشرہ کو ہے جو کہ اپنے قاضیوں کے ذریعے عمل (ACT) کریگا۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۱﴾

اگر خاوند دو طلاقوں کے بعد پھر طلاق دیدے تو اس کے بعد وہ
عورت اس کے لئے حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند
سے نکاح نہ کر لے۔ پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دیدے تو اس پر
اور اس کے پہلے خاوند پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ آپس میں رجوع
کر لیں بشرطیکہ انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کے قانون کا پاس کرینگے۔
یہ اللہ کے قوانین ہیں وہ انہیں اہلِ علم کے لئے کھول کھول کر بیان
کرتا ہے ◉

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ
ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ
بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣٢﴾ ع

ع ۲۹ ۱۳

جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدّت پوری ہونے کو آئے تو یا تو انہیں اچھے طریق پر روک لو یا اچھے طریق سے رخصت کر دو۔ لیکن انہیں اس نیّت سے مت روکو کہ تم انہیں تکلیف پہنچاؤ اور ان پر زیادتی کرو۔ یاد رکھو! جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا۔

اللہ کے احکام کو کھیل مت بناؤ۔ اور اللہ کی اس نعمت کو جو تمہیں دی گئی ہے اور کتاب اور حکمت کو جو تمہاری نصیحت کی خاطر تم پر نازل کی گئی ہے یاد رکھو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یقین جانو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ◉

نعمت سے یہاں مُراد ہدایت ہے۔

یَعِظُکُمْ بِہٖ : حال من فاعل انزل۔ ای وما انزل علیکم واعظابہ لکم (روح البیان)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم میں سے بعض لوگ عورتوں کو طلاق دے دیں اور وہ اپنی عدّت پوری کرلیں تو انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے مت روکو بشرطیکہ وہ دونوں باہم راضی ہوں اور حُسنِ معاشرت انکا مقصد ہو۔ تم میں سے جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر اس حکم کی پابندی فرض ہے۔

اگر تم مذکورہ احکام پر عمل کروگے تو یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہوگی اور تمہاری آلائشوں کو دھو ڈالے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا بہتر ہے لیکن تم نہیں جانتے ◉

اَزْوَاجَهُنَّ سے مُراد پہلے یا نئے خاوند ہیں۔ رُوح البیان کہتا ہے فالزوجیة اما باعتبار ما کان و اما باعتبار ما یکون ۔ مجازِ مُرسل کی ایک قسم یہ ہے کہ کسی چیز کو وہ نام دیں جو اس کا زمانہ ماضی میں تھا۔ اسے تسمیة الشئ باسم الشئ الذی کان ھو علیه فی الزمان الماضی کہتے ہیں۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ کسی چیز کو وہ نام دیں جو اس نے مستقبل میں پانا ہے۔ اسے تسمیة الشئ باسم مایؤل الیه ذٰلك الشئ فی الزمان المستقبل کہتے ہیں (مختصر المعانی صفحہ ۳۰۳)

معروف کے معنے ہیں جانی پہچانی چیز، قانون، قاعدہ، شرع، دستور، حُسنِ معاملہ، حُسنِ معاشرت ،

اچھا طریق۔

بِالْمَعْرُوْفِ : تَرَاضَوْا کا حال بھی ہو سکتا ہے اور مصدر محذوف کی صفت بھی اور متعلق بہ فعل یَنْکِحْنَ بھی (املاء)

اگر اسے تراضوا کا حال لیا جائے تو اس کے معنی ہوئے کہ ان کا باہم راضی ہونا بھلے طریق سے ہو اور اس کا مقصد حُسنِ معاشرت ہو صرف اپنی ناک رکھنا یا کسی دوسری غرض کا پورا کرنا نہ ہو۔

اگر اسے مصدر محذوف کی صفت لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے تراضیا کائنا بالمعروف یعنی ان کا باہم راضی ہونا بھلائی کے طور طریق سے ہو اور اس کا مقصد حُسنِ معاشرت ہو۔ اِن معنوں اور پہلے معنوں کی تفصیل میں کوئی فرق نہیں صرف زور پیدا کرنے کے لئے مصدر محذوف مان لیا گیا ہے۔

اگر اسے یَنْکِحْنَ سے متعلق لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ اگر وہ معروف طریق سے یعنی قانون کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو انہیں مت روکو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم طلاقِ بتّہ جس کا ذکر آیت ۲۳۱ میں کیا گیا ہے سے متعلق نہیں۔ اس کا تعلق طلاقِ رجعی سے ہے جس کا ذکر آیت ۲۳۰ میں کیا گیا ہے۔

اگر دو طلاقوں کے بعد عدّت پوری ہو جائے اور اس عرصہ میں مرد رجوع نہ کرے تو اگرچہ وہ تیسری طلاق جس کا ذکر آیت ۲۳۱ میں ہے نہ بھی دے تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسے طلاقِ بائن کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اگر خاوند نے تیسری طلاق نہیں دی اور عدّت گذر گئی ہے تو اگرچہ وہ خود بخود Unilaterally طلاق کو واپس نہیں لے سکتا دونوں میاں بیوی باہم رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں لیکن اگر خاوند تیسری طلاق دیدے تو طلاقِ بتّہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد صرف اسی صورت میں ان کا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے جب عورت کہیں اَور نکاح کر لے اور وہ شادی کامیاب نہ ہو اور دوسرے خاوند سے طلاق ہو جائے لیکن دوسری جگہ نکاح محض پہلے خاوند کے پاس واپس آنے کے لئے کرنا ناجائز ہے۔ بیضاوی کہتا ہے قد لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہٗ یعنی حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔

طلاقِ بتّہ کے بعد رجعت اِس لئے ممنوع کر دی گئی ہے تاکہ لوگ طلاق کو جسے کہ حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی وروحی جنانی نے ابغض الحلال فرمایا ہے ہنسی کھیل نہ بنا لیں۔ جب دو طلاقوں کے بعد

بھی مرد نے رجوع نہ کیا اور تیسری طلاق پر نوبت آن پہنچی تو بہتر یہی ہے کہ اب عورت دوسری جگہ شادی کرلے۔ ہاں اگر یہ شادی بھی ناکام ہو اور وہ دونوں اپنی غلطی کا احساس کرلیں تو دوبارہ شادی کرسکتے ہیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اگر باپ یہ چاہے کہ رضاعت کی مدّت پوری کی جائے تو مائیں اپنے بچّوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ باپ پر فرض ہے کہ ماں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق دے۔ کسی شخص پر اس کی

طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا جائے گا اور اگر باپ نہ ہو تو یہ ذمّہ داری وارث پر عائد ہو گی۔ نہ ماں کو اپنے بچّہ کی وجہ سے دُکھ دیا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچّہ کی وجہ سے دُکھ دیا جائے۔ اور اگر بچّہ کے ماں باپ باہم رضامندی اور مشورہ سے قبل از میعاد دُودھ چھڑانے کا فیصلہ کر لیں تو ایسا کرنے میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔

اور اگر تم اپنے بچّوں کو کسی دوسری عورت سے دُودھ پلوانا چاہو تو ایسا کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جو معاوضہ کہ تم نے دینا ہے وہ احسن طریق سے ادا کر دو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہے ۝

وَارِث اگر اسم جنس لیا جائے تو اس کے معنے تمام وارث ہوں گے۔

وارث سے مراد باپ کا وارث یعنی بچّہ بھی ہو سکتا ہے (بیضاوی) اِس اعتبار سے اس کے معنے ہوئے کہ ماں کا نان نفقہ بچّہ کی جائداد سے ادا کیا جائے گا۔

اس سے مراد بچّے کے وارث بھی ہو سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو کہ اگر بچّہ مر جائے تو اس کے وارث ہوں گے (رُوح البیان)

اسی طرح اس سے مراد متوفّی کے عصبات بھی ہو سکتے ہیں (روح البیان)

مطلق وارث کا لفظ استعمال کرنے میں یہ حکمت ہے کہ عدالت یہ ذمّہ داری کسی بھی وارث پر ڈال سکتی ہے لیکن ذمّہ داری ڈالتے وقت اسے یہ بات مدِّنظر رکھنی ہو گی کہ اوّل ذمّہ داری بچّہ کی جائداد پر ہو گی، پھر بچّے کے قریبی وارثوں پر اور پھر متوفّی کے عصبات پر کیونکہ فقہ کا اصول ہے کہ حق ادا کرنے کا حق پہلے اس شخص کا ہے جسے حق لینے کا پہلا حق ہے۔

لَا تُضَآرَّ: فعل نہی معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی۔ اگر اسے نہی معروف لیا جائے تو اس کی صورت یہ ہو گی کہ اصل میں لَا تُضَارِرْ تھا دو "ر" اکٹھے آنے سے ان میں ادغام ہو گیا اور پہلی "ر" دوسری میں مِل گئی اور دوسری التقائے ساکنین کے سبب متحرّک ہو گئی۔ اور چونکہ اس سے ماقبل فتح اور "ا" تھے اِس لئے اس تجالس کے سبب فتح کے ساتھ متحرّک ہوئی۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے لَا یَرْتَدِدْ

کی بجائے لَا یَرْتَدَّ کہیں جیسا کہ فرمایا مَنْ یَرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (المائدہ: ۵۵)

اِس اعتبار سے اس کے معنے یہ ہوئے: نہ ماں اپنے بچّہ کے ذریعے (یعنی اس کو دُکھ پہنچا کر) باپ کو دُکھ پہنچائے اور نہ باپ اپنے بچّے کے ذریعہ (یعنی اس کو دُکھ پہنچا کر) ماں کو دُکھ پہنچائے۔ "اپنے" کی اضافت اس لئے تکراراً لائی گئی ہے تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ اس طرح اوّل دُکھ تو وہ اپنے بچّہ کو پہنچا رہے ہیں۔

اگر اسے نہی مجہول لیا جائے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ یہ اصل میں لا تضارَرُ ہے۔ دو "ر" اکٹھے آنے سے ادغام ہوگیا اور تضارَّ پڑھا گیا۔

اِس اعتبار سے اس کے معنے یہ ہوئے: نہ ماں کو اپنے بچّہ کی وجہ سے (یعنی اس کی ممتا کی وجہ سے) دُکھ دیا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچّہ کی وجہ سے (یعنی اس کی محبت کی وجہ سے) دُکھ دیا جائے۔

اٰتَیْتُمْ کے لفظی معنے ہیں: دیدیا ہے۔ لیکن اِس جگہ ہم نے اس کے معنے دینا کئے ہیں۔ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمایا اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (النحل: ۹۹) یعنی جب تُو قرآن پڑھے (یعنی پڑھنے کا ارادہ کرے) تو (پہلے) تعوذ پڑھ لے۔ یا جیسا کہ فرمایا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ (المائدہ: ۷) یعنی جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو (یعنی پڑھنے کا فیصلہ کر لو) تو (پہلے) وضو کر لو۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۵﴾

تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑیں۔
ان کی بیویوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس

دن نکاحِ ثانی سے روکے رکھیں۔ اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں
اور احسن طریق سے اپنے بارہ میں کچھ کریں تو اس میں تم پر کوئی حرف
نہیں۔ یاد رکھو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

یاد رہے کہ تین سے دس تک اگر معدود مذکر ہو تو عدد مؤنث آتا ہے اور اگر مؤنث ہو تو عدد مذکر آتا ہے۔

عَشْرًا مذکر ہے پس اس کا معدود (محذوف) لَیَالٍ ہے۔ اِس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے عشرۃ کیوں نہیں کہا یعنی دس دن کی بجائے دس راتیں کیوں کہا۔ اس کے مفسرین نے کئی جواب دیئے ہیں

۱۔ عرب لوگ دن کا شمار رات کے شروع ہونے سے کرتے ہیں پس رات کی تغلیب کے باعث اس کا ذکر کیا ہے۔ (رازی)

۲۔ چونکہ یہ عدت ایامِ حزن کی ہے اس لئے اسے رات کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ (رازی)

۳۔ عرب ایسے موقع پر (یعنی جب معدود ملفوظ نہ ہو) کبھی عدد مؤنث استعمال نہیں کرتے۔ چنانچہ صُمْتُ عَشَرَۃً کبھی نہیں کہیں گے بلکہ صُمْتُ عَشْرًا کہیں گے حالانکہ روزہ دن کو رکھا جاتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (۲۰ : ۱۰۴) اور اس کے بعد آیا ہے یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (۲۰ : ۱۰۵)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ
اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ
وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا ۵ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۶﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں سے عدّت کے دَوران اشارے کنایے سے نکاح کی بات کرو یا اپنے مقصد کو اپنے دِل ہی میں پوشیدہ رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ تمہیں ضرور ان کا خیال آئے گا۔ پس اگرچہ تم اُن سے شائستہ طریق پر بات کر سکتے ہو اُن سے کوئی خفیہ عہد و پیمان نہ کرو۔ اور جب تک کہ عدّت کی میعاد پُوری نہ ہو جائے نکاح کا فیصلہ نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تمہارے دِلوں کے بھید جانتا ہے۔ پس اس سے ڈرو۔ اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا سزا دینے میں دھیما ہے ◉

اگر وہ تم سے فوری طور پر مواخذہ نہیں کرتا تو یہ نہ سمجھو کہ تم سے مواخذہ ہو گا ہی نہیں۔ وہ ڈھیل صرف اِس لئے دیتا ہے تا کہ تم اپنی اصلاح کر لو اور استغفار کرو۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۷﴾

اگر تم عورتوں کو مجامعت سے پہلے یا حق مہر مقرر کرنے سے پہلے

طلاق دے دو تو تم پر حق مہر کا بار نہیں ہوگا لیکن انہیں حسنِ معاملہ کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور دے دو۔ دولتمند اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ یہ ایک فرض ہے جو کہ نیکوکاروں پر واجب ہے ◉

مَس کے لفظی معنی چھونا ہے لیکن جب یہ لفظ مرد عورت کے بارہ میں استعمال ہو تو اس کے معنی جائز مجامعت ہے زنا پر یہ لفظ نہیں بولا جاتا (دیکھو بیضاوی زیر آیت ۱۹ : ۲۱)

لَاجُنَاحَ : لا مهر۔ ان اصل الجناح فی اللغة هو الثقل (رازی۔ بیضاوی و روح البیان)

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۸﴾

اور اگر تم ان کو مجامعت سے پہلے لیکن حق مہر مقرر کرنے کے بعد طلاق دو تو تم پر مقررہ مہر کا نصف واجب آئے گا ؛ ہاں یہ جائز ہے کہ عورت خود اپنا حق چھوڑ دے یا مرد اپنا حق چھوڑ دے۔ اگر تم اپنا حق چھوڑ دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا نہ بھولو۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہے ◉

اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ کے لفظی معنی ہیں وہ جس کے ہاتھ میں عقدِ نکاح ہے۔ عموماً اس سے مُراد مرد لیا جاتا ہے۔ بعض نے عورت کا ولی بھی مُراد لیا ہے۔ مرد کا حق نصف مہر ہے۔ پس اس کا حق چھوڑنا یہ ہے کہ وہ پُورا مہر ادا کر دے۔ بعد کی عبارت ان معنوں کی تائید کرتی ہے۔

اَنْ تَعْفُوْٓا: اس میں مرد و زن دونوں شامل ہیں۔ طبری کہتا ہے ان تعفوا بعضکم لبعض ایّھا الازواج والزوجات۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۹﴾

مومنو! نماز کو ضائع ہونے سے بچاؤ، خصوصاً درمیانی نماز کو۔ اور اللہ کے حضور عاجز بندوں کی طرح کھڑے رہو ◉

وُسْطٰی، اَوْسَط کا مؤنث ہے جو کہ وسط سے افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ درمیانی اُنگلی کو الاصبع الوسطی بھی کہتے ہیں۔ اس کے معنی افضل کے بھی ہیں۔ عموماً اِس سے نماز عصر مراد لی جاتی ہے لیکن ہر نماز جو کام یا آرام کے درمیان آجائے نماز وسطی ہے اور اپنی مشقت کے باعث افضل ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل العبادات احمزھا کہ سب سے بہتر عبادت وہ ہے جو سب سے زیادہ مشقت برداشت کر کے کی جائے۔ جب آدمی کام اور آرام کو چھوڑ کر نماز ادا کرے گا تو انشاء اللہ اس کی کوئی نماز ضائع نہیں جائے گی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۴۰﴾

اور اگر تمہیں کسی قسم کا خوف لاحق ہو تو خواہ پیدل ہو خواہ سوار جیسے ہو نماز پڑھ لو۔ اور جب تمہارا خوف دُور ہو جائے اور تمہیں اطمینان نصیب ہو تو اللہ کو اس طریق سے یاد کرو جو اس نے تمہیں

سکھلایا ہے اور جسے تم پہلے نہیں جانتے تھے ◉

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۱﴾

تم میں سے جو لوگ مرنے کے قریب ہوں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں ان پر فرض ہے کہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کریں کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے گا اور وہ گھر سے نہیں نکالی جائیں گی۔ لیکن اگر وہ خود بخود چلی جائیں اور احسن طریق سے اپنے بارہ میں کچھ کریں تو اس میں تمہارا کچھ حرج نہیں۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات پر قادر ہے اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

یَتَوَفَّوْنَ : یسمی المشارف الی الوفاۃ متوفیًا تسمیۃ للشئ باسم مایؤل الیہ وقرینۃ المجاز امتناع الوصیۃ بعد الوفاۃ (روح البیان) نیز دیکھو مختصر المعانی زیر الحقیقۃ والمجاز۔ تسمیۃ الشئ باسم مایؤل ذٰلک الشئ الیہ فی الزمان المستقبل۔ یہ مجاز مرسل کی ایک قسم ہے کہ کسی چیز کو اس نام سے یاد کیا جاتا ہے جو اسے مستقبل میں ملتا ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: اگر تم اس کے احکام توڑو گے تو یاد رکھو کہ وہ تمہیں سزا دینے پر قادر ہے اور اگر ان کی اطاعت کرو گے تو دیکھو گے کہ وہ حکمت سے پُر ہیں اور انکی اطاعت میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۲﴾

اسی طرح مطلقہ عورتوں کو بھی حق مہر کے علاوہ کچھ نہ کچھ ضرور دو۔ یہ
ایک فرض ہے جو متقیوں پر واجب ہے ◉

ع ۳۱/۱۵ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

جس طرح اللہ نے تمہیں یہ احکام کھول کھول کر بیان کئے ہیں اسی طرح
وہ اپنے تمام احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم غور کرو اور
ان کی حکمت کو سمجھو ◉

كَذٰلِكَ : كما بيّن لكم ما ذكر (جلالین)

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : عقل الشئی کے معنے ہیں اُس نے اس چیز پر غور اور تدبّر کیا حتّٰی کہ اس کو سمجھ لیا
(لین۔ اقرب و منجد)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ
حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

کیا تجھے ان لوگوں کا حال معلوم نہیں جو موت کے خوف سے ہزاروں
کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے۔ اللہ نے ان سے کہا: اپنے اوپر
موت وارد کرو۔ اور جب وہ اللہ کا حکم بجا لائے تو اس نے انہیں
ایک نئی زندگی بخشی۔ اللہ لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔ لیکن
اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے ◉

اَلَمْ تَرَ: الرؤية هی رؤية القلب بمعنی الادراك (شوکانی۔روح البیان و املاء)
وَهُمْ اُلُوْفٌ: فی محل نصب علی الحال من ضمیر خرجوا (شوکانی)

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۵﴾

مومنو! اس قصہ سے سبق حاصل کرو اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور
اچھی طرح جان لو کہ اللہ سب کچھ سُنتا سب کچھ جانتا ہے ●

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ: ھو معطوف علی مقدر (شوکانی)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۶﴾

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا
کر واپس کرے۔ تنگی اور کشائش اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی
کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے ●

اس کے معنے اللہ کی راہ میں لطیب خاطر خرچ کرنے کے ہیں (جلالین) اس کو قرض سے استعارۃً تعبیر کیا ہے گویا اس کی جزا اللہ پر واجب ہے۔ لیکن اور شوکانی نے اس کے معنے العمل الصالح الذی یستحق بہ فاعلہ الثواب بھی کئے ہیں یعنی ایسا عمل جس کے عوض عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ہم

مالی مشکلات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ تنگی اور کشائش اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ؎

زِ بذلِ مال در راہش کسے مفلس نمی گردد
خدا خود میشود ناصر اگر ہمت شود پیدا

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى‌ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآٮِٕنَا ‌ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۷﴾

کیا تجھے بنی اسرائیل کے سرداروں کا واقعہ معلوم نہیں جو موسیٰ کے بعد ہوا؟

انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

اس نے کہا: کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب تمہیں لڑائی کا حکم دیا جائے تم نہ لڑو۔

انہوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہمیں
اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور اپنے بال بچوں سے جدا کر
دیا گیا ہے۔
(لیکن جب انہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو سوائے چند ایک کے سب
پیٹھ دکھلا گئے۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے) ◉

اِلَی الْمَلَاِ : منصوب بالمضاف المقدر ای الم تر الی قصۃ الملا (روح البیان)
ابناء، ابن کی جمع ہے جس کے معنی بیٹا ہیں۔ جب بیٹے بیٹیاں دونوں مقصود ہوں تو اس کی تغلیب کی وجہ
سے مذکر کا صیغہ بولتے ہیں (لین)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ
مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ
أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ
قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي
الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٨﴾

ان کے نبی نے ان سے کہا: اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔
انہوں نے کہا: وہ ہم پر کیونکر حکمران بن سکتا ہے جبکہ ہم
اس سے زیادہ حکومت کے اہل ہیں اور پھر اس کو دولت کی فراوانی

بھی نہیں دی گئی۔

اس نے کہا: اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کر لیا ہے
اور اس کو علم اور جسم کی دولت سے نوازا ہے۔ حکومت اللہ کی ہے۔
اللہ اپنی حکومت جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ وہ بہت فضل کرنے والا
ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کے لائق ہے ◉

بائیبل میں اس کا نام ساؤل آیا ہے۔ طَالُوت، طَال سے جس کے معنی وہ لمبا ہو فعلوت کے وزن پر ہے۔ ساؤل کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ ایسا قدآور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔
(ا۔سیموئیل ۱۰: ۲۳)

وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۤءُ: لما انه مالك الملك والملكوت (روح البيان)

"و" کا عطف محذوف پر ہے گویا عبارت یوں بنی الملك لله والله يؤتى ملكه من يشاء۔

عَلِيْمٌ: بمن يليق ممن لا يليق به (روح البيان)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۳۲ ۱۶

اور جب انہوں نے اس کی حکومت کی علامت پوچھی تو ان کے نبی
نے ان سے کہا: اس کی حکومت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس
"تابوت" آئے گا جسے فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب
کی طرف سے تمہارے لئے سکینتِ قلب کا سامان ہو گا اور آلِ موسیٰ

اور آلِ ہارون کے بچے ہوئے تبرّکات ہوں گے۔ اگر تم ایمان رکھتے
ہو تو اس میں تمہارے لئے ایک نشان ہے ◉

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ : جواب میں سوال مضمر ہے گویا آیت کی تقدیر ہے وقال لھم نبیّھم لما طلبوا الله آیة علی ملکه (جلالین۔ بیضاوی و رُوح البیان)

روح البیان کہتا ہے وقال بعضھم التابوت ھو القلب۔ والسکینة ما فیه من العلم والاخلاص۔ و اتیانه تصییر قلبه مقرّ العلم و الوقار۔ یعنی بعض مفسّرین نے تابوت سے مراد دل سکینت سے مراد علم و اخلاص اور تابوت کے آنے سے دل کا علم و ایمان سے بھر جانا مُراد لیا ہے۔

بقیّۃ کے معنی بہترین کے بھی ہیں جیساکہ ھود : ۱۱۷ میں فرمایا فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ یعنی کیوں نہ تمہاری پہلی نسلوں میں صاحبِ فضل لوگ ہوئے۔ نیز دیکھو لین و اقرب۔

اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوئے :۔

اس کی حکومت کی علامت یہ ہے کہ فرشتوں کے سہارے تمہاری کھوئی ہوئی ہمّت واپس آجائے گی اور تمہیں اطمینانِ قلب نصیب ہوگا اور تم آلِ موسٰی اور آلِ ہارون کے بہترین ترکہ یعنی اخلاقِ فاضلہ کے وارث بنو گے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

جب طالوت اپنی افواج کے ساتھ روانہ ہوا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اللہ تمہارا ایک ندی پر امتحان لے گا۔ جو کوئی اس ندی میں سے سوائے ایک چلو کے پانی پئے گا وہ مجھ میں سے نہیں۔ اور جو اس میں سے پانی نہیں پئے گا وہ مجھ میں سے ہو گا۔

لیکن جب وہ اس ندی پر پہنچے تو سوائے چند ایک کے سب نے اس میں سے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ اور جب طالوت اور اس کے مومن ساتھی ندی پار کر گئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ لیکن ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونے والے ہیں کہا: بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔ یاد رکھو! اللہ ثابت قدمی سے کام لینے والوں کے ساتھ ہے ◉

ف مقدر عبارت پر دال ہے۔

قَالُوْا: ای بعضهم لبعض (بیضاوی و روح البیان)

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥١﴾

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کے لئے نکلے تو انہوں نے اپنے ربّ سے دعا کی اور کہا: اے ہمارے رب ہمیں صبر و استقلال عطا فرما۔ ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح نصیب کر ◉

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

اور اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ انہوں نے کافروں کو شکست دے دی۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اور اللہ نے داؤد کو حکومت اور دانائی دی اور ان تمام علوم سے بہرہ ور کیا جو اس کی مشیّت نے پسند کئے۔

اگر اللہ بعض شریر انسانوں کو بعض نیکوکاروں کے ذریعہ سے فساد سے نہ روکتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ لیکن اللہ ایسا کرتا ہے کیونکہ وہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ◉

(بَعْضَهُمْ) الّذین یباشرون الشر (روح البیان)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۳﴾

یہ اللہ کی باتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سُناتے ہیں۔ اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ تُو وہ رسول ہے جس نے تمام رسُولوں کی رسالت سے حِصّہ پایا ہے ◉

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۴﴾ ع

ہم نے ان رسُولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض ایسے ہیں جن کے اس نے درجات بلند کئے۔ اور ہم نے عیسٰی ابن مریم کو کھلے کھلے دلائل دیئے اور روح القدس سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ اپنی مرضی زبردستی منوانا چاہتا تو لوگ رسُولوں کے بعد، خصوصاً کھلے کھلے نشان آچکنے کے بعد، آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن چونکہ اس نے

ایسا نہ چاہا۔ لوگ اس کے رسولوں کے بارہ میں مختلف الخیال گروہوں میں بٹ گئے۔اور بعض ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا۔یقیناً اگر اللہ اپنی مرضی زبردستی منوانا چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ◉

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ: مشيئة الجاءٍ وقسرٍ (کشاف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۵﴾

مومنو! اس رزق میں سے جو کہ ہم نے تمہیں دیا ہے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ فدیہ کام دیگا نہ دوستی اور نہ شفاعت۔یاد رکھو! جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کرتے ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ◉

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی وہ ایسے ظالم ہیں کہ ان کے مقابل دوسرے ظالم ظالم معلوم نہیں دیتے۔

بَيْعٌ: فداء (جلالین) یہاں بَیْعٌ کے معنی مبایعة کے ہیں جو کہ مفاعلہ کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی ہیں: ایک چیز دے کر دوسری لینا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ

ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾

اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ جاوید ہے۔ قائم بالذات اور ہر چیز کے قیام کا باعث۔ نہ اسے اونگھ لگتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟ وہ ماضی اور مستقبل کو جانتا ہے لیکن کوئی ذی شعور کسی چیز کا اس ایسا کامل علم حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ خود جتنا چاہے کسی کو علم دیدے۔ اس کا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ان کی حفاظت اس پر کوئی بوجھ نہیں۔ وہ بہت بلند بہت عظمت والا ہے ◉

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ : ما قبلهم وما بعدهم او بالعكس (بیضاوی)۔

لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ : ای لا يحيطون بشیء بعلم من علمه۔

کامل علم کامل قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ انسان اپنے ہزار علم کے باوجود مچھر کا ایک پر نہیں بنا سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ انسانی علم نہ کیفیت میں نہ کمیت میں اللہ تعالیٰ کے علم سے لگاؤ کھا سکتا ہے۔

کُرسی کے معنی کرسی، تخت، علم اور قدرت کے ہیں (اقرب، منجد، لین، مفردات و رازی) یہاں یہ سب معنی لگ سکتے ہیں۔

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٧﴾

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٨﴾ ع ۳۴ ۲

دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر جائز نہیں۔ ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جو کوئی معبودانِ باطلہ کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لے آتا ہے وہ ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والی چیز کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کو سُنتا ہے۔ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ وہ انہیں ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ رہے کافر، سو معبودانِ باطلہ ان کے دوست ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر قسم قسم کی تاریکیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ دوزخ کے مکین ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۵۹﴾

کیا تجھے اس شخص کا حال معلوم ہے جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق اِس لئے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی؟

جب ابراہیم نے اسے کہا: میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا: مَیں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اللہ سُورج کو مشرق سے نکالتا ہے تُو ذرا اسے مغرب سے نکال دکھلا۔ اِس بات سے اس کافر کے اوسان خطا ہوگئے۔ یاد رکھو! اللہ ان ظالموں کو جو ایسے روشن دلائل سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے ہدایت نہیں دیتا ●

کہتے ہیں کہ اس نے دو قیدیوں کو بُلایا اور ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھو مَیں نے اسے مار دیا ہے اور اسے زندہ کیا ہے (رُوح البیان) اس کا یہ جواب نامعقول تھا کیونکہ جس زندگی اور موت کا ابراہیم نے ذکر کیا تھا اس کا جواب اس کے متعلق نہیں تھا۔ لیکن حضرت ابراہیم نے فلسفی بحثوں میں اُلجھنے کی بجائے خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی بے بسی کی وضاحت یہ کہہ کر کر دی کہ خدا سُورج کو مشرق سے نکالتا ہے تُو ذرا اس کو مغرب سے نکال کر دکھا۔

اِس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کافر نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ مَیں ہی سُورج کو مشرق سے نکالتا ہوں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ سُورج کی پرستش کرتے تھے اِس لئے اس کے لئے یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ سُورج اس کے حکم کے تابع ہے۔ نیز یہ جواب حد درجہ نامعقول ہوتا اور اس کی کوئی سند نہ ہوتی کیونکہ سُورج تو اس کی پیدائش سے بھی پہلے مشرق سے نکلتا تھا پھر وہ کیونکر کہہ سکتا تھا کہ مَیں ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہوں۔ موت وحیات کے متعلق تو اس نے تلبیسًا کہہ دیا کہ مَیں زندہ بھی کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں لیکن اس بارہ میں تلبیسًا بھی کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور سوائے ساکت اور مبہوت ہونے کے اسے کوئی چارہ نہ تھا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: فمن ظلم نفسه بالامتناع قبول مثل هٰذه الدلائل لايجعله الله مهتديا بها۔ (رُوح البیان)

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶۰﴾

کیا تجھے اس شخص کا حال معلوم ہے جو ایک ایسی ویران بستی سے

گذرا جس کی دیواریں اس کی چھتوں پر گری ہوئی تھیں۔ اس نے کہا: اللہ اس مُردہ بستی کو کب زندہ کرے گا۔

سو اللہ نے اسے سَو سال کے لئے موت دے دی اور پھر اس کو زندہ کیا اور کہا بتلا کہ تُو کتنی دیر اس حالت میں رہا ہے۔

اس نے کہا: میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصّہ رہا ہوں۔

اللہ نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ مِن وجہٍ تُو سَو سال تک اس حالت میں رہا ہے۔ اِس بات کے ثبوت کے لئے کہ تُو صرف مِن وجہٍ اس حالت میں رہا ہے اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ اور پھر اپنے گدھے کو بھی دیکھ۔ ان پر مرورِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں۔ یہ کشف ہم نے تجھے اسلئے دکھلایا ہے تاکہ تجھے تیرے سوال کا جواب مِل جائے اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں۔ اِس بات کو مزید سمجھنے کے لئے ہڈیوں کی طرف دیکھ۔ دیکھ! ہم انہیں کس طرح زندہ کرتے ہیں اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

جب اس پر تمام حقیقت روشن ہو گئی تو اس نے کہا: مَیں نے خوب جان لیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۞

اَوْ کَالَّذِیْ: اس کا عطف اَلَمْ تَرَ پر ہے۔ گویا آیت کی تقدیر ہے اوارأیت کالّذی۔ یہاں کَ زائدہ بھی ہوسکتا ہے یعنی صرف زور دینے کے لئے استعمال ہؤا ہے۔ اور اسمیہ بھی ہوسکتا ہے جس صورت میں یہ معنی ہوں گے الم ترمن ھوکالّذی ای بمثل الّذی مرعلی قریۃ (شوکانی)

اَلْعِظَامِ میں ال جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور عہد کے لئے بھی۔ اگر جنس کے لئے لیا جائے تو اسکے معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت بہت وسیع ہے اگر وہ مُردہ ہڈیوں میں جان ڈال سکتا ہے تو یروشلم کو دوبارہ زندہ کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

اور اگر اس کے معنی عہد کے لئے جائیں تو اس سے مُراد وہ ہڈیاں ہیں جو کہ حزقیل کو کشف میں دکھلائی

گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے تمثیلاً بتلایا کہ جس طرح میں نے ان مُردہ ہڈیوں کو زندگی بخشی ہے اور ان پر گوشت چڑھایا ہے اسی طرح یروشلم کو میرے حکم سے دوبارہ زندگی دی جائے گی اور وہ پھولے پھلے گا۔

اِس آیت میں حزقیل کے اس کشف کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے :۔

"تُو اسرائیل کے ملک کی بابت نبوت کر اور پہاڑوں اور ٹیلوں۔ نالوں اور وادیوں سے کہہ۔۔۔۔

۔۔۔خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ یقیناً تمہارے آس پاس کی اقوام آپ ہی ملامت اُٹھائیں گی پر تم اے اسرائیل کے پہاڑو اپنی شاخیں نکالو گے اور میری اُمّت اسرائیل کے لئے پھل لاؤ گے کیونکہ وہ جلد آنیوالے ہیں۔" (حزقی ایل ۳۶ : ۶-۸)

"خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے اپنی رُوح میں اُٹھا لیا اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے پُر تھی مجھے اُتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا۔ اور دیکھ وہ وادی کے میدان میں بکثرت اور نہایت سُوکھی تھیں۔ اور اس نے مجھے فرمایا اے آدم زاد کیا یہ ہڈیاں زندہ ہوسکتی ہیں۔ مَیں نے جواب دیا اے خداوند تُو ہی جانتا ہے۔ پھر اس نے مجھے فرمایا تُو ان ہڈیوں پر نبوت کر اور ان سے کہہ اے سُوکھی ہڈیو خداوند کا کلام سُنو۔ خداوند خدا ان ہڈیوں سے یُوں فرماتا ہے کہ مَیں تمہارے اندر رُوح ڈالوں گا اور تم زندہ ہو جاؤ گی اور تم پر نسیں پھیلاؤں گا اور گوشت چڑھاؤں گا اور تم کو چمڑا پہناؤں گا اور تم میں دَم پھونکوں گا اور تم زندہ ہو گی۔ اور جانو گی کہ مَیں خداوند ہوں۔ پس میں نے حکم کے مطابق نبوت کی اور جب مَیں نبوت کر رہا تھا تو ایک شور ہُوا اور دیکھ زلزلہ آیا اور ہڈیاں آپس میں مِل گئیں۔ ہر ایک ہڈی اپنی ہڈی سے۔ اور مَیں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے اور ان پر چمڑے کی پوشش ہوگئی پر ان میں دَم نہ تھا تب اس نے مجھے فرمایا کہ نبوت کر۔ تُو ہوا سے نبوت کر اے آدم زاد۔ اور ہوا سے کہہ خداوند خدا یُوں فرماتا ہے کہ اے دَم تُو چاروں طرف سے آ اور ان مقتولوں پر پھُونک کہ زندہ ہو جائیں۔ پس مَیں نے حکم کے مطابق نبوت کی اور ان میں دَم آیا اور وہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئیں۔ ایک نہایت بڑا لشکر۔ تب اس نے مجھے فرمایا اے آدم زاد یہ ہڈیاں تمام بنی اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں ہماری ہڈیاں سُوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے۔ اِس لئے تُو نبوت کر اور اُن سے کہہ خداوند خدا یُوں فرماتا

ہے کہ اے میرے لوگو۔ دیکھو۔ مَیں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تم کو ان سے باہر نکالوں گا۔ تب تم جانو گے کہ خداوند مَیں ہوں۔ اور مَیں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا اور تم زندہ ہو جاؤ گے اور مَیں تم کو تمہارے ملک میں بساؤں گا تب تم جانو گے کہ مَیں خداوند نے فرمایا اور پُورا کیا۔"

(حزقی ایل ۳۷: ۱-۱۴)

عام طور پر اس آیت کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ جب اس شخص نے پوچھا کہ اللہ اس بستی کو کب زندہ کریگا تو اللہ نے اسے سَو سال کے لئے مار دیا اور پھر زندہ کیا۔ اور پھر پوچھا کہ بتلا کہ تُو کتنی دیر اِس حالت میں رہا ہے۔ اس نے کہا: مَیں اِس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصّہ رہا ہوں۔ اللہ نے کہا: نہیں تو اِس حالت میں سَو سال تک رہا ہے۔ چنانچہ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ ان میں کوئی تغیّر نہیں آیا اور اپنے مُردہ گدھے کو بھی دیکھ اور ہڈیوں کی طرف بھی دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح زندہ کرتے ہیں اور کس طرح ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

اِن معانی پر مندرجہ ذیل اعتراضات پڑتے ہیں:۔

۱۔ اس شخص نے پوچھا تو یہ تھا کہ یہ مُردہ بستی کب زندہ ہو گی لیکن مندرجہ بالا معنوں میں اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کہیں سوال از آسمان جواب از ریسماں۔

اگر اَنّٰی کے معنی کَیْفَ لئے جائیں تو بھی سوال کا جواب نہیں آتا کیونکہ جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ وہ بستی کس طرح زندہ ہو گی۔ اگر اس شخص کو موت دے کر زندہ کرنا اظہارِ قدرت کے لئے تھا تو اس کے لئے سَو سال کی مدّت کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی قدرت کا اظہار تو بہتر طور پر اس کی بجائے کسی اور کو اس کے سامنے مار کر فوراً زندہ کر دینے سے ہو سکتا تھا۔ وہ تو اپنی موت کو موت سمجھتا ہی نہ تھا اور نہ ایسا سمجھنے کا اس کے پاس کوئی قرینہ تھا۔ خصوصاً جبکہ اس کا کھانا اور پانی جوں کا توں موجود تھا۔

۲۔ اگر وہ شخص واقعی سَو سال کے لئے مرا رہا اور اس کے بعد زندہ کیا گیا تو اس عرصہ میں اس کے کھانے اور پانی کا سڑنا بلکہ تحلیل ہو جانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے: دیکھ یہ سڑے نہیں اور طرفہ تر یہ کہ ان کے نہ سڑنے کو اس کے سَو سال تک مرے رہنے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

۳۔ بادی النظر میں حمار کا عطف طعام اور شراب پر ہے اور سیدھے سادھے معنی یہ بنتے ہیں کہ لم یتسنہ کا مضمون معناً حمار پر بھی چسپاں ہوتا ہے یعنی ھو سالم (بیضاوی)

یعنی کھانا، پانی اور گدھا اپنی اصلی حالت میں ہیں۔ اس کے یہ معنی کرنے کہ گدھا کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے ذوقِ افسانہ تراشی کے سوا کچھ نہیں۔

۴۔ ان معنوں میں وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً (اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نشان بنائیں) بے جوڑ اور بے معنی عبارت بن کر رہ جاتی ہے۔

"و" تو اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے سائل کے سوال کا جواب دیا اور مزید کہا کہ اس طرح ہم نے تجھے غیب کی خبر دے کر لوگوں کے لئے نشان بنایا ہے لیکن سوال کا جواب تو دیا نہیں اور یہ کہہ دیا کہ یہ ہم نے اِس لئے کیا ہے تاکہ تجھے لوگوں کے لئے نشان بنائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حزقیل نے جب یروشلم کی ویرانی کو دیکھا تو اسے رنج ہوُا اور اس نے کہا کہ یا اللہ تو اسے کب زندہ کرے گا یعنی اس بستی کو پھر کب آباد کرے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس پر کشف کی حالت طاری کی اور کشف میں اسے سَو سال کے لئے مار دیا۔ استعارہ اور مجاز کلام کی رُوح ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو تمثیلوں کے ذریعہ سمجھاتا ہے۔ چونکہ بستی کی موت اور زندگی کے متعلق سوال تھا اِس لئے خدا تعالیٰ نے کشفی طور پر اس پر سو سال کی موت وارد کر دی۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ یہ بستی سَو سال کے بعد زندہ کی جائیگی۔ اِس بات کا ثبوت کہ یہ موت صرف کشفی رنگ میں تھی یہ ہے کہ جب وہ شخص بیدار کیا گیا تو خود اس نے کہا کہ میں صرف ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اس حالت میں رہا ہوں۔ خود خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ دیکھ تیرا کھانا اور پانی اور گدھا اسی حالت میں ہیں اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہ حالت اس پر کوئی زیادہ عرصہ نہیں رہی۔ ہاں خدا تعالےٰ یہ بتلانا چاہتا تھا کہ من وجہٍ تو سَو سال تک موت کی حالت میں رہا ہے اور من وجہٍ تھوڑا سا عرصہ۔

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس کشف کے ذریعہ تجھے اسرائیل کی دوبارہ زندگی کی خبر دی ہے اور اس طرح تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ جس طرح ہم مُردہ ہڈیوں میں جان ڈالتے ہیں اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں حتّٰی کہ وہ جیتی جان ہو جاتی ہیں یا جس طرح کہ ہم نے تجھے یہ نظارہ کشف میں دکھایا ہے اسی طرح ہم اسرائیل کی مُردہ ہڈیوں میں ایک بار پھر جان ڈالیں گے اور ان پر زندگی کا گوشت چڑھائیں گے حتّٰی کہ وہ ایک بار پھر زندہ قوم بن جائے گی۔ چونکہ حزقیل بنی اسرائیل کے نبی تھے اِس لئے ان کی یروشلم سے Identification کے سبب ان کی کشفی موت کا زمانہ اور یروشلم کی موت کا زمانہ یکساں طور پر دکھلایا گیا۔ گویا یہ بتلایا کہ یروشلم کی دوبارہ زندگی سے حزقیل کی پیشگوئی پوری

ہو گی اور یہ اس کی بعثتِ ثانیہ کی علامت ہو گی۔

تاریخی طور پر اس واقعہ کی صورت یہ ہے کہ بخت نصر نے ۶۱۳ ق م میں یروشلم کو غارت کیا اور اسکے تقریباً ایک سو سال بعد یعنی ۵۳۶ ق م میں خورس شاہِ ایران نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم کو آباد کرنیکی اجازت دی۔ چونکہ اس آبادی میں بھی کچھ مدت لگنا ضروری تھی اس لئے یہ تمام عرصہ سو سال بنتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گنتی میں کسور کا نہ گننا ایک معروف طریق ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾ ع ۳۵ ۲

وہ واقعہ بھی یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے کہا: اے میرے ربّ مجھے دکھلا تُو کِس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اللہ نے کہا: کیا تُو نہیں جانتا اور ایمان نہیں رکھتا کہ مَیں مُردے زندہ کر سکتا ہوں؟

ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں جانتا اور ایمان رکھتا۔ یہ سوال تو مَیں نے صرف اطمینانِ قلب حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔

اللہ نے کہا: چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ ہلا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ اور پھر ان کو اپنی طرف بُلا وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ پس جان لے کہ اللہ ہر چیز پر

قادر ہے۔ اس کی ہر بات میں حکمت ہے ۞

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ : عطف علی مقدر ای الم تعلم (شوکانی)

لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ : تاکہ علم الیقین کے بعد عین الیقین حاصل ہوجائے۔

صُرْهُنَّ اِلَیْكَ : بعض مفسّرین نے اس کے معنی ان کے ٹکڑے کرنے کے کئے ہیں۔ ابومسلم کو ان معنوں سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں الی کا صلہ اس بات پر دال ہے کہ اس کے معنی اپنے ساتھ ہلانے اور مانوس کرنے کے ہیں۔ وہ جزءً سے مراد چار پرندوں میں سے ہر ایک لیتے ہیں۔ جزء کا لفظ ان معنوں میں سورۃ الحجر: ۴۵ میں آیا ہے جہاں فرمایا لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۔ علامہ رازی ابومسلم کا قول نقل کرکے اپنی طرف سے مزید دلیل یہ دیتے ہیں کہ اُدْعُھُنَّ اور یَاْتِیْنَكَ میں ضمائر پرندوں کی طرف راجع ہیں انکے ٹکڑوں کی طرف نہیں۔

ابراہیم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ مُردے کیونکر زندہ ہوتے ہیں۔ سو اللہ نے بتایا کہ اگر تو جو کہ پرندوں کا خالق نہیں ان کو اپنے آپ سے اِس قدر مانوس کرسکتا ہے کہ وہ تیری آواز پر دوڑتے چلے آئیں تو اس میں کیا تعجّب کی بات ہے کہ مخلوق اپنے خالق و مالک کی آواز پر لبیک کہتی ہوئی چلی آئے۔ یقیناً دُنیا کی ہر چیز اللہ کے حکم کو سُنتی ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۲﴾

وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو ایک دانہ زمین میں بوتا ہے اور اس سے سات بالیں نکل آتی ہیں اور ہر ایک بال میں سَو دانے ہوتے ہیں۔ اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے اسی طرح بڑھاتا ہے۔ اللہ بہت بخشش

کرنے والا بہت جاننے والا ہے ◉

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ : اس میں حذف مضاف ہے اور اس کی تقدیر یا تو مثل نفقۃ الذین ینفقون۔۔۔کمثل حبّۃ ہے یعنی جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے اور اس سے سات بالیں نکل آتی ہیں اور یا کمثل زارع حبّۃ ہے یعنی ان کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو۔۔۔ ۔۔۔ (شوکانی و بیضاوی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد نہ کوئی احسان جتاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف دیتے ہیں وہ اپنا اجر اپنے رب کے حضور پائیں گے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہو گا نہ غم ◉

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ایک میٹھا بول اور سائل کی پردہ پوشی اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد دکھ دیا جائے۔ یاد رکھو! اللہ تمام ضرورتوں سے پاک ہے۔ سزا دینے میں دھیما ہے ◉

مَغْفِرَةٌ کے لفظی معنی ڈھانپنا ہیں۔ یہاں مَغْفِرَةٌ کے مندرجہ ذیل معانی ہو سکتے ہیں :-

۱ ۔ اللہ سے مغفرت مانگنا۔ اپنے لئے کہ سائل کو کچھ دے نہیں سکا یا سائل کے لئے کہ سوال کرنا معیوب ہے۔
۲ ۔ سائل کے الحاح اور تلخ کلامی پر چشم پوشی کرنا (بیضاوی۔ شوکانی۔ رازی)
۳ ۔ سائل سے معافی مانگنا اور معذرت کرنا (بیضاوی۔ کشاف۔ شوکانی)
۴ ۔ سائل کی پردہ پوشی کرنا (معالم التنزیل۔ شوکانی۔ رازی)
۵ ۔ سائل کے زخموں پر مرہم رکھنا۔ غفر الجرح کے معنی ہیں انتقض یعنی زخم مندمل ہو گیا (اقرب۔ منجد)
۶ ۔ مَغْفِرَةٌ کا لفظ قرآن میں اغماض کے معنوں میں بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (۴۵ : ۱۵) یعنی مومنوں کو کہہ کہ ان لوگوں سے اغماض برتیں جو اللہ کی سزا کا خوف نہیں رکھتے۔ رازی نے اس جگہ اس کے معنی ترك المنازعة کئے ہیں یعنی ان سے جھگڑا نہ کرو۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے کہ فقیر سے اُلجھو نہیں بلکہ اگر کچھ دے نہیں سکتے تو اس کے سوال پر اغماض کرو۔ بعض نے اِس آیت کی تقدیر یوں لی ہے: قول معروف اولی، والمغفرة خیر من صدقة یتبعها اذی (شوکانی) یعنی بھلی بات کہنا بہت اچھا ہے لیکن مغفرت اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد دُکھ دیا جائے۔ اس میں قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ کی خبر محذوف لی گئی ہے اور مَغْفِرَةٌ مبتدا اور خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ اس کی خبر لی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ: اس کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں صدقات دینے میں تمہارا اپنا ہی نفع ہے۔ لیکن اگر تم صدقات نہیں دیتے یا احسان رکھ کر یا دکھ دے کر ان کو ضائع کر دیتے ہو تو جان لو کہ تم آہستہ آہستہ خود اپنے دُکھ کا سامان کر رہے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا

يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۵﴾

مومنو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور اپنے ممنون کو دکھ دے کر اُن لوگوں کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کی مثال اس چکنی چٹان کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو اور ایک سخت بارش برسے اور اسے صاف کر دے۔ یہ لوگ اپنے اعمال کا کوئی معاوضہ نہیں پائیں گے اور نہ اللہ ایسے ناشکروں کو کبھی ہدایت دے گا ●

تُرَابٌ نکرہ ہے۔ عربی محاورہ میں اس کے معنی تھوڑی سی مٹی کے ہیں۔ چنانچہ روح البیان کہتا ہے

تراب ای شیئ یسیر منه۔

کلام کی خوبصورتی دیکھیئے کہ انفاق کو اکتساب کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۶﴾

ان لوگوں کے خرچ کی مثال جو اپنا مال اللہ کی خوشنودی اور اپنے استحکام کے لئے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو کسی بلند

مقام پر واقع ہے۔ اس پر ایک زور کا مینہہ برسا اور اس نے اپنا پھل دوچند کر دیا۔ اور اگر اس پر زور کا مینہہ نہ بھی برسے تو معمولی پھوار ہی اس کے لئے کافی ہو گی۔ اللہ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے ◉

وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ: یعنی قومی استحکام کے لئے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٧﴾ ع ۳۶ ۶ ۴

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کو بہتی ہوئی نہریں شاداب کرتی ہوں اور اس کو اس باغ میں سے ہر قسم کے پھل میسّر ہوں اور اس پر بڑھاپا آ چکا ہو اور اس کے بچّے ابھی ناتواں ہوں کہ ناگہاں ایک آتشیں بگولہ اس کے باغ کو آلے اور جلا کر خاک سیاہ کر دے ؟ اللہ اپنی آیات تمہیں اس طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ان میں غور و فکر سے کام لو ◉

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۸﴾

اے مومنو! اللہ کی راہ میں وہ طیّب مال جو تم کماتے ہو اور وہ طیّب مال جو اس نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے خرچ کرو۔ اس راہ میں ردّی مال خرچ کرنے کا قصد نہ کرو۔ تم ان چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تو تیار ہو لیکن خود انہیں کم قیمت کے سوا لینے پر تیار نہیں۔

خوب جان لو! اللہ کو تمہارے مال کی ضرورت نہیں۔ وہ حمد کے لائق ہے کہ اسے قبول کرتا ہے ●

یعنی اس کے حمید ہونے کی یہ شان ہے کہ جب اس مال سے کہ جو خود اس نے تمہیں دیا تم اس کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہو تو وہ اسے قبول کرتا ہے اور تمہیں اس کا اجر دیتا ہے۔ پس مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ کی راہ میں قربانی دے تو اس کی تحمید و تقدیس بیان کرے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۹﴾ ۖ ۙ

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بُخل کا مشورہ دیتا ہے لیکن اللہ تمہیں اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ بہت وسیع رحمتوں والا ہے۔ سب کچھ جانتا ہے ●

فُحْشَآء کے معنی بُخل کے بھی ہیں چنانچہ عرب بخیل کو فاحش کہتے ہیں (کشاف۔بیضاوی۔شوکانی۔ رازی۔جلالین۔رُوح البیان)

اِس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے لیکن فحشاء پر اکساتا ہے۔ یعنی جب تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے لگتے ہو تو تمہیں یہ کہہ کر روکتا ہے کہ اس طرح تم مفلس ہو جاؤ گے حالانکہ اِس طرح تم مفلس نہیں ہوتے لیکن اس کے برعکس تمہیں فحشاء پر مال لٹانے پر اکساتا ہے اور اس طرح تمہیں مبذر بنا کر مفلس بناتا ہے۔یاد رہے کہ قرآن نے ۱۷ : ۲۸ میں مبذرین کو شیطان کا ساتھی کہا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٧٠﴾

وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔یاد رکھو! جس کو حکمت دی گئی ہے اسے بہت بڑی دولت دی گئی ہے کیونکہ نصیحت تو اہلِ خرد ہی پکڑتے ہیں ●

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧١﴾

یاد رکھو تم کوئی چیز خرچ نہیں کرتے اور تم کوئی نذر نہیں مانتے مگر اللہ اسے جانتا ہے۔ رہے ظالم، سو جب وہ پکڑے جائیں گے تو کسی کی مدد انہیں عذاب سے نہیں بچا سکے گی ●

مِنْ اَنْصَار: ما نجين لهم من عذابه (جلالين۔بیضاوی) نصره منه کے معنی ہیں نجاه یعنی اس نے اسے اس سے بچایا (اقرب ولین)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ

تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم صدقات علانیہ دو تو یہ بہت اچھا ہے۔ لیکن اگر تم انہیں چھپا کر دو اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ یاد رکھو! جوں جوں تم اپنی نیکیوں کو چھپاؤ گے اللہ تمہیں نیکیوں میں بڑھائے گا اور تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔

اللہ تمہاری ان نیّات سے واقف ہے جو تمہارے اعمال کے پس پردہ کارفرما ہوتی ہیں ◉

رسُول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے السّر افضل من العلانیۃ۔ والعلانیۃ افضل لمن اراد الاقتداء بہٖ یعنی چھپا کر نیکی کرنا علانیہ نیکی کرنے سے بہتر ہے لیکن اس نیت سے علانیہ نیکی کرنا کہ لوگ اس کی اقتداء کریں چھپا کر نیکی کرنے سے بہتر ہے۔

علانیہ نیکی کرنے میں ریا کا خدشہ ہے لیکن اگر یہ خدشہ نہ ہو تو علانیہ نیکی بہتر ہے۔ بہر حال یہ حکم ان امور کے بارہ میں ہے جن کے متعلق اجازت ہے کہ خواہ علانیہ کرو خواہ پوشیدہ۔ جن احکام کے متعلق صریحاً علانیہ کرنے کا حکم ہے مثلاً حج یا نماز باجماعت وہ علانیہ ہونے چاہئیں۔ اور جن کے متعلق پوشیدہ کرنے کا حکم ہے وہ پوشیدہ ہی ہونے چاہئیں۔ مومن خواہ کمال کے کسی درجہ پر پہنچ جائے ضروری ہے کہ بعض نوافل پوشیدہ طور پر ادا کرے۔ یہ امر اصلاحِ نفس کے لئے بہت بہتر ہے۔

اس آیت میں اخفاء کو ترجیح دی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ابداء سے اقتداء کا مقصد حاصل نہ ہوتا ہو اور کوئی قرینہ ابداء کو ترجیح دینے کا نہ ہو یعنی ایک جیسے حالات ہوں تو اخفاء ہی بہتر ہے۔

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ میں و کا عطف مقدر عبارت پر ہے جس کا مضمون ماسبق عبارت میں موجود ہے۔ گویا فقرہ یوں بنا اذا تخفون حسناتکم یزید کم فی حسناتکم ویکفّر عنکم من سیّاٰتکم۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ میں مَا مصدریہ بھی ہو سکتا ہے یعنی جس غرض اور نیّت سے تم کام کرتے ہو۔
خَبِیْرٌ پوشیدہ چیز کو جاننے والے کو کہتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۳﴾

اے رسول! تجھ پر ان لوگوں کی ہدایت کی ذمہ داری نہیں۔ یاد رکھ! اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔
جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو تمہارے اپنے ہی فائدہ کے لئے ہے کیونکہ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہو۔ یاد رکھو جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ پورا پورا تمہیں واپس لوٹا دیا جائے گا اور تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہو گی ●

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۴﴾ ع ۳۷

یہ صدقات ان حاجتمندوں کا حق ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گرفتار
ہو گئے کہ کسبِ معاش کی خاطر زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔
جاہل ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو غنی خیال کرتا ہے۔ تم
ان کی حالت ان کی ہیئت سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ
کر سوال نہیں کرتے۔ یاد رکھو! جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
ہو اللہ اسے جانتا ہے ◉

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ: متعلق بمحذوف ای ذٰلک الانفاق (رازی) یا صدقاتکم
(بیضاوی وجلالین)

اُحْصِرَ کے معنی ہیں وہ روک لیا گیا۔ اس کے معنی ہیں وہ لوگ جو دشمن سے جہاد کی وجہ سے کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ علامہ رازی نے اس کے ایک معنی یہ بھی کئے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے ذکر میں ایسے مشغول ہو گئے کہ کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ آیت کا آخری حصہ ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔

تَعَفُّف، عفۃ سے تفعُّل کے وزن پر مصدر ہے۔ عفۃ کے معنی ہیں کسی چیز کو چھوڑنا اس سے رُکنا۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

جو لوگ اپنے مال رات کو اور دن کو چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے
ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہو گا
نہ غم ◉

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا

الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۶﴾

وہ لوگ جو سُود کھاتے ہیں ان کا طرزِ عمل اس شخص کی طرح ہے جسے جنون کا دَورہ ہو۔ اِس وبال کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سُود اور تجارت ایک ہی حکم میں ہیں۔ لیکن تجارت تو اللہ نے حلال قرار دی اور سُود حرام۔ جن لوگوں کے پاس ان کے ربّ کا فرمان پہنچا اور وہ سُودخوری سے باز آ گئے تو جو سود وہ اس سے پیشتر لے چکے ہیں ان کو معاف ہے اور ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن جو لوگ سُودخوری کی طرف لوٹ کر آئیں گے وہ آگ کے مکین ہوں گے۔ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے ◉

قِیَام کے لغظی معنی کھڑا ہونے کے ہیں محاورہ میں اس کے معنی کسی کام کے کرنے کے ہیں چنانچہ قام بالامر کے معنی ہیں تولاہ اس نے وہ کام کیا (اقرب)

یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ: اس کے لفظی معنی ہیں جس کو شیطان نے مس یعنی جنون کے ذریعہ مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ پاگلوں کے متعلق عربوں کا خیال تھا کہ ان کو جن چمٹ جاتا ہے۔ ان کے اسی خیال کے پیشِ نظر قرآن نے یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔

اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا: یعنی جیسا تجارت سے نفع اُٹھا لیا ایسا سُود کھا لیا۔

اِس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تجارت اور سُود میں چند بنیادی فرق ہیں:۔

۔ تجارت میں تاجر کی محنت سرمایہ سے مِل کر نفع دیتی ہے لیکن سُود میں سرمایہ خود بخود بڑھتا رہتا ہے۔

۲ ۔ تجارت میں نفع اور نقصان دونوں ہوسکتے ہیں لیکن سُود میں نفع ہی نفع ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سُود میں بھی نقصان کا احتمال ہے کہ مقروض بھاگ جائے یا مَر جائے اور اصل زر بھی واپس نہ کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو سُود دینے والے ان تمام صُورتوں کی پیش بندی کر لیتے ہیں۔ کوئی جائیداد وغیرہ رہن رکھوا لیتے ہیں یا کسی اور طریق سے اپنا قرض محفوظ کر لیتے ہیں لیکن اگر کسی شاذ صُورت میں اصل زر ضائع ہو جائے تو یہ صُورت تجارت کے نفع نقصان سے مشابہ نہیں بلکہ اس کی صورت ایسی ہے جیسے کسی غیر متوقع سبب سے مثلاً آگ لگ جانے سے یا چوری ہو جانے سے مال ضائع ہو جائے۔

۳ ۔ تجارت سے فریقین فائدہ اُٹھاتے ہیں دونوں میں سے کسی کو گھاٹا نہیں ہوتا لیکن سُود میں ایک شخص سراسر گھاٹے میں رہتا ہے اور ایک سراسر نفع میں۔

۴ ۔ تجارت سے انسانی ہمدردی ضائع نہیں ہوتی بلکہ باہمی رابطہ پیدا ہوتا ہے اور آپس کے تعلقات بڑھتے ہیں لیکن سُود خور میں انسانی ہمدردی مٹ جاتی ہے اور انسان Human Parasite بن جاتا ہے۔

۵ ۔ سُود کے وسیع کاروبار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ چند ہاتھوں میں محدود ہوتا چلا جاتا ہے۔ سرمایہ دار لوگوں کو اپنے منافع میں شریک کرنے کی بجائے ان کے سرمایہ پر برائے نام منافع دیتے ہیں اور اصل منافع تمام کا تمام خود لے جاتے ہیں لیکن تجارت سے روپیہ کی گردش زیادہ ہوتی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۷﴾

اللہ سُود کے نظام کو آہستہ آہستہ مٹا دے گا اور صدقات کے نظام کو بڑھائیگا۔
اللہ تمام ان لوگوں کو جو اس کے احکام کے انکار پر اصرار کرتے ہیں اور گناہ کو
اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں پسند نہیں کرتا ◉

يَمْحَقُ : محق کے معنی ہیں کسی چیز کا حالاً بعد حالٍ نقصان کی طرف جانا (رازی۔ رُوح البیان۔ اقرب)۔

اِس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کے قانون میں سُود گھاٹا ہی گھاٹا ہے اور صدقات میں برکت ہی برکت یعنی نفع ہی نفع۔

'کَفَّارٍ' فعال کے وزن پر کافر کا اسم مبالغہ ہے۔ اس کے معنوں میں اصرار اور عادت پائی جاتی ہے۔

(رازی۔ رُوح البیان۔ بیضاوی)

'اَثِیْمٍ' فعیل کے وزن پر آثم کا اسم مبالغہ ہے۔ اس میں استمرار اور انہماک کے معنی پائے جاتے ہیں

(رازی۔ بیضاوی۔ رُوح البیان)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۸﴾

رہے وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل بجا لاتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے حضور ہے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۹﴾

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو جو سُود تم نے لوگوں سے ابھی لینا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا کرنے کو تیار نہیں تو سُن لو کہ اللہ اور اس کا رسُول تمہارے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ ہاں اگر تم سُود خوری سے باز آجاؤ تو اصل زر تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم ہو گا ◉

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اگر مقروض تنگدست ہے تو اس کے حالات آسان ہونے تک اس کو مُہلت دو۔ اور اگر تم اللہ کی رضا کی خاطر اپنا قرض بخش دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہو گا۔ اگر تم حقیقتِ حال کو جانتے تو ایسا ہی کرتے ◉

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اکثر نحویوں کے نزدیک جوابِ شرط شرط سے پہلے نہیں آسکتا۔ ان کے نزدیک مذکورہ قسم کے فقروں میں جوابِ شرط محذوف ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ قف ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۲﴾ ع

۳۸ ع ۸ ۶

اُس دن سے ڈرو جب تم کامل بے بسی کی حالت میں اللہ کے حضور پیش کئے جاؤ گے۔ جب ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کا پُورا پُورا معاوضہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ◉

رجوع کے معنی واپس لوٹنا۔ پہلی حالت کی طرف آنا ہے۔ علامہ رازی فرماتے ہیں فکانہٗ بعد الخروج عن الدّنیا عاد الی الحالۃ التی کان علیھا قبل الدخول فی الدّنیا...... ولا یکون

المتصرف فیھم الا اللہ یعنی لوگ اس حالت کی طرف لوٹ آئیں گے جس میں کہ وہ دُنیا میں آنے سے پہلے تھے گویا مکمل طور پر اللہ کے تصرف میں ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ ۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ

تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا
يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ
بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

مومنو! جب تم کوئی چیز یا روپیہ اُدھار لو یا دو جس کی قیمت کی ادائیگی یا واپسی کی مدّت معیّن ہو تو اس کو لکھ لو۔ چاہیئے کہ معاملہ کی تفاصیل کوئی کاتب تمہارے درمیان انصاف سے لکھے۔ کاتب کے لئے جائز نہیں کہ وہ لکھنے سے انکار کرے کیونکہ اس کو علم تو اللہ ہی نے دیا ہے، اس کا فرض ہے کہ لکھے۔ اور تحریر مدیون لکھوائے۔ لیکن چاہیئے کہ لکھواتے وقت وہ اللہ، اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے۔ اور جو کچھ اس کے ذمّہ آتا ہے اسے بلاکم و کاست لکھوائے۔

اگر مدیون نادان یا ناتواں ہو یا بات لکھوانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ پوری بات لکھوائے۔

اور چاہیئے کہ تم اپنے میں سے دو مردوں کو اس دستاویز پر گواہ بنا لو۔ اور اگر دو مرد میسّر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔ گواہ ایسے لوگوں میں سے بناؤ جو تمہارے نزدیک منتخب ہوں۔

دو عورتوں کی شرط اِس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اگر ان میں سے ایک کوئی بات بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرا دے۔

اور جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور قرض خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کو ضبطِ تحریر میں لانے میں اور اس کی ادائیگی کی تاریخ مقرر کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ طریق اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔ مضبوط تر شہادت کا ضامن ہے اور تمہارے لئے شکوک و شبہات سے بچنے کی آسان ترین راہ ہے۔

ہاں اگر نقد لین دین ہو جس کا تم ہاتھوں ہاتھ سودا کرو تو اسے تحریر میں نہ لانا گناہ نہیں۔ تاہم اپنے لین دین پر گواہی ڈلوا لو۔

اور نہ کاتب کو تکلیف دی جائے نہ گواہ کو۔ یاد رکھو! اگر تم نے انہیں تکلیف دی تو تم نافرمانی کرنے والے ٹھہرو گے۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تمہیں صحیح تعلیم دیتا ہے۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ●

دَیْن کے معنی ہیں کسی فروخت شدہ چیز کی قیمت جو کہ خریدار کے ذمہ ہو۔ یا قرض یا ایسا قرض جس کی میعاد مقرر ہو۔

دان۔ ادان کے معنی ہیں اس نے اُدھار پر چیز لی یا دی یا قرض دیا یا قرض لیا۔ دائن کے معنی قارض اور مقروض دونوں کے ہیں۔ عرب حاضر چیز کے لئے عین اور غائب کے لئے دَیْن کا لفظ بولتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اذا ما اوقدوا نارًا وحطبًا

فذاك الموت نقدًا غير دَين

یعنی جب انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور لکڑیوں کو آگ دکھائی تو یہ نقد موت تھی جس میں کوئی اُدھار نہ تھا۔

تداین، دَین سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ اس میں فریقین کے درمیان اشتراکِ عمل پایا جاتا ہے یعنی آپس میں لین دین۔ خرید و فروخت۔

علّامہ رازی فرماتے ہیں خرید و فروخت چار قسم کی ہوتی ہے:۔

ا۔ بیع العین بالعین: یعنی نقد دام دے کر یا لے کر حاضر مال دینا یا لینا۔

یہ تجارتِ حاضرہ ہے اور دَین کے ضمن میں نہیں آتی۔

ب ۔ بیع الدین بالدین: اُدھار کے بدلہ اُدھار یعنی نہ چیز نقد لی نہ دی اور نہ قیمت نقد دی نہ لی۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگلے سال مَیں تمہیں دس روپے من کے حساب سے سَو من گندم دوں گا اور قیمت اس وقت لوں گا۔ اس کو Speculation کہتے ہیں اور یہ ناجائز ہے۔

ج ۔ بیع العین بالدین: چیز لے لینا اور قیمت کا اُدھار کرنا۔

د ۔ بیع الدین بالعین: قیمت دے دینا اور چیز کا اُدھار کرنا یعنی سلف یا بیع سلم۔

مؤخر الذکر دونوں صُورتیں جائز ہیں اور دَین میں آتی ہیں۔ البتہ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى کی تخصیص اور توضیح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادائیگی کے لئے سال اور مہینہ اور دن کا تعیّن ضروری ہے یعنی یہ تعیّن مجہول نہیں ہونا چاہیئے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ طے کیا جائے کہ رقم اگلی ربیع یا خریف میں ادا ہوگی یا فلاں قافلہ کے آنے پر ادا ہوگی۔ تاریخ مقرر کرنا ضروری ہے۔

بَیْنَکُمْ: کاتب سے بھی متعلق ہوسکتا ہے اور معاملہ سے بھی۔ پہلی صُورت میں اس کے معنی ہوں گے: چاہیئے کہ معاملہ کی تفاصیل کاتب تمہارے درمیان بیٹھ کر لکھے

دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے: چاہیئے کہ تمہارے درمیان جو معاملہ ہے اس کی تفاصیل کاتب انصاف سے لکھے۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ: یعنی کاتب کو علم دینے والا بھی اللہ ہے اور یہ علم دینے والا بھی اللہ ہے۔ پس اس کو چاہیئے کہ بطور شکر اللہ کا دیا ہوا علم اللہ کے احکام کی تعمیل میں صرف کرے۔

اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ احسن كما احسن الله اليك یعنی جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور تم کو علم دیا ہے تم لوگوں پر احسان کرو اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کو ان کی خدمت کے لئے استعمال کرو۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ مکمل فقرہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں اگلا فقرہ یوں ہوگا كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ (رازی بحوالہ زجاج)

اِس صُورت میں ترجمہ یہ ہوگا: کاتب کے لئے جائز نہیں کہ لکھنے سے انکار کرے۔ چونکہ اللہ نے اس کو علم دیا ہے وہ ضرور لکھے۔

مِنۡ رِّجَالِكُمۡ سے مُراد اکثر مفسّرین نے جن میں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں مومن کے لئے ہیں بعض کے نزدیک جن میں امام احمد بن حنبل اور ابن سیرین شامل ہیں غلام بھی من رجال المسلمین کے ماتحت آتے ہیں۔ بعض نے اس سے صرف احرار مُراد لئے ہیں۔

علامہ رازی فرماتے ہیں مِنۡ رِّجَالِكُمۡ: الذین تعتدونھم للشھادۃ بسبب العدالۃ یعنی اس سے مراد وہ مرد ہیں جن کو ان کی انصاف روی کی وجہ سے تم شہادت کے اہل سمجھتے ہو۔ (رازی وشوکانی)

بظاہر کُمۡ کا لفظ عورتوں کے مقابلہ میں رِجَال کی تخصیص کے لئے آیا ہے۔ آیت کا اگلا حصّہ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ اس پر قرینہ ہے۔ اگر مُراد صرف مومن یا حر ہوتے تو فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ مِنۡكُمۡ فَرَجُلٌ (مِنۡكُمۡ) کہنا چاہیئے تھا۔

مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ: رَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ کی صفت بھی ہو سکتا ہے اور رِجَالِكُمۡ کا بدل بھی (املاء) اوّل صورت میں مندرجہ ذیل ترجمہ ہو گا: اور اگر ۲ دو مرد میسّر نہ ہوں تو ان لوگوں میں سے جو کہ تمہیں پسند ہوں ایک مرد اور ۲ دو عورتیں کافی ہیں۔

ان معنوں کے اعتبار سے مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ کی شرط اِس لئے ہے کہ چونکہ عورت کی شہادت کمزور ہے اِس لئے اِس صورت میں کہ ۲ دو گواہ عورتیں ہوں گواہوں کے ثقہ ہونے کا مزید اطمینان کر لینا چاہیئے (رُوح البیان)

دوسری صورت میں ترجمہ مندرجہ ذیل ہو گا: اور چاہیئے کہ تم اپنے میں سے ۲ دو مردوں کو اس دستاویز پر گواہ بنا لو۔ گواہ ایسے لوگوں میں سے بناؤ جو تمہارے نزدیک منتخب ہوں اور اگر ۲ دو مرد میسّر نہ ہوں تو ایک مرد اور ۲ دو عورتیں کافی ہیں۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ متعلق بمحذوف ہو۔ اس صُورت میں آیت کی تقدیر یہ ہو گی واجعلوا ممّن ترضون من الشھداء۔ یہ ترجمہ متن میں کیا گیا ہے۔

يُضَآرَّ چونکہ تضاد کا مذکّر کا صیغہ ہے کی تشریح کے لئے دیکھو نوٹ زیر آیت ۲۳۴۔

متن میں معنی يُضَارَرُ کے اعتبار سے کئے گئے ہیں۔ يُضَارِرُ کے اعتبار سے مندرجہ ذیل معنی ہوں گے: اور نہ کاتب نقصان (یا تکلیف) پہنچائے اور نہ گواہ۔ یعنی ان کے لئے جائز نہیں کہ گواہی میں ردّ و بدل کر کے کسی فریق کو نقصان پہنچائیں یا گواہی دینے میں تامّل کر کے کسی فریق کے لئے نقصان اور تکلیف کا باعث بنیں۔

فُسُوۡقٌ بِكُمۡ: فسوق لاحق بکم (جلالین وبیضاوی)

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹/۲

اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کو محفوظ کرنے کے لئے کوئی چیز رہن رکھ دو۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے پر اعتماد کرے اور اس کو بغیر رہن کے قرض دے دے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اس کا فرض ہے کہ امانت رکھنے والے کی امانت واپس کرے اور اللہ اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرے۔

مومنو! شہادت کو مت چھپاؤ۔ یاد رکھو! جو کوئی شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گنہگار ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

یاد رہے کہ رہن باقبضہ کے لئے سفر کی یا کاتب نہ ملنے کی شرط نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس جَو کے بیس[۲۰] صاع کے بدلہ رہن فرمائی تھی (بیضاوی و رُوح البیان) خود عبارت کی طرز بتلاتی ہے کہ رہن کا مقصد قرض کو محفوظ کرنا ہے۔ اور اس کی دوسری صورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

یہاں ایسے قرض کو جو رہن کے ساتھ محفوظ نہیں کیا گیا امانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو امانت اس لئے کہا گیا ہے کہ قارض اسے محض مقروض کے اعتبار پر دے دیتا ہے۔ (بیضاوی۔ جلالین۔ رُوح البیان۔ شوکانی و رازی)

لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ : یہ حکم عام ہے اور اس کا مخاطب گواہ اور ہر جاننے والا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٥﴾

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔ تم اپنے دِل کی باتیں
خواہ ظاہر کرو خواہ چھپا کر رکھو اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔
پھر وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔
اللہ ہر چیز پر قادر ہے ●

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۟ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٦﴾

رسول اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس پر اس کے ربّ کی طرف
سے نازل ہوئی۔ اور تمام مومن بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب
اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے
ہیں اور کہتے ہیں: ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی تفریق

نہیں کرتے۔ ان کا مقولہ یہ ہے: ہم نے گوشِ ہوش سے سُنا اور تسلیم
کیا۔ اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں۔ ہمیں تیری
ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ◉

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا
مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ
وَاعْفُ عَنَّا ٞ وَاغْفِرْ لَنَا ٞ وَارْحَمْنَا ٞ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

اللہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ جو نیکی کسی
شخص نے کمائی اس کا پھل اس کو ملے گا اور جو بدی اس نے کمائی اس کا
وبال اس کی گردن پر ہو گا۔

مومن تو ہر حال میں یہی کہتے ہیں:

اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک پر گرفت نہ کر۔ اے ہمارے رب!
ہمارے گناہوں کی سزا ہمیں نہ دے جس طرح تُو نے ہم سے پہلوں کو
دی۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جسے اُٹھانے کی ہم میں
طاقت نہیں۔ ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم
کر۔ تُو ہمارا مولیٰ ہے، سو کافروں پر ہمیں غلبہ عطا کر ◉

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: یہاں خیر کے لئے کسب کا لفظ اور شر کے لئے اکتساب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اکتساب افتعال کے وزن پر ہے اور اس میں کوشش اور طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا نیکی کا بدلہ بہرحال ملے گا خواہ اس کی تحصیل میں کوشش صرف کی گئی ہو خواہ نہ لیکن بدی کی پاداش صرف اس صورت میں ملے گی جب اس کی تحصیل میں طلب اور کوشش شامل ہو۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَآ اَوْ اَخْطَانَا۔ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (۲۸۶) پر عطف بھی ہوسکتا ہے اور اس سے پہلے قولوا یا کان قول المؤمنین محذوف بھی ہوسکتا ہے۔ متن میں مؤخر الذکر صورت اختیار کی گئی ہے۔

اِصْرًا کے معنی ہیں بوجھ۔ ایسا فرمان جو گراں ہو۔ عہد، گناہ کی سزا۔ (لین۔ اقرب ولسان العرب)

سورۃ آلِ عمران

ربطِ آیات

آیت ۲ :-

سُورۃ بقرہ کی طرح اِس سورۃ کا عنوان بھی الم ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سُورتیں ایک ہی مضمون سے تعلق رکھتی ہیں۔

بقرہ کے آخر میں دعا سکھلائی گئی تھی کہ اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال یعنی وہ شریعت نازل نہ کر جسے ہم برداشت نہیں کرسکتے اور ہمیں کافروں پر فتح نصیب فرما۔ اِس سُورۃ کے ابتداء میں فرمایا کہ یہ شریعت جو تم کو دی جارہی ہے تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے (اس میں یہ نکتہ بھی بیان کردیا کہ شریعت خیر ہے نعمت نہیں) رہے کافر تو ان کو ایک سخت عذاب دیا جائے گا۔ گویا بقرہ میں جو دعا سکھلائی تھی آلِ عمران میں اس کے پورا ہونے کا ذکر کیا۔

الفاتحہ اُمّ الکتاب ہے اور تمام قرآن کا خلاصہ ہے۔ بقرہ میں اس صراطِ مستقیم کا ذکر کیا تھا جس کو قرآن بیان کرتا ہے اور اس کی حدود قائم کرنے کے لئے جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے مغضوب علیھم (یہود) اور الضالین (نصاریٰ) کا ذکر کیا تھا لیکن خاص طور پر یہود ہی کا ذکر تھا نصاریٰ کا ذکر بہت کم کیا تھا۔ آلِ عمران میں صراطِ مستقیم کے ذکر کے ساتھ نصاریٰ یعنی الضالین کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے اور یہود کا کہیں کہیں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقرہ غیر المغضوب علیھم کی تفسیر ہے اور آلِ عمران ولا الضالین کی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے المغضوب علیھم کے بیان میں الضالین کا بیان کیوں کیا گیا اور الضالین کے بیان میں المغضوب علیھم کا کیوں؟

سو جاننا چاہیئے کہ قرآن کا دستور ہے کہ حدود کی تعیین اور مضمون کی وضاحت کے لئے اطراف اور ضدین کا ذکر کردیتا ہے۔

حضرت رسُولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے بقرہ اور آلِ عمران کو الزھراوان کہا ہے۔ الزھراوان، زھراء

کا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ زھراء کے معنی ہیں سفید اور روشن (بقرہ اور آلِ عمران کا نزول آگے پیچھے نہیں ہوُا سوائے چند آیات کے بقرہ سب سے پہلی مدنی سورۃ ہے اس کے بعد سورۃ انفال کا بیشتر حصہ نازل ہوُا اور اس کے بعد سورۃ آلِ عمران) حضور کا ان دونوں سورتوں کو آگے پیچھے رکھنا اور پھر ان دونوں کے لئے زھراء کا نام تجویز کرنا بتلاتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں نفسِ مضمون کو مدِّنظر رکھا گیا ہے۔

البقرہ کی مرکزی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۱۳۰) ہے۔ یہ تمام سورۃ اسی آیت کے گرد چکر لگاتی ہے اور بتلاتی ہے کہ وہ رسُول جس کی آمد کے لئے حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی آگیا ہے۔ آلِ عمران کی مرکزی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۱۱۱) ہے۔ گویا بقرہ میں اس نبی آخرالزمان کا ذکر ہے جس نے دنیا سے لاقانونیت کا دَور ختم کر کے قانون کی حکومت قائم کرنا تھی اور جہالت کو مٹا کر علم و حکمت کو قائم کرنا تھا۔ اور آلِ عمران میں اس اُمّت کا ذکر ہے جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض کو دُنیا میں عام کرنا ہے۔

آیت ۳، ۴ :-

فرمایا: قرآن ایک حی اور قیّوم خدا نے نازل کیا ہے۔ یہ نسلِ انسانی کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔
حی کو قیّوم سے پہلے رکھا ہے اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تمام کائنات کو قائم رکھنے والے خدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں زندہ ہو جو خود زندہ نہیں وہ قیّوم کیونکر ہو سکتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ قیّوم ہے یعنی تمام کائنات کا قائم رکھنے والا ہے تو ضروری ہے کہ وہ انسانوں کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل اور شریعت نازل فرماوے جو ان کی ضروریات کو پورا کرے۔ اگر اس نے سورج، چاند، پانی، ہوا وغیرہ چیزیں پیدا کی ہیں تاکہ لوگ خوشگوار زندگی گذار سکیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان کے معاشرہ اور نفوس کی اصلاح کے لئے ایک شریعت نازل فرماوے۔

پھر فرمایا: قرآن وہی سچائی لے کر آیا ہے جو اس سے پہلی الہامی کتب لائی تھیں یعنی تم اس کی سچائی کو پرکھنے کے لئے وہی معیار استعمال کرو جو تم نے پہلی کتب کے لئے کیا تھا۔

آیت ۵ :-

فرمایا: اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے اللہ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

آیت ۶، ۷ :-

پہلے فرمایا تھا قرآن وہ کتاب ہے جو تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرنے والی ہے۔ اِس بات کا ثبوت کہ یہ واقعی ایسی کتاب ہے ایک تو اس بیان میں موجود تھا کہ اس کو نازل کرنے والا حی اور قیوم خدا ہے۔ دوسرا ثبوت یہ دیا کہ ایسی کتاب وہی نازل کر سکتا ہے جو زمین و آسمان کے تمام بھیدوں کو جانتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ تم کِس شکل پر پیدا کئے گئے ہو یعنی آخری اور کامل شریعت نازل کرنے کا حق اسی خدا کو ہے جو نہ صرف انسان کے ماحول سے کلیتًا واقف ہے بلکہ اس کو اور اس کی افتادِ طبع کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

آیت ۸ تا ۱۰:۔

پہلے یہ بتلایا تھا کہ قرآن کا ماخذ Source کیا ہے۔ اَب یہ بتلایا کہ اس کے اندر کیا ہے۔

فرمایا: قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں۔ محکمات جو اس کی اصل تعلیم پر مشتمل ہیں، اور متشابہات جنہیں صرف راسخ العلم لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

جب یہ بتلایا کہ قرآن کی آیات محکمات اور متشابہات پر مشتمل ہیں تو طبعًا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیونکر پتہ چلے کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے اور یہ متشابہات میں سے۔ فرمایا: محکمات کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ اُمّ الکتاب ہیں یعنی قرآن کی تمام تعلیم ان کے گرد چکر کاٹتی ہے۔

جب یہ پتہ چل گیا کہ محکمات کونسی آیات ہیں اور متشابہات کونسی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ متشابہات کو سمجھنے کے کیا اصول ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اصول بتلائے:۔

۱۔ راسخ العلم ہونا۔

۲۔ دِل کو کجی سے پاک کرنا۔

۳۔ متشابہات کو محکمات کے تابع رکھنا۔

۴۔ متشابہات کی کوئی ایسی تاویل نہ کرنا جو فتنہ پیدا کرنے والی ہو۔

۵۔ متشابہات کی من مانی تاویل نہ کرنا۔

۶۔ تمام قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر پورا پورا ایمان رکھنا۔

۷۔ آیت ۹، ۱۰ میں بیان کی ہوئی دُعا کا مانگنا۔

۸۔ قیامت پر پختہ یقین رکھنا تاکہ فکر نفس کی ملونی سے پاک رہے۔

آیت ۱۱:۔

آیت نمبر ۵ میں قرآن کی تنزیل کے ذکر کے ساتھ فرمایا تھا کہ انکار کرنے والوں کے لئے سخت عذاب ہے۔ یہاں پھر اسی مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا فرمایا: تم اسلام کے مقابلہ میں شکست کھاؤ گے۔ اگرچہ

۱ ۔ تمہارے پاس مال واسباب کی فراوانی ہے۔ اور

۲ ۔ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔

آیت ۱۲ :-

فرمایا: تمہارا طریق فرعون اور اس سے پہلے مکذبین سے جدا نہیں۔ پس جو ان کا انجام ہوا وہی تمہارا ہوگا۔

آیت ۱۳ :-

تم یہ نہ سمجھو یہ دُور کی بات ہے تم عنقریب مغلوب ہوگے اور بالآخر تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

آیت ۱۴ :-

فرمایا: تمہارے لئے جنگ بدر میں ایک نشان ہے۔ جس چیز کی یہ ابتداء ہے اس کی انتہاء کا تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔

آیت ۱۵ تا ۱۸ :-

پہلی آیات میں منکرین کو بتلایا تھا کہ تمہارے نصیب میں جلد آنے والی شکست لکھی ہے پس بہتر ہے کہ تم دین و دُنیا کی رُسوائی سے بچو۔ یہاں بعض ان باتوں کا ذکر کیا جن کی وجہ سے لوگ قرآن پر ایمان لانے سے جھجکتے ہیں یعنی منکرین کے مرض کی تفصیلی تشخیص فرمائی۔ فرمایا: تم ڈرتے ہو کہ قرآن کو مان کر تمہارے عیش و عشرت پر قید لگ جائے گی تم اپنی اولادوں سے جُدا ہو جاؤ گے اور تمہارا مال و متاع تم سے چھن جائے گا۔

مرض کی تشخیص کے بعد دوا کے استعمال کی ترغیب دی۔

فرمایا: بے شک ہم موجودہ نظام کو مٹانا چاہتے ہیں لیکن اس کی بجائے ہم ایک ایسا نظام لائیں گے جو تمہارے لئے دُنیا اور آخرت کی خیر و برکت کا موجب ہوگا۔

پھر اس نظام کے حصول کے طریق بتلائے۔ فرمایا: اگر تم اس نظام کو قائم کرنا چاہتے ہو تو

۱ ۔ صبر و استقلال
۲ ۔ سچائی
۳ ۔ فرمانبرداری اور ڈسپلن
} کو اپنا شیوہ بناؤ۔

۴ ۔ اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرو کہ خرچ کرنا تمہاری فطرتِ ثانیہ بن جائے یعنی دولت کو کافروں کی طرح اکٹھا

کرنے کی بجائے اسے اللہ کی راہ میں تقسیم کرو۔

۵ - اور اپنی پیاری نیندوں کو چھوڑ کر اللہ سے اتنا استغفار کرو کہ یہ معلوم ہو کہ یہ تمہاری فطرت کا جزو ہے۔

آیت ۱۹ :-

فرمایا: تمہارا معبود صرف اللہ ہے جو کہ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ اِس بات کی گواہی اللہ، ملائکہ اور اہلِ علم دے رہے ہیں۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اس کی ہر بات میں حکمت ہے۔

اِس آیت میں پھر نظامِ نو کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: اللہ وہ ذات ہے جس کے معبود ہونے پر زمین و آسمان اور انبیاء و اولیاء شہادت دے رہے ہیں۔ جب وہی معبودِ حقیقی ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ زمین و آسمان میں توازن برقرار رکھے ہوئے ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو جسے کہ اس نے عالمِ صغیر بنایا ہے اس توازن کو توڑنے کی اجازت دیدے۔ بے شک دُنیا میں جھگڑے چلتے ہیں زلزلے آتے ہیں اور طرح طرح کی آفات نازل ہوتی ہیں لیکن نظامِ عالم کا توازن بگڑنے نہیں پاتا۔ اِسی طرح اگرچہ عالمِ رُوحانی میں تمہیں شیطان کی ریشہ دوانیاں نظر آتی ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس نظام کو بگڑنے نہیں دے گا بلکہ ان لوگوں کے ذریعہ سے قائم کرے گا جن کے خصائل اُوپر بیان کئے گئے ہیں۔

آیت ۲۰ :-

یہ نظامِ نو کیا ہے ؟ اسلام !

آیت ۲۱ :-

اور اس کو قائم کرنے والے کون ہیں ؟ اللہ کا رسُول اور اس کے متّبعین !!

آیت ۲۲، ۲۳ :-

اور وہ لوگ جو اس نظام کو مٹانے کے درپے ہیں دُنیا اور آخرت میں خائب و خاسر رہیں گے۔

آیت ۲۴ تا ۲۶ :-

یہاں اُن منکرینِ حق کے ایک گروہ یعنی اہلِ کتاب کا ذکر کیا جو اسلام کے دشمن ہیں۔

آیت ۲۷ :-

اِس آیت میں مسلمانوں کو دُعا سکھلائی کہ اے ہمارے ربّ تُو جسے چاہتا ہے مُلک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ تمام خیر و برکت تیرے ہی ہاتھ میں ہے تُو ہر بات پر قادر ہے۔

اِس دُعا میں ایک عظیم الشّان پیشگوئی مُضمر ہے کہ حکومت بالآخر اہلِ اسلام کے ہاتھ میں آئے گی اور یہ نظامِ نو دُنیا

کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔

آیت ۲۸ :-

کفر و اسلام کی کشمکش کو ایک نہایت خوبصورت مثال سے واضح کیا فرمایا : اے ہمارے ربّ تو کبھی رات کو دن پر غالب کرتا ہے اور کبھی دن کو رات پر۔ کبھی مُردہ قوم سے زندہ قوم پیدا کر دیتا ہے اور کبھی زندہ قوم سے مُردہ قوم۔ یا کبھی مُردہ قوم سے زندہ لوگوں کو علیحدہ کر دیتا ہے اور کبھی زندہ قوم سے مُردہ اور منافق لوگوں کو علیحدہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی ارضی و سماوی نعمتوں سے نوازتا ہے۔

آیت ۲۹ :-

جب کفر و اسلام کی جنگ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ وہ لوگ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے موالات کرتے ہیں انہیں اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مومن کمزور ہوں تو کیا ان کے لئے جائز ہے کہ کافروں سے خوف کے پیشِ نظر موالات کر لیں۔

فرمایا : مومن کے لئے تو کافروں سے ڈرنا ہی جائز نہیں وہ تو صرف اللہ کی ذات سے ڈرتا ہے۔ البتہ تم ان کے شر سے بچاؤ کی تدابیر کر لو

آیت ۳۰ :-

پہلے فرمایا تھا کہ محارب کافروں سے موالات نہ کرو۔ اِس آیت میں فرمایا کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ یعنی تمہیں کافروں سے موالات کرنے کا خیال دل میں بھی نہیں لانا چاہیئے۔

پھر فرمایا : اللہ زمین و آسمان کے سب بھید جانتا ہے یعنی محاربین سے عدم موالات کا حکم یونہی نہیں دے دیا گیا۔ یہ حکم اس سکیم کا حِصّہ ہے جو زمین و آسمان میں جاری ہے جس کے مطابق حق باطل کے آگے سَرخم نہیں کرتا۔ یاد رکھو زمین و آسمان کی ہم آہنگی اور وہ نظام جو زمین و آسمان میں جاری ہے جس کے ماتحت آسمان زمین کو سیراب کرتا ہے اِس بات کے مقتضی ہیں کہ باطل کے ساتھ کوئی موالات نہ کی جائے۔ زمین سراسر آسمان کی محتاج ہے اگر وہ آسمان سے روکشی کرتی ہے تو اندھیروں میں گھر جاتی ہے۔ آسمان کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کا تعاقب کرے۔

پھر فرمایا : اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی تمہاری قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی۔ اگر وہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ کفار کے ساتھ موالات نہ کرو تو وہ اِس بات پر قادر ہے کہ تمہیں ان پر غلبہ عطا فرما دے۔

آیت ۳۱ :-

اور اگر یہ غلبہ تمہیں تمہاری زندگی میں نصیب نہیں ہوتا یا تمہیں اس راہ میں جان دینی پڑتی ہے تو یاد رکھو کہ قیامت کے دن ہر ایک اپنے عمل کا اجر پائے گا لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم نے جادہ استقامت سے انحراف کیا تو وہ دِن بعید نہیں جب تم یہ خواہش کروگے کہ کاش تم ایسا نہ کرتے۔

آیت ۳۲ :-

فرمایا: اگر تم رسُول کی اطاعت کروگے تو تمہیں اللہ کی محبت نصیب ہوگی اور وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔
یعنی یہ نہ سمجھو کہ جو حکم تمہیں دئے جارہے ہیں ان میں تمہاری بربادی ہے۔ رسُول کے ہر حکم کو ماننے میں اور اسکی کامل اطاعت سے اللہ کی محبت ملتی ہے۔ جسے محبُوب کی محبّت مِل گئی اسے بھلا اَور کیا چاہیئے۔ ؎

زندگانی چیست در راہ تو کردن جاں فدا
رستگاری چیست در بند تو بودن صید وار

آیت ۳۳ :-

اللہ کی اطاعت اور رسُول کی اطاعت کو ایک ہی حکم میں رکھ کر فرمایا: اگر تم اطاعت سے مُنہ موڑوگے تو اللہ کی محبت سے محروم ہوجاؤگے۔

آیت ۳۴، ۳۵ :-

فرمایا: اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اسی نظام کے قیام کے لئے چُنا۔

آیت ۳۶ تا ۳۸ :-

اس کے بعد آیت ۳۴، ۳۵ کے مضمون کی بعض تفاصیل بیان کیں یعنی انبیاء کے ذریعہ جو نظام قائم کیا جارہا ہے اس کی بعض جھلکیاں پیش کیں۔
خاص طور پر مسیح کا ذکر کیا کیونکہ وہ مکان جس کی بنیاد آدم نے رکھی تھی مسیح اس کی آخری اینٹ تھے اور حضرت سرورِ کائنات فخرِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس مکان پر محفوظ چھت ڈال دی گئی اور وہ مکمّل ہوگیا۔
آیت ۳۶، ۳۷ میں مریم کی پیدائش، اس کی ماں کا اس کو وقف کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس وقف کو قبول کرنے اور اس کی کفالت کا ذکر ہے۔

آیت ۳۹، ۴۰ :-

مریم کی انابت اور راستبازی دیکھ کر زکریا کو بھی رشک آیا کہ کاش میری بھی ایسی پاک اور طیب اولاد ہو۔
چنانچہ آپ نے اولاد کے لئے دعا کی فرشتہ نے بتلایا کہ تمہارے ہاں یحییٰ پیدا ہوگا۔

آیت ۴۱ :-

اگرچہ زکریا نے خود ہی اولاد کی دعا مانگی تھی۔ بشارت ملنے پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ نے کہا یا اللہ میں تو بڈھا کھوسٹ ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے بیٹا کیونکر ہوگا (جب انہونی ہو جائے تو ایسے کلمات کا زبان پر جاری ہونا فطرتی امر ہے۔ یہ اظہار تعجب دراصل اظہار تشکر کا ایک طریق ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'ہوگا' اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت ۴۲ :-

زکریا نے کہا یا اللہ میرے لئے کوئی نشان ٹھہرا۔ فرمایا تیرے لئے یہ نشان ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہ کرے۔
مندرجہ بالا آیات میں یحییٰ کا ذکر ضمناً آگیا ہے لیکن مسیح کی پیدائش کے ذکر سے قبل آپ کا ذکر نہایت موزوں تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح کے لئے بطور ارہاص کے تھے اور آپ سے چند ماہ قبل پیدا ہوئے تھے۔

آیت ۴۳ تا ۴۵ :-

یحییٰ کے ذکر کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا اور مریم کی کفالت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لوگ اس کی کفالت کے لئے اس قدر حریص تھے کہ یہ فیصلہ قرعہ اندازی سے کرنا پڑا۔
آیت ۳۸ تا ۴۲ تک یحییٰ کا ذکر بطور جملہ معترضہ آیا تھا اس سے پہلے مریم کی کفالت کا ذکر تھا اور اس ذکر کے ساتھ مریم اور زکریا کے اس مکالمہ کا ذکر ہوا تھا جس میں زکریا نے کہا تھا کہ اے مریم تجھے یہ رزق کہاں سے ملتا ہے اور اسنے کہا تھا اللہ کے ہاں سے۔ اس ذکر کے بعد پھر مریم کی کفالت کا ذکر کرنا اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ مریم کو جو رزق ملتا تھا اس میں کوئی خارق عادت بات نہ تھی بلکہ وہ لوگ جو اس کی کفالت پر مصر تھے اس کی دیانتداری، تقویٰ اور پارسائی کو دیکھ کر ثواب کی خاطر اس کو کھانے پینے کی چیزیں بطور نذرانہ دیتے رہتے تھے۔

آیت ۴۶ تا ۵۵ :-

مریم کا ذکر دراصل مسیح کے ذکر کے ارہاص کے طور پر تھا۔ مریم کے ذکر کے ساتھ مسیح کی ولادت، اس کے منصب نبوت پر فائز ہونے اور اس کے حواریوں وغیرہ کا ذکر کیا۔

آیت ۵۶ :-

جب مسیح کی نبوت پر ایک زمانہ گذر گیا تو سنت ایزدی کے مطابق اسے اس کی وفات اور اس کے بعد ہونیوالے

بعض واقعات کی اطلاع دی۔ فرمایا! ہم تجھے وفات دیں گے اور وہ الزام جو تجھ پر لگائے جاتے ہیں تمہیں ان سے پاک کیا جائیگا۔
اس میں درپردہ نبی آخرالزمان کی آمد کا اشارہ ہے کیونکہ قرآن کے علاوہ مسیح کی بریّت کا کوئی حتمی ثبوت نہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم تیرے ماننے والوں کو تیرا انکار کرنے والوں پر قیامت تک غلبہ دیں گے۔

آپ کے ماننے والے تو عیسائی اور مسلمان ہیں چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ آپ کے ماننے والوں کو آپ کے منکروں پر غلبہ دیا گیا۔

یہود کے فلسطین کے کچھ علاقہ پر قبضہ سے کسی غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیئے کیونکہ اوّل تو جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل سے معلوم ہوتا ہے یہ وقتی معاملہ ہے دوسرے یہ عیسائیوں کی طاقت (حبل من النّاس ۳ : ۱۱۳) کا مرہونِ منت ہے۔

آیت ۵۷ :-

فرمایا: آخر کار تیرے منکر ہمارے روبرو حاضر ہوں گے اور اپنے اعمال کا اجر پائیں گے۔

آیت ۵۸ :-

اسی طرح مومن بھی اپنے اعمال کا اجر پائیں گے۔

قرآن اکثر کافروں کے ساتھ مومنوں کا اور مومنوں کے ساتھ کافروں کا ذکر کر دیتا ہے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔

آیت ۵۹ :-

مریم یحیٰی اور عیسٰی کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ ہماری آیات اور ذکرِ حکیم کی بعض باتیں ہیں جو ہم تمہیں سُنا رہے ہیں۔
یعنی یہ باتیں بطور قصہ کہانی کے بیان نہیں کی جا رہیں بلکہ یہ واقعات اس سکیم کی کڑیاں ہیں جسے قرآن کے ذریعہ مکمّل کیا گیا ہے۔

آیت ۶۰ :-

فرمایا: عیسٰی کی مثال آدم کی مثال کی طرح ہے۔ اللہ نے اسے مٹّی سے پیدا کیا اور پھر حکم دیا کہ وجود میں آجا اور وہ بتدریج وجود میں آگیا۔

عیسٰی کی بن باپ خلقت کو بعض لوگوں نے اس کی الوہیّت کی دلیل بنا لیا۔ قرآن نے دلائل قاطع سے اس وہم کا ابطال کیا۔ فرمایا! مسیح اپنی پیدائش کے اعتبار سے باقی انسانوں کی طرح مٹّی کا ایک پُتلا تھا۔

اِس آیت میں اِس بات کا کھلا کھلا اشارہ ہے کہ جس طرح آدم مٹّی سے بنا اسی طرح مسیح بھی مٹّی سے بنا اور مقصودِ بیان یہ ہے کہ وہ جو مٹّی کا ایک پُتلا ہے جس کی تخلیق ایک خالق کے ارادہ کی مرہونِ منت ہے اور جسے کُن فیکون کی

چکی میں پیس کر انسان بنایا گیا کیونکہ خدا ہوسکتا ہے۔

آیت ۶۱ :۔

جب مسیح کی بشریت کی پختہ دلیل دے دی تو فرمایا: اے لوگو! حقیقت کھل جانے کے بعد تم اس کے بشر ہونے میں شک نہ کرو۔

آیت ۶۲ :۔

اِس آیت میں عیسائیوں کو دعوتِ مباہلہ دی گئی ہے۔ فرمایا: اگر یہ لوگ علم کے بعد بھی جہالت پر مُصر ہیں تو مُباہلہ کرلیں۔

آیت ۶۳ :۔

پھر پلٹ کر فرمایا کہ مسیح کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہی سچ ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں۔

آیت ۶۴ :۔

فرمایا: اگر یہ لوگ اَب بھی راہِ راست کو قبول نہیں کرتے یعنی مسیح کو خدا بنانے پر مُصِر ہیں تو اللہ ایسے مُفسدوں کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

قرآن نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اگر ایک کے علاوہ اَور خدا مانے جائیں تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے (۲۱ : ۲۳) اِس جگہ فرمایا کہ ایک سے زیادہ خدا ماننا زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔ نسلِ انسانی ایک نقطہ پر تبھی جمع ہوسکتی ہے کہ ان سب کا ایک ہی خدا اور ایک ہی معبُود ہو۔ اگر خدا ایک نہیں تو لوگ ایک کیونکر ہوسکتے ہیں۔ پس توحید کا عقیدہ عالمی وحدت کا ضامن ہے۔

آیت ۶۵ :۔

سابقہ آیات میں خطاب عیسائیوں سے تھا یہاں خطاب خاص سے عام کر دیا ہے اور اس میں یہود کو بھی شامل کرلیا ہے۔ فرمایا: اے اہلِ کتاب تمہاری کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ آؤ ہم اِسی مُشترک بات پر جمع ہو جائیں اور دقیق تاویلوں میں نہ پڑیں لیکن اگر تم اس سیدھی سادی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو سُن لو کہ ہم تو اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں۔

آیت ۶۶ :۔

اُوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ اہلِ کتاب سیدھی سادی بات کو چھوڑ کر دقیق تاویلوں میں پڑ کر اپنے ایمان کو ضائع کرتے ہیں۔ یہاں ان کی اس جدتِ طبع کی ایک اَور مثال دی۔ یہود اور عیسائی دونوں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم

انکے دین پر تھے۔ فرمایا: تورات اور انجیل تو ابراہیم کے سینکڑوں برس بعد کی کتب ہیں۔ پھر ابراہیم کے مذہب کو ان کتب کی روشنی میں کیونکر جانچا جاسکتا ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ خود ابراہیم کے مسلک پر گامزن ہونے کی کوشش کرتے لیکن بجائے اس کے کہ اپنے آپکو بدلتے انہوں نے ابراہیم کے دین کو بدلنا شروع کر دیا۔ یہاں اِس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اصل دین ابراہیم ہی کا دین ہے یعنی دینِ حنیف (۶۸) جس کے معنی ہیں وہ دین کہ جس کا نکتۂ مرکزی ربّ العزّت ہے۔

آیت ۶۷ :-

فرمایا: اے اہلِ کتاب! تمہاری حماقت کا یہ عالم ہے کہ تمہیں جن باتوں کا علم ہے تم ان میں بھی جھگڑا کرتے ہو یعنی کتاب کی نصِ صریح میں وجہ اختلاف نکال لیتے ہو۔ لیکن یہ کیا ستم ہے کہ تم اُن باتوں پر بھی جھگڑتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں۔

اِس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض مجمل پیشگوئیاں ہوتی ہیں ان کی تفاصیل کا علم وقت آنے پر کھلتا ہے ایسی ہی پیشگوئیاں نبی آخرالزماں کے متعلق تورات اور انجیل میں بیان کی گئی تھیں ان کا تفصیلی علم حضورؐ کی بعثت کے بعد دیا گیا۔ پس اہلِ کتاب کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ اصل حقیقت کھُل جانے کے بعد بھی اپنے اجمالی علم کو تفصیلی علم کا بدل بنا لیتے اور محض اِس وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے کہ حضورؐ کی نبوّت ان کے اس معیار پر پوری نہیں اُترتی تھی جو انہوں نے اپنے اجمالی علم کی بناء پر خود بخود وضع کر لیا تھا۔

اِس آیت کا حُسنِ کلام ملاحظہ ہو۔ ابراہیم کے متعلق یہود و نصارٰی کے باہمی جھگڑے نے ان کی سرشت سے پردہ اُٹھایا تھا کہ یہ لوگ جان بُوجھ کر جھگڑا شروع کر دیتے ہیں جب ان کی یہ سرشت الم نشرح ہوگئی اور الزام ثابت ہوگیا تو اس سے فائدہ اُٹھا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے متعلق ان کے ایسے ہی رویہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ جان بُوجھ کر تو جھگڑا کرتے ہی تھے اَب بے جانے بُوجھے بھی جھگڑا کرنے لگے ہیں۔ گریز کی ایسی خوبصورت مثال علمِ بیان میں کم ہی ملتی ہے۔

اِس کے بعد فرمایا: یاد رکھو! اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے یعنی عِلم وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت کا جامہ پہنا دیا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (۶ : ۱۲۵) تم اپنی لاعلمی کو علم کا درجہ نہ دو اور خواہ مخواہ انکار نہ کرو۔

آیت ۶۸، ۶۹ :-

اِن آیات میں یہود ونصاریٰ کے ابراہیم کے متعلق جھگڑے سے اسلام کی صداقت کی ایک اور دلیل پیدا کر دی۔ فرمایا: ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ وہ خدا کا ایک فرمانبردار بندہ تھا اور وہ تمہاری طرح مُشرک نہیں تھا۔ اس سے قریب تر تو وہی لوگ ہیں جو اس کے مسلک پر چلتے ہیں یعنی فی زمانہ یہ نبی اور مومن۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ جس طرح ابراہیم کا دوست تھا ان کا بھی دوست ہے۔

آیت ۷۰ :-

اُوپر کی آیات میں یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کے ضمن میں مومنوں کا ذکر آگیا تھا۔ اِس آیت میں فرمایا: مومنو! ان میں سے بعض لوگ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں یعنی دینِ ابراہیم سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نادانستہ وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں کیونکہ دینِ ابراہیم سے برگشتگی ہی گمراہی ہے۔

آیت ۷۱ :-

اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا: تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ ان کی صداقت کے تم خود گواہ ہو یعنی رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمہاری کتب میں شہادتیں درج ہیں جن کے تم خود گواہ ہو۔ پس جب تم رسُول کا انکار کرتے ہو تو دراصل اپنی کتب یعنی اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو۔

آیت ۷۲ :-

پھر فرمایا: اے اہلِ کتاب! تم کیوں حق اور باطل کو خلط ملط کرتے ہو؟ اور دیدہ دانستہ حق کو چھپاتے ہو۔ اہلِ کتاب کے علماء جب اپنی کتب میں حضور کے متعلق پیشگوئیاں دیکھتے تو اوّل تو ان شہادتوں سے عوام کو مطلع نہ کرتے اور پھر ان کی غلط سلط تاویلیں کر کے سچائی کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ اِس آیت میں ان کے اِسی طرزِ عمل کی طرف توجہ دلائی۔

آیت ۷۳ تا ۷۵ :-

آیت ۷۰ میں بتلایا تھا کہ اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر یہ بتلایا کہ اِس منصُوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ اپنی کتب کی شہادتوں کو کبھی تو چھپاتے ہیں اور کبھی غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

اِس آیت میں ان کے مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کے ایک اور طریق کا ذکر کیا۔ فرمایا: ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مومنوں کے دین پر صبح کے وقت ایمان لے آؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تاکہ جب یہ لوگ دیکھیں کہ ایک جمِ غفیر اسلام کے دائرہ سے باہر نکل رہا ہے تو تمہاری دیکھا دیکھی وہ بھی اپنے دین کو چھوڑ دیں لیکن یہ

احتیاط رکھنا کہ تمہاری سکیم دوسروں پر ظاہر نہ ہو جائے۔

ان کے اس منصوبہ کے ردّ میں فرمایا کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کے حضور سے ملتی ہے یعنی جس پر انسان علیٰ وجہ البصیرت قائم ہو جاتا ہے۔ دیکھا دیکھی کا دین تو کوئی دین نہیں۔

اِس آیت میں درپردہ ان پر طعن کیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے دین پر علیٰ وجہ البصیرت قائم نہیں اور سمجھتے ہیں کہ مومنوں کا بھی یہی حال ہے۔

پھر فرمایا: کیا تم مومنوں سے اِس لئے رنجیدہ ہو کہ انہیں وہ برکات مِل گئیں جو کبھی تمہیں ملی تھیں یا کیا تمہیں یہ خطرہ ہے کہ قیامت کے دن وہ تمہیں اللہ کے حضور موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔

یعنی مومنوں کا دین تو وہی ہے جو کبھی تمہارا تھا یعنی تسلیم و رضا پھر تم کیوں ان کے ارتداد کے درپے ہو؟ غور کرو اور دیکھو کہ کہیں خود تمہارے دِل تمہارے خلاف گواہی تو نہیں دے رہے۔

پھر فرمایا: تمہارا حسد اور بُغض اللہ کے اس احسان کو جو اس نے مومنوں پر کیا ہے روک نہیں سکتا۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چُن لیتا ہے۔ اس کے فضلوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

آیت ۷۶ :۔

فرمایا: اہلِ کتاب میں سے ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر تُو ان کے پاس خزانوں کے ڈھیر رکھ دے تو اس میں خیانت نہیں کریں گے اور ایسے بھی ہیں کہ اگر تُو ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دے تو وہ اسے واپس نہیں کرینگے سوائے اِس کے کہ تُو ان کے سَر پر چڑھ کر وصُول کرلے۔

سابقہ آیات میں اہلِ کتاب کی جن کج رویوں کا ذکر تھا اس میں بُنیادی چیز دیانت کی کمی تھی۔ ان کی کج بحثی اور مسلمانوں کو دھوکہ سے ورغلانے کی کوشش کرنا اور امانت میں خیانت کرنا دراصل ایک ہی بیماری کی مختلف علامات تھیں اور وہ بیماری دیانت کی کمی تھی۔ اِس آیت میں ان کی بیماری کی تشخیص کردی لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں سے خدا ترس لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔

قرآن میزان کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا پس جب اہلِ کتاب کی خیانت کا ذکر کیا تو نیکو کاروں کو اِس ذکر سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

پھر فرمایا: ان کی اِس بیماری کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ غیر قوموں کے معاملہ میں ہم سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی۔ اور ان کی بیباکی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اپنے جھُوٹ کی سَند کلامِ الٰہی سے لیتے ہیں۔

دیکھو! کلامِ الٰہی میں کس قدر نظم ہے۔ پہلے بیماری کا ذکر کیا پھر ماہر حکیم کی طرح اس کی علامات کی تشخیص کی اور پھر اس کا سبب بیان کیا۔

آیت ۷۷ :-

فرمایا: وہ یہ نہ سمجھیں کہ اُن سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی۔ ہوگی اور ضرور ہوگی۔ اللہ کی محبّت تو صرف اُن لوگوں کو ملتی ہے جو اس کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں۔

اِس آیت میں اس بیماری کے نتائج اور اس سے نجات پانے کے فوائد بتلائے۔

آیت ۷۸ :-

اِس آیت میں اس بیماری کے بعض اَور نتائج کا ذکر کیا۔ فرمایا: آخرت میں ان کو حصّہ نہیں ملے گا۔ محبُوب نہ اُن سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

آیت ۷۹ :-

اِس آیت میں ان کی بیماری کے ایک اَور پہلو کو نمایاں کیا۔ فرمایا: ان میں سے بعض لوگ یعنی ان کے بعض علماء الفاظ کو توڑ مروڑ کر یُوں پڑھتے ہیں کہ وہ بات جو کتاب الٰہی میں نہیں لکھی کتابِ الٰہی کے مذکورات میں سے معلوم ہو۔

آیت ۸۰، ۸۱ :-

فرمایا: انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوّت دے اور وہ لوگوں کو یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ یا یہ کہنے لگے کہ فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو۔

اِس میں اہلِ کتاب کو کہا گیا کہ تمہارے نبیوں کی تعلیم وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ وہ کیونکر تمہیں شرک کی تعلیم دے سکتے تھے۔

آیت ۶۵ میں بتلایا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر خدا کے بندوں کو خدا نہ بناؤ۔ یہاں اسی بات کو دُہرا کر یہ مضمون ختم کر دیا۔ گویا فرمایا کہ ان کی بیماری کی اصل جڑ یہ ہے کہ ان کے اکابر اور ان کے عُلماء ان کے خدا بن چکے ہیں۔

آیت ۸۲، ۸۳ :-

اِس آیت میں اس عہد کا ذکر کیا جو کہ تمام انبیاء سے یعنی ان کی اُمتوں سے لیا گیا تھا کہ تم اپنے بعد آنیوالے رسُول پر ایمان لاؤ گے۔

مقصود بیان یہ ہے کہ عہد تو تم سے یہ لیا گیا تھا کہ اپنے بعد آنے والے رسول پر ایمان لاؤ گے لیکن تم اس عہد کو نبھانے کی بجائے اُلٹا لوگوں کو اس سے ورغلانے کی کوشش کر رہے ہو۔

آیت ۸۴ :-

فرمایا: کیا یہ لوگ عہد اِس لئے توڑ رہے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی اَور کی اطاعت کر لیں لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین و آسمان کی ہر ایک شَے اسی کے تابع فرمان ہے۔

آیت ۸۵ :-

حضورؐ کی زبان سے کہلوایا: تم جسے چاہو خدا بنا لو ہم تو سب رسولوں کو مانتے ہیں اور اسی کے فرمانبردار ہیں۔

آیت ۸۶ :-

فرمایا: اللہ کے حضور تو فرمانبرداری ہی کام آئے گی۔

آیت ۸۷ :-

اِس آیت میں اہلِ کتاب کو ایک اَور طریق سے مُلزم ٹھہرایا ہے۔ وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر آپکی بعثت سے پہلے اجمالی ایمان تو لے آئے تھے لیکن بعثت کے بعد انکار کر دیا۔ فرمایا: وہ لوگ کیونکر ہدایت پا سکتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کُفر اختیار کریں۔ حالانکہ جب وہ ایمان لائے تھے تو بات کُھلی نہ تھی اور اب تو روشن نشانات کے ساتھ رسُول کی صداقت ثابت ہو چکی ہے۔

آیت ۸۸ تا ۹۲ :-

فرمایا: یہ لوگ اللہ سے دُور جا پڑے ہیں پس ان کے لئے مستقل عذاب ہے۔ البتہ وہ لوگ جو توبہ کر لیں گے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے نیچے آ جائیں گے لیکن کُفر میں بڑھنے والوں کی نمائشی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ اور نہ ہی قیامت کے دِن وہ کوئی فدیہ دے کر چھُوٹ سکیں گے اگرچہ وہ اتنی دولت ہو کہ زمین میں مشکل سما سکے۔

آیت ۹۳ :-

اُوپر کی آیات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز انسان کو سب سے زیادہ کُفر کی طرف لے جاتی ہے وہ بُخل ہے۔ بُخل ہی کے نتیجہ میں انسان اس راستی کو قبول نہیں کرتا جو دوسروں کے ہاں سے ملتی ہے (۷۴) اور بُخل ہی کے نتیجہ میں بددیانتی پیدا ہوتی ہے (۷۶)۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیامت کے دِن انسان کی آنکھیں کُھل جائیں گی تو اس کی فطرت میں بُخل کے خلاف ردِّ عمل پیدا ہو گا اور وہ خواہش کرے گا کہ تمام دولت لُٹا کر اللہ

کی رضا حاصل کرلے (۹۲)۔

جب بُخل کے خلاف فطرت کو تیار کرلیا تو حُکم دیا کہ اللہ کی راہ میں ان چیزوں کو خرچ کرو جن سے تمہیں محبّت ہے۔ یعنی مال بھی خرچ کرو، آرام بھی صرف کرو، اولاد اور جان بھی دو۔

یہاں ربط کی ایک اور صُورت بھی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن دوزخ کے ساتھ جنّت کا اور کُفر کے ساتھ ایمان کا ذکر کر دیتا ہے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آکر بات بالکل واضح ہو جائے۔

پہلے فرمایا تھا کہ اللہ کے حضور فرمانبرداری کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہیں کیا جائے گا (۸۶) پھر کفر اور کفر میں بڑھنے کا اور اس کے نتائج کا ذکر کیا (۹۱، ۹۲) منفی پہلو بیان کرنے کے بعد مثبت پہلو کا ذکر بھی ضروری تھا۔ لہٰذا نیکی اور ایمان کی حقیقت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جب تک انسان اللہ کی راہ میں ان چیزوں کو خرچ نہیں کرتا جن سے اسے محبّت ہے وہ ایمان اور نیکی کی رُوح کو نہیں پا سکتا۔ یاد رہے کہ قرآن نے بِرّ سے مُراد ایمان اور انفاق وغیرہ لیا ہے (۲: ۱۷۸)

اس میں اہلِ کتاب پر ایک طعن بھی ہے کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ وہ ابراہیمی مسلک کے واحد وارث ہیں لیکن ابراہیم نے تو اپنی محبُوب ترین چیز یعنی اپنا بیٹا اللہ کی راہ میں دے دیا تھا لیکن یہ لوگ تو اللہ کی راہ میں ایک کوڑی دینے کو تیار نہیں۔

آیت ۹۴ :۔

سابقہ آیات میں رسُول کا یہ دعویٰ بیان کیا تھا کہ ابراہیمی مسلک پر ہم چلتے ہیں اور تم اس کو چھوڑ چکے ہو۔ اس پر اہلِ کتاب نے اعتراض کیا کہ تم تو ان چیزوں کو بھی کھاتے ہو جو دینِ ابراہیم کے مطابق حرام ہیں۔ فرمایا: تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے۔ تورات کو اُٹھا کر دیکھ لو اسرائیل (یعقوب) نے بعض چیزوں کو اپنے لئے مُضر سمجھ کر ترک کر دیا تھا اور تمہیں کچھ ضرورت نہیں تھی کہ ان کو ترک کرتے۔ بہر حال ہم جن چیزوں کو کھاتے ہیں وہ شریعت ابراہیم میں سب کی سب حلال تھیں۔

آیت ۹۵ :۔

فرمایا: ہمارے اِس حقیقت کو بیان کر دینے کے بعد اب اگر تم یہ کہو کہ فلاں چیزیں اللہ نے تورات میں حرام قرار دی تھیں تو تم اللہ پر افترا باندھنے والے ٹھہرو گے۔

آیت ۹۶ :۔

اہلِ کتاب پر الزام ثابت کرنے کے بعد فرمایا: جب یہ ثابت ہوگیا کہ رسُول ہی ملّتِ ابراہیم کا علمبردار ہے اور وہی اس پیشگوئی کو پُورا کرنے والا ہے جس کے لئے ابراہیمؑ نے دُعا کی تھی (۲ : ۱۳۰) تو تمہارے لئے واجب ہے کہ دینِ ابراہیم کی یعنی رسُول کی اتباع کرو اور اپنے مُشرکانہ عقائد کو چھوڑ دو۔

آیت ۹۷، ۹۸ :-

جب رسُول کی اتباع کا حُکم دیا تو اس نظام کا بھی ذکر کیا جس کو رسُول نافذ کرنے آیا اور جس کے لئے سابقہ انبیاء لوگوں کو تیار کرتے آئے اور وہ نظام یہ ہے کہ اس نور کے ذریعہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی تمام دُنیا کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے تاکہ تمام لوگوں کا ایک ہی قبلہ ہو اور کالے اور گورے اور مشرقی اور مغربی کی تمیز مٹ جائے۔ اِس وحدتِ عالمی کے قیام کا بہترین طریق حج ہے چنانچہ فرمایا حج تمام ذی استطاعت لوگوں پر فرض ہے۔

آیت ۹۹ :-

اہلِ کتاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو۔ اللہ کی آیات میں سے کعبہ بھی ہے جو اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ہے۔ قرآن بھی ہے اور رسُول بھی ہے جو آخری شریعت کا حامل ہے۔

آیت ۱۰۰ :-

پھر فرمایا: اے اہلِ کتاب تم لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو حالانکہ تم خود اس کی صداقت کے گواہ ہو۔

آیت ۱۰۱ :-

فرمایا: اہلِ کتاب کی اتباع میں اپنا ایمان ضائع نہ کرنا۔ یہاں اہلِ کتاب سے التفات کر کے مومنوں کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ بجائے اِس کے کہ تم ان کی پیروی کرو ان کی مثال سے سبق حاصل کرو۔ اب قبائے امامت ان سے لے کر تمہیں دی جا رہی ہے تم اس کا حق ادا کرنا (۱۱۱)

آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴ :-

پھر فرمایا: تم کیونکر کفر کی راہ اختیار کر سکتے ہو جبکہ تمہیں تواتر کے ساتھ نشانات دکھلائے جا رہے ہیں اور خود خدا کا رسُول تم میں موجود ہے پس اللہ کے ساتھ اپنا تعلق استوار کر لو۔ اس کا تقویٰ اختیار کرو اور وحدتِ ملّی کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ قریب تھا کہ تم باہمی جنگ و جدال کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتے لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا اور وہ جو دشمن تھے بھائی بھائی بن گئے۔

آیت ۱۰۵ :-

چونکہ قرآن کے ذریعے ایک عالمی اور دائمی نظام قائم کیا جا رہا تھا اِس لئے ضروری تھا کہ اس کی تبلیغ اور تعلیم کا مستقل بندوبست کیا جاتا چنانچہ فرمایا: چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ہمیشہ قرآن کی تعلیم دیتا رہے۔

آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸ :-

پھر فرمایا: مسلمانو! پہلے لوگوں کی طرح تفرقہ بازی کا شکار نہ ہو جانا (افسوس کہ اس قوم کو جس چیز سے منع کیا گیا تھا اسی کی طرف اس کے علماء اور زعماء اس کو دھکیل رہے ہیں) فرمایا: تفرقہ بازی کے نتیجہ میں تم عذابِ عظیم میں گرفتار ہو جاؤ گے اور تمہارے مُنہ آگ میں جل کر کالے ہو جائیں گے لیکن وہ لوگ جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں عافیت ڈھونڈیں گے اور وحدتِ قومی کو پارہ پارہ نہیں ہونے دیں گے سُرخرو ہوں گے۔

اِس جگہ یہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں ہوگا کہ قرنِ اُولیٰ کے بعض مسلمانوں نے مثلاً محمد بن قاسم نے جان دیدی لیکن وحدتِ ملّی پر حرف نہ آنے دیا۔

آیت ۱۰۹ :-

اِس تمام افہام وتفہیم کے بعد فرمایا: یہ اللہ کی آیات ہیں جو تمہیں سُنائی جا رہی ہیں۔ ان کا نزول دُنیا پر ظلم نہیں، یہ امن کا پیغام ہیں۔

آیت ۱۱۰ :-

فرمایا: اللہ زمین و آسمان کا مالک ہے اور تمام اہم اُمور کا وہی فیصلہ فرماتا ہے لیعنی خدا تعالیٰ کی کامل حاکمیت اِس بات کو چاہتی ہے کہ وہ کامل شریعت نازل کرے۔ اور اب وہی اِس بات کا فیصلہ کرے گا کہ کس کو غلبہ عطا فرمائے

آیت ۱۱۱ :-

فرمایا: تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے کھڑی کی گئی ہو۔ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو یعنی وہ غلبہ جس کا سابقہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے بہترین اُمّت کو ملے گا اور تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ سے ملے گا نہ کہ جبر و استبداد کے ذریعہ سے

یہاں وہی مضمون جو بقرہ میں شُهَدَآءَ عَلَى النَّاس (۲: ۱۴۴) کے الفاظ سے بیان کیا گیا تھا اُخْرِجَتْ لِلنَّاس کے الفاظ سے دُہرایا گیا ہے۔

فرمایا: اگر اہلِ کتاب قرآن پر ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔

اسلوبِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اہلِ کتاب کا لفظ عام سے خاص ہوگیا ہے اور اس سے مُراد یہودی ہیں۔

آیت ۱۱۲، ۱۱۳ :۔

فرمایا: اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو سوائے معمولی اذیت پہنچانے کے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھلائیں گے۔ فرمایا: سوائے اِس کے کہ یہ لوگ اللہ کی پناہ میں آجائیں یعنی دینِ اسلام کو قبول کر لیں یا لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔ ان کو کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا' دربدر کی ٹھوکریں کھائیں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے۔ فرمایا: ان کے لئے یہ عذاب اِس لئے مقدّر ہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنا اور اس کے انبیاء کے قتل کے درپے رہنا ان کا وطیرہ بن گیا ہے' اور اس کی وجہ ان کا عصیان اور عدوان ہے۔

آیت ۱۱۴ تا ۱۱۸ :۔

قرآن کا قاعدہ ہے کہ یُونہی ساری قوم کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا دیتا۔ راستباز اور پاک لوگوں کو مستثنٰی قرار دے دیتا ہے چنانچہ فرمایا: اہلِ کتاب سارے کے سارے ایک جیسے نہیں' ان میں راستباز اور عبادت گذار بھی ہیں اور نیک عمل کرنے والے بھی ہیں' ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ البتہ جو لوگ ناشکر گذار ہیں اور انکار ان کا شیوہ ہے ان کے اعمال رائگاں جائیں گے اور جو کچھ وہ صدقہ و خیرات کے نام پر خرچ کرتے ہیں ضائع جائیگا۔

آیت ۱۱۹ :۔

جب اہلِ کتاب میں سے فاسق لوگوں کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ یہ لوگ تمہاری اذیت کے درپے ہیں تو فرمایا: ان لوگوں کو جگری دوست نہ بناؤ ان کے دِل بُغض سے اِس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ بُغض ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

آیت ۱۲۰، ۱۲۱ :۔

پھر ان میں سے منافقوں کے متعلق فرمایا: تم ان کی محبت میں مرے جا رہے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ اور تم ان کی کتابوں کو مانتے ہو لیکن وہ تمہاری کتابوں کو نہیں مانتے۔ جب تمہیں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے لیکن جب علیحدہ ہوتے ہیں تو تم پر دانت پیستے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی خیر پہنچے تو انہیں اس سے دُکھ ہوتا ہے اور اگر تمہیں کوئی دُکھ پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں پس ان سے دوستی کرنے کی بجائے اُن سے کنارہ کشی اختیار کرو اور صبر و ہمت سے کام لو' اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے مکروں سے بچائے گا۔

آیت ۱۲۲، ۱۲۳ :۔

فرمایا: اے رسُول! وہ وقت بھی یاد کر جب تُو اپنے گھر کے لوگوں سے مومنوں کو ان کے جنگ کے مقام بتلانے کے لئے صُبح صُبح نکلا تھا۔

مومنو! اللہ اس تمام واقعہ کو جانتا ہے جب تم میں سے دو گروہ بُزدلی دکھلانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

پہلی آیات میں منافقین یہود کا ذکر کیا تھا اور آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ تمہیں ان کے مکروں سے بچائے گا۔ آیت ۱۲۲، ۱۲۳ میں جنگِ اُحد کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کی منافقت اور بُغض و عناد کو طشت از بام کرتا ہے۔

جیسا کہ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ کے الفاظ غمازی کر رہے ہیں حضورؐ کا منشاء جنگ مدینہ کے اندر لڑنے کا تھا لیکن بعض صحابہؓ نے باہر جا کر لڑنے کا مشورہ دیا جسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ جب حضورؐ جنگ کے لئے نکلے تو عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین راستہ میں اپنے تین سَو ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ ہو گیا۔ اسکے اُکسانے پر خزرج کے بنو سلمہ اور اوس کے بنو حارثہ بھی گومگو میں پڑ گئے لیکن آخر کار انہوں نے ثابت قدمی دکھلائی۔

چونکہ اس جگہ مقصودِ بیان یہ تھا کہ اگر تم صبر و ہمت سے کام لوگے اور منافقوں سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اِس لئے مذکورہ بالا واقعہ کے بیان میں عبداللہ بن ابی کا ذکر محض اشارۃً کیا ہے۔ اِس طرزِ کلام سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ منافق التفات کے لائق نہیں۔ گویا جو حکم مومنوں کو دیا تھا کہ انہیں مُنہ نہ لگاؤ۔ نہایت احسن اور حکیمانہ طریق سے اس کی ایک عملی شکل پیش کر دی۔

اِس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صرف اِذْ غَدَوْتَ کیوں نہ کہا اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ کیوں کہا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کا کوئی لفظ اور کوئی حرف بلا حکمت نہیں۔ مِنْ اَهْلِكَ کے الفاظ لا کر ایک تو اِس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حضورؐ عین جنگ کے ایّام میں بھی اپنے اہل کے حقوق ادا کرتے تھے، اور دوسرے یہ بات بتلائی کہ قومی ضرورت کے وقت حضورؐ اپنے آرام اور آسائش کا خیال نہیں کرتے تھے۔

آیت ۱۲۴:۔

آیت ۱۲۳ میں دو گروہوں کے بُزدلی دکھلانے کا ذکر کیا تھا آیت ۱۲۴ میں ایسے لوگوں کو بتلایا کہ بدر میں تو کیا بلحاظ ساز و سامان اور کیا بلحاظ تعداد تم اس سے بھی کم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتح نصیب کی پس تم اللہ ہی کو اپنی سپر بناؤ تاکہ اس کے افضال تم پر عام ہوں اور اس کے نتیجہ میں تم اللہ کا شکر ادا کر سکو۔

آیت ۱۲۵، ۱۲۶:۔

فرمایا: اُحد کے دن رسول مومنوں سے کہہ رہا تھا: تم تین سَو آدمیوں کے علیحدہ ہو جانے سے کیوں پریشان ہو رہے ہو اللہ اس کے عوض تمہیں تین ہزار فرشتے مدد کے لئے بھیج دے گا تین ہزار ہی نہیں اگر مشرک ابھی تم پر حملہ کر دیں (جبکہ تمہاری پریشانی تازہ ہے) تو وہ تمہاری مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے بھیج دے گا۔

آیت ۱۲۷، ۱۲۸ :-

فرمایا: فرشتوں کی مدد کا ذکر اس لئے کیا گیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے دِل استوار کر دے اور وہ حوصلہ سے لڑیں اور کافروں کا ایک بازو کاٹ کر رکھ دیں اور وہ بے نیل مرام اپنے گھروں کو واپس لوٹیں۔

آیت ۱۲۹ :-

فرمایا: تجھے اس میں کوئی دخل نہیں کہ اللہ کافروں کو معاف کر دیتا ہے یا انہیں عذاب دیتا ہے۔ وہ بہر حال ظالم ہیں۔

اِس آیت میں حضورؐ کی ہمدردی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِسی مضمون کو دوسری جگہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۲۶ : ۴) کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔ حضورؐ رحمۃٌ للعالمین تھے، نہیں چاہتے تھے کہ کافر تباہ کر دیئے جائیں۔ حضورؐ کی خواہش تھی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے وارث بنیں۔

آیت ۱۳۰ :-

فرمایا: اللہ زمین و آسمان کا مالک ہے جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مالکیّت اور کافروں کے ظلم کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دیتا لیکن چونکہ وہ عذاب دینے میں دھیما ہے اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے اس لئے اس نے ان کو مُہلت دی اور بالآخر ان میں سے اکثر اس کی رحمت کے سایہ کے نیچے آ گئے۔

آیت ۱۳۱ تا ۱۳۴ :-

فرمایا: مومنو! اپنے مال کو بڑھانے کے لئے سُود نہ کھاؤ۔ اللہ اور رسُول کی اطاعت کرو تاکہ اللہ کی مغفرت کو اور جنّت کو حاصل کر سکو اس جنّت کو جو متقیوں کے لئے بنائی گئی ہے۔

اُوپر کی آیات میں یہ بحث چل رہی تھی کہ ابراہیم کے مسلک پر اہلِ کتاب گامزن ہیں یا اہلِ اسلام۔ جب یہ فرمایا کہ ابراہیم کا مذہب تو اسلام ہی تھا تو اہلِ کتاب کی اسلام دشمنی کا ذکر بھی آگیا۔ پھر ان کے نفاق کا بھی ذکر آیا۔ اسلام

کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جو نظام قائم کرنا چاہتا ہے اس کا ایک رُخ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ فرمایا کہ خدائے واحد کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو (۶۵، ۹۶) اس نظام کا دوسرا رُخ انسانوں کی طرف ہے۔ انسانی حقوق کو تلف کرنے والی سب سے بڑی چیز بددیانتی اور بُخل ہے چنانچہ ان دونوں کی مذمت کی اور انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا (دیکھو نوٹ زیر آیت ۹۲)

بُخل اور بددیانتی کی ایک بھیانک صورت سُود خوری ہے۔ سُود خور انسان کو انسان نہیں سمجھتا اور اس کا خون چُوسنے کے درپے رہتا ہے۔ وہ انسانیت کے درجہ سے گر کر ایک Parasite بن جاتا ہے بجائے اس کے کہ وہ انسانوں کے لئے اپنی ہمت اور روپیہ خرچ کرے ان کی تحصیل اس کا نصب العین بن جاتا ہے۔ پس سُود کا نظام بُخل اور بددیانتی پر مبنی ہے اور قرآن اسے یکسر مٹا دینا چاہتا ہے اور اس کے عوض وہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد صدقہ اور انفاق پر ہو۔

آیت ۱۳۵ تا ۱۲۷:۔

اِن آیات میں ان لوگوں کے خدوخال کا ذکر کیا جو نظامِ نو کے علمبردار ہوں گے۔ وہ اللہ کے حقوق ادا کرنیوالے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں عُسر و یُسر میں مال خرچ کریں گے مغلوب الغضب نہیں ہوں گے۔ لوگوں کے ساتھ مہربانی اور حُسنِ سلوک سے پیش آئیں گے۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو کثرت سے استغفار کریں گے اور اپنی غلطی پر اصرار نہیں کریں گے۔

آیت ۱۳۸:۔

جب ان لوگوں کا ذکر کیا جو اِس نظامِ نو کے علمبردار ہیں تو اس کے ساتھ ہی مکذّبین کا ذکر بھی کر دیا تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔

فرمایا: یہ نظام آج قائم نہیں کیا جا رہا یہ ہماری سُنّتِ قدیمہ کا ایک منظر ہے۔ جو لوگ اِس نظام کے خلاف صف آرا ہوئے تھے تم ان کے انجام سے واقف ہو۔ پس مکذّبین کے ساتھ جو کچھ پہلے ہوا وہی کچھ آج بھی ہو گا۔

آیت ۱۳۹:۔

فرمایا: یہ بات ہم نصیحت کے طور پر کہہ رہے ہیں۔

آیت ۱۴۰:۔

پھر مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اگر تم مومن ہو تو تم بہر حال غالب آؤ گے۔

آیت ۱۴۱، ۱۴۲ :۔

حق و باطل کے اِس معرکہ نے کفار کی تیغ کشی کے نتیجہ میں جنگ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ بدر میں تو مسلمانوں کو صاف صاف فتح نصیب ہوئی تھی لیکن اُحد میں ہزیمت کا رنگ پایا جاتا تھا۔ اس سے مسلمان کسی قدر دِل برداشتہ ہو گئے تھے، چنانچہ آیت ۱۴۰ میں ان کو فرمایا کہ تم ایک آدھ ہزیمت سے دِل گرفتہ نہ ہو آخر کار تمہیں ہی فتح ہو گی۔ پھر فرمایا: اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچا ہے تو ایسا ہی نقصان کفار کو پہنچ چکا ہے۔ ایام بدلتے رہتے ہیں لیکن آخر کار تمہاری ہی فتح ہو گی۔ اِسی مضمون کو ایک شاعر نے بہت عمدہ الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

فیوماً علینا و یوماً لنا ٭ و یوماً نُساء و یوماً نُسر

(کبھی ہم مغلوب ہوئے اور کبھی غالب - کبھی رنجیدہ ہوئے اور کبھی خوش)

آیت ۱۴۳ :۔

فرمایا: تم جنت کو جہاد اور اللہ کی راہ میں صبر و استقلال دکھلائے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ یعنی یہ کھیل پھولوں کی سیج نہیں تمہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کانٹوں کی وادی میں سے گزرنا ہو گا۔

آیت ۱۴۴ :۔

پھر ان کے حوصلے بلند کرنے کے لئے فرمایا: تم تو وہ قوم ہو جو موت کی تمنا کرتے تھے، اور تم اپنے عہد میں ایسے سچے نکلے ہو کہ جب موت آئی تو اس نے تمہیں منتظر پایا۔

آیت ۱۴۵ :۔

جنگِ اُحد میں حضورؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تھی جس سے مسلمان سخت دِل برداشتہ ہو گئے تھے۔ فرمایا: محمدؐ صرف ایک رسول ہے اُس سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں پس اگر وہ فوت ہو جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم اس عہد کو جو تم نے اللہ سے باندھ رکھا ہے توڑ دو گے؟

اِن آیات میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے ہر طور اور طریق سے تیار کیا جا رہا ہے۔ کہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے اور کہیں ان کو یہ بتلایا جا رہا ہے کہ نقصان اور تکلیف کے نتیجہ میں تم نے صبر و ہمت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کا نہیں اپنا ہی نقصان کرو گے۔

آیت ۱۴۶ :۔

پھر فرمایا: موت تو اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی پھر تم کس لئے ڈرتے ہو موت کا تو ایک قانون مقرر ہے اگر تم

چاہو تو عارضی زندگی کی خاطر دائمی موت قبول کر لو اور اگر چاہو تو عارضی موت کے عوض دائمی زندگی حاصل کر لو۔

آیت ۱۴۷ تا ۱۴۹ :۔

فرمایا: پہلے نبیوں کی معیّت میں بھی نیک لوگ لڑتے رہے ہیں لیکن باوجود مصائب کے نہ ان لوگوں کے حوصلے پست ہوئے اور نہ انہوں نے کافروں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، وہ اللہ سے استغفار کرتے رہے اور ثابت قدم رہنے کی دعا مانگتے رہے۔ پس اللہ نے ان کو دین و دُنیا کی بھلائی دے دی۔

آیت ۱۵۰ :۔

اِس آیت میں منافقوں کو ان کے اندرونہ کے اعتبار سے کافر کے لفظ سے تعبیر کیا۔ فرمایا: اگر تم کافروں کی اتّباع کروگے تو وہ تمہیں کفر کی طرف واپس لوٹا دیں گے۔

آیت ۱۵۱، ۱۵۲ :۔

فرمایا: تمہیں منافقوں کے پیچھے لگنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ عنقریب کافروں کے دِل میں تمہارا رُعب ڈال دے گا کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں۔

لڑائی کے دَوران قوم کے لئے متحد ہونا نہایت ضروری ہے۔ منافق ہمیشہ قومی اتحاد میں رخنہ ڈالتے رہتے ہیں۔ قرآن پہلی الہامی کتاب ہے جس نے اِس فتنہ کی طرف قومی توجّہ مبذول کی ہے اور اس سے بچنے کے طریق بتلائے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ شرک انسان کو بُزدل بناتا ہے اور اللہ پر ایمان دِل کو مضبوط کرتا ہے۔

آیت ۱۵۳ :۔

اُحد کی ہزیمت کے بعد سے بعض مسلمان دِل برداشتہ ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے متعلق ان کے دِل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہونے لگے تھے۔ ان شکوک کو دُور کرنے کے لئے فرمایا: اللہ نے تو اپنا وعدہ پُورا کر دیا تھا اور فتح تمہارے قدم چُومنے کو تیار کھڑی تھی لیکن تم نے رسُول کا حُکم پس پُشت ڈال دیا جس کے نتیجہ میں تم فتح حاصل نہ کر سکے۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض دفعہ چند لوگوں کا فعل قومی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس جگہ چند لوگوں کے فعل کو تمام قوم کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ قوم اپنے سب افراد کی ذمّہ دار ہے، اگر اس کے افراد میں تنظیم اور ڈسپلن کی کمی ہے تو اِس کی ذمّہ داری تمام قوم پر عائد ہوتی ہے۔

آیت ۱۵۴ تا ۱۵۶ :۔

اِن آیات میں جنگِ اُحد کے بعض مناظر پیش کئے ہیں۔ آخر میں پیٹھ دکھلانے والوں کو سرزنش کی ہے۔ یہاں سوال

پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیات میں تو بعض لوگوں کی نافرمانی کو تمام قوم کی طرف منسوب کیا تھا لیکن یہاں سرزنش کرتے وقت نافرمانوں کی تمیز کر دی ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ پہلی آیات میں ان کی نافرمانی کے قومی نقصان کا ذکر تھا پس چونکہ تمام قوم اس نقصان میں شریک ہوئی لہذا اس کی ذمہ داری بھی تمام قوم پر ڈال دی لیکن یہاں ان کے فعل کے ذاتی اور انفرادی پہلو کا ذکر ہے۔ پس یہ کہہ کر کہ پیٹھ دکھلانے والے وہ لوگ تھے جن کو شیطان نے بہکایا تھا ان کو باقی لوگوں سے علیحدہ کر دیا ہے۔

آیت ۱۵۷ تا ۱۵۹:۔

یہاں منافقوں کو ان کے اندرونہ کے اعتبار سے کافر کے لفظ سے تعبیر کیا اور فرمایا: مومنو! کافروں کی طرح اپنے شہید بھائیوں کے متعلق یہ نہ کہو کہ اگر وہ باہر نہ نکلتے یا جنگ میں نہ جاتے تو نہ مرتے۔ زندگی اور موت تو اللہ کے اختیار میں ہیں۔ مرنے والوں کے لئے اللہ کی مغفرت ہے۔

اِن آیات میں سابقہ آیات کا مضمون چل رہا ہے اور تمام زاویوں سے قوم کو جہاد کے لئے تحریص دی جا رہی ہے۔

آیت ۱۶۰:۔

فرمایا: یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تُو مومنوں پر مہربان ہے اگر تُو سخت دِل ہوتا تو یہ لوگ تیرے اردگرد سے بھاگ جاتے۔

اِس کے بعد اہم معاملات میں مومنوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔

جہاد کے لئے قومی اتحاد کی ضرورت ہے اور قومی اتحاد صرف اس صورت میں قائم رہ سکتا ہے جبکہ قوم کے لیڈر اور امام ایسے لوگ ہوں جو لوگوں پر مہربانی کرنے والے ہوں اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کریں تاکہ ایک طرف عوام میں شمولیت Participation کا احساس پیدا ہو اور دوسری طرف فیصلہ کرتے وقت لیڈروں کو رائے عامہ معلوم ہو جائے اور ان کے سامنے مسئلہ کے تمام پہلو آ جائیں۔

لوگوں سے مشورہ کرنے کے حکم سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ فیصلہ مشورہ کے مطابق کیا جائے۔ فرمایا: ان کے مشورہ کو ملحوظ رکھ، لیکن فیصلہ کرنا تیرا کام ہے اور جب تُو فیصلہ کرلے تو اس پر قائم رہ، ڈانوا ڈول نہ ہو اور اللہ پر توکل رکھ۔

اِس آیت میں قوتِ ارادی مضبوط کرنے کا ایک بہت عمدہ نسخہ بتلایا ہے اور وہ یہ ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد انسان کو گومگو میں نہیں پڑنا چاہیئے اِس طرح قوتِ فیصلہ کمزور ہو جاتی ہے۔

آیت ۱۶۱:۔

فرمایا: اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے گا تو کوئی دوسرا تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔

اِس آیت میں توکّل علی اللہ کے مضمون کی جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا تاکید کی گئی ہے۔

آیت ۱۶۲:۔

فرمایا: نبی کی یہ شان نہیں کہ خیانت کرے ۔ جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اپنے اعمال کا طوق اپنی گردن میں ڈالے حاضر ہوگا۔

جنگِ اُحد کی شکست کا باعث یہ تھا کہ جب کافروں کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگنے لگے تو جو عقبی درہ کی حفاظت پر مامور تھے اور جنہیں حکم تھا کہ تم نے کسی صُورت میں اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہوگئے۔ انہیں خیال آیا کہ اگر ہم نے خود مال حاصل نہ کیا تو ہمیں مالِ غنیمت سے پُورا حصّہ نہیں ملے گا۔

یہاں ان کی اِس بدظنّی کی تردید کی ہے۔ فرمایا: اگر تم لوگ اپنی ڈیوٹی پر قائم رہتے تو نبی کبھی بھی ایسی خیانت نہ کرتا کہ تمہیں تمہارے حق سے محروم رکھتا لیکن اَب تم نے خیانت کی ہے کہ نبی کے متعلق بدظنّی کی ہے پس قیامت کے دِن تمہیں اس خیانت کا جواب دینا ہوگا۔

آیت ۱۶۰ میں لیڈروں کو کہا تھا کہ عوام پر اعتماد کرو، یہاں عوام کو کہا ہے کہ لیڈروں پر اعتماد کرو۔ یہ اسلوبِ بیان قرآن میں پیہم چلتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی ذمّہ داری کا احساس دلاتا ہے، اِس طرح ہر ایک کو اپنے حقوق مِل جاتے ہیں لیکن ان کے حصُول میں فریقین کے درمیان تلخی نہیں پیدا ہوتی۔

آیت ۱۶۳، ۱۶۴:۔

فرمایا: وہ لوگ جو اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کی مانند نہیں ہوسکتے جو اللہ کے غضب کے مورد ہوں، دونوں کے مقام جُدا جُدا ہیں۔

یہاں سابقہ آیت کے مضمون کو آگے چلایا ہے اور جن لوگوں نے رسُول کے متعلق بدگمانی کی تھی انہیں دوسرے لوگوں سے جُدا کیا ہے۔

آیت ۱۶۵:۔

فرمایا: اللہ نے مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی جیسے ایک بندے کو رسُول بنا کر بھیج دیا جو انہیں اللہ کے احکام سُناتا ہے، پاک کرتا ہے اور قانونِ شریعت اور علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے

پہلے یہ لوگ گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔

یعنی کیا احسان شناسی یہی ہے کہ تم اس عظیم الشّان نبی پر جس کا کام دِن رات تمہیں علم و حکمت سکھانا ہے بدظنی کرو اور زمانۂ جاہلیّت کے لوگوں جیسی باتیں کرنے لگو (۱۵۵) اور ہدایت پا کر واپس گمراہی کی طرف لوٹ جاؤ؟

آیت ۱۶۶ :-

فرمایا: یہ کیا بات ہے کہ جب تمہیں تکلیف پہنچی حالانکہ تم اس سے دُگنی تکلیف دشمن کو پہنچا چکے تھے تم کہنے لگے: ہم سے تو اللہ نے نُصرت کا وعدہ کر رکھا تھا پھر یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ گویا آیت ۱۵۵ میں جن جاہلانہ ظنون کا ذکر کیا تھا یہاں ان کو بیان کر دیا۔

پھر اس سوال کے جواب میں فرمایا: یہ تمہاری اپنی ہی شامتِ اعمال ہے۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے یعنی اگر وہ تمہیں تمہاری فرمانبرداری کے نتیجہ میں فتح دے سکتا ہے جیسا کہ اس نے بدر میں کیا تو تمہاری نافرمانبرداری کے نتیجہ میں تمہیں شکست بھی دے سکتا ہے تم کہیں اِس غلط فہمی میں مُبتلا نہ ہو جانا کہ تم نے ایمان کا نعرہ لگا کر اللہ کو خرید لیا ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو اس کی تقدیروں کا پاس کرتا ہے وہ اس کا پاس کرتا ہے اور جو اس کی تقدیروں سے کھیلتا ہے اس کی تقدیریں اُس سے کھیلتی ہیں۔

آیت ۱۶۷، ۱۶۸ :-

فرمایا: یومِ احد کے دِن تمہیں جو نقصان پہنچا اللہ کے اِذن کے ماتحت پہنچا یعنی خدا کے قانون کا یہی تقاضا تھا کہ تمہیں نقصان پہنچے۔ اگر رسُول کی نافرمانی کے باوجود تمہیں نقصان نہ پہنچتا تو یہ بات خدا کے قانون کے خلاف ہوتی۔

پھر فرمایا: اور اللہ نے یہ اِس لئے کیا تا کہ مومنوں کو اور منافقوں کو الگ الگ کر کے دکھا دے کیونکہ جب منافقوں سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، اور اگر لڑ نہیں سکتے تو دفاعی کاموں میں مدد کرو تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے (ہلاکت نہیں) تو ہم ضرور تمہاری بات مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دن وہ لوگ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ اور یہ بات جو انہوں نے کہی تھی کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ضرور تمہاری بات مانتے محض زبانی بات تھی ان کے دِل اس بات پر گواہ نہ تھے۔

اِس جگہ یَقُوْلُوْنَ جو کہ مضارع کا صیغہ ہے لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِس طرح زبانی جمع خرچ کرنا ان کی عادت بن گیا ہے۔

آیت ۱۶۹ :-

فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے غازی بھائیوں کے متعلق کہتے تھے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے یعنی آیت ۱۵۷ میں جن لوگوں کا ذکر تھا وہ یہی لوگ ہیں۔ پھر ان کی بات کو کاٹنے کے لئے فرمایا: اگر تم ایسے ہی عقلمند ہو اور اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جو تمہاری بات مانے وہ موت سے بچ جاتا ہے تو ذرا اپنی موت کو ٹال کر دکھا دو۔

اِس جگہ منافقوں پر طعن کی گئی ہے اور کہا ہے کہ غازیوں کے لئے تو ایک ہی موت ہے جو زندگی کا پیغام رکھتی ہے، لیکن تمہاری قسمت میں جو موت لکھی ہے وہ ایسی موت ہے کہ اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ اے عقلمند ہونے کے دعویدارو! اگر ٹال سکتے ہو تو اس موت کو ٹالو۔ تم ان لوگوں کی موت پر تو آنسو بہا رہے ہو جو روشن دلائل سے زندہ کئے جا چکے ہیں (۸ : ۴۳) اور زندہ جاوید ہیں (۱۷۰) لیکن اپنی موت کو بھول چکے ہو بلکہ اپنے لئے اس موت کو قبول کر چکے ہو جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تم ہزاروں موتوں کی بیسود تمنّا کرو گے (۲۵ : ۱۵)

اگر تم میں کچھ بھی عقل ہوتی تو ابھی جبکہ وقت ہے اس موت سے نجات حاصل کر لیتے۔

آیت ۱۷۰ تا ۱۷۲۔

فرمایا: وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مرے ہوئے مت خیال کرو وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے رب کے حضور میں ہیں۔ طرح طرح کے رزق سے نوازے جاتے ہیں اور ان افضال و اکرام کے نتیجہ میں جو اللہ نے ان پر کئے ہیں بہت خوش ہیں۔

سابقہ آیت میں منافقوں کا یہ طعن درج تھا کہ اگر یہ لوگ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ اللہ نے ان کے طعن کے جواب میں ان پر طعن کی تھی کہ مُردہ تو تم ہو۔ اِس آیت میں ان کے طعن کے جواب میں کہا کہ اللہ کی راہ میں مرنے والے تو زندہ جاوید ہیں۔ پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: زندگی فرحت کا نام ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ فرحت ان کی صفت بن چکی ہے (یہ معنے فرحین جو کہ اسم صفت ہے کو الذین کا حال لانے سے پیدا ہوئے ہیں)۔

پھر بعض ان چیزوں کا ذکر کیا جو فرحت پیدا کرتی ہیں اور Tension کو دُور کرتی ہیں۔ سب سے زیادہ فرحت پیدا کرنے والی چیز محبوب کے انعام و اکرام ہیں چنانچہ سب سے پہلے اللہ کے انعام و اکرام کا ذکر کیا۔ اپنے متعلق اطمینان حاصل کر لینے کے بعد انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کا حال معلوم کرے چنانچہ فرمایا کہ انہیں ان کے عزیز و اقارب کے متعلق بھی بشارت دی جاتی ہے کہ انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ پھر

انہیں مزید خوشخبری دی جاتی ہے کہ انہیں اور بھی انعام واکرام ملیں گے۔

سُبحان اللہ کیا کلام ہے۔ یک ایک لفظ میں معانی کا سمندر بند ہے۔

آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵ :-

آیت ۱۶۹ میں منافقوں کے اس قول کا ذکر تھا جو انہوں نے شہیدوں کے متعلق کہا تھا کہ اگر یہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ وہ تو قتل ہو کر مقصودِ حیات کو پاگئے لیکن جو موت تمہارے سَروں پر منڈلا رہی ہے تم اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکو گے۔

اِن آیات میں فرمایا کہ مومن اُحد کے بعد رسُول کے بُلانے پر کفّار کے مقابلہ کے لئے تھکے ہوئے اور زخمی ہونیکے باوجود نکلے اور اجرِ عظیم کے مستحق ہوئے۔ اور اگرچہ لوگوں نے انہیں مرعُوب کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ کافر بڑی جمعیت لے کر تمہارے مقابلہ کے لئے آرہے ہیں، وہ اگلے سال پھر ان کے مقابلہ کے لئے نکلے اور اللہ کے انعامُ اکرام کے ساتھ واپس لَوٹے۔

اِن واقعات کو شہادت کے ذکر کے ساتھ لاکر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مومنوں کے لئے اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (۹ : ۵۲) ہے، اگر وہ اللہ کی راہ میں مارے گئے تو انعام واکرام سے نوازے جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو اللہ کے افضال ان کے شاملِ حال ہوں گے۔

آیت ۱۷۶ :-

فرمایا: وہ شخص جو تمہیں افواہوں سے ڈراتا ہے شیطان ہے وہ تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے لیکن تم ان سے ڈرنے کی بجائے مجھ سے ڈرو۔

یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آیت ۱۷۴، ۱۷۵ میں کیا گیا تھا۔

آیت ۱۷۷، ۱۷۸ :-

فرمایا: اے رسُول منافقوں کی وجہ سے دِل گرفتہ نہ ہو، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ان کے لئے سخت عذاب مقدر ہے۔

سابقہ آیات میں منافقوں کا ذکر چل رہا تھا، ان لوگوں نے طرح طرح کے حیلوں سے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی کبھی تو جھوٹی افواہیں پھیلائیں اور کبھی کفّار کی جمعیت سے مسلمانوں کو ڈرایا اور آخر عین راستہ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ چونکہ ان کا لیڈر عبداللہ بن ابی بن سلول صاحبِ حیثیت آدمی تھا حضورؐ کو

خیال رہتا تھا کہ یہ لوگ نقصان کا باعث نہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اِس بات کی خوشخبری دی کہ تم وہ قوم ہو جو اللہ کی گود میں بیٹھے ہو۔ وہ لوگ جو تمہاری ہلاکت کے درپے ہیں دراصل اللہ سے جنگ لڑ رہے ہیں اور وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور آخر کار خود ہلاک ہوں گے۔

اِس آیت میں اللہ کا بگاڑنے سے مراد مومنوں کا بگاڑنا ہے۔ چونکہ مومن اللہ کا مشن پُورا کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر حملہ کو اپنے اُوپر حملہ قرار دیا ہے۔ یہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ کمال اتحاد کے اظہار کے لئے کبھی رسُول کی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی مومنوں پر حملہ کو اللہ پر حملہ قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۷۹ :۔

فرمایا: کافر یہ نہ سمجھیں کہ جو ڈھیل ہم انہیں دے رہے ہیں اس میں ان کی بہتری ہے۔ اس کا نتیجہ تو صرف یہ ہوگا کہ وہ گناہوں میں اور بھی بڑھ جائیں گے اور آخر کار ذلیل و رسوا ہوں گے۔

اِس آیت میں سابقہ آیات کی طرح منافقوں کو ان کے اندرونہ کے اعتبار سے کافر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ لوگ کچھ مدّت کے بعد پکڑے جائیں گے لیکن ایسے پکڑے جائیں گے کہ ان کی ذِلّت میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا۔

آیت ۱۸۰ :۔

فرمایا: اللہ مومنوں میں سے کھوٹے اور کھرے الگ الگ کر دے گا۔

جس طرح پہلی آیات میں منافقوں کو ان کے اندرونہ کے اعتبار سے کافر کے لفظ سے تعبیر کیا تھا یہاں مومن کا لفظ ظاہری اعتبار سے استعمال کیا ہے اور اس میں سچے اور جھوٹے سب مومن شامل ہیں۔

پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ منافقوں کو رُسوا کُن عذاب ملے گا۔ چونکہ منافق مومنوں میں ملے ہوئے تھے اِس لئے اِس آیت میں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مومنوں سے الگ کر دے گا یعنی ان کی رُسوائی میں مومن شریک نہیں ہوں گے۔

اِس جگہ خبیث کا لفظ طیّب سے پہلے لا کر یہ بتلایا ہے کہ مقصد منافقوں کو ظاہر کرنا اور علیحدہ کرنا ہے۔ اِس میں اِس بات کا اشارہ بھی نکلتا ہے کہ منافقوں کی تعداد چنداں زیادہ نہیں کیونکہ کوئی قرینہ نہ ہونے کی صُورت میں قِلّت کو کثرت سے علیحدہ کیا جانا متبادر الفہم ہے۔ پھر اس میں اِس بات کا بھی اشارہ نکلتا ہے کہ یہ ابتلاء اس قدر سخت نہیں ہوں گے جتنے کہ اس صُورت میں ہوتے کہ مومنوں کی تعداد کم اور منافقوں کی زیادہ ہوتی کیونکہ جب ملاوٹ زیادہ ہو اور کھرے کو کھوٹے سے علیحدہ کرنا ہو تو لامحالہ زیادہ آگ دکھانا پڑتی ہے۔

جب یہ فرمایا کہ اللہ منافقوں کو تم سے ممیز کر دے گا تو طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ کام مومنوں پر منافقوں کی قلبی کیفیت فاش کر کے کیا جائے گا یا کسی اور طریق سے۔ اور اگر کسی اور طریق سے کیا جائے گا تو وہ طریق کیا ہو گا۔

فرمایا: اللہ تمہیں اپنے غیب کے اسرار براہِ راست نہیں بتلائے گا، یہ کام وہ اپنے رسُولوں کے ذریعہ سے کرتا ہے۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے بعض منافقوں کو ننگا کرنا ہے تو وہ رسُول کے ذریعہ ان کو ننگا کر دے گا۔ اگر اس نے کسی کی پردہ پوشی کرنی ہے تو اس کی پردہ پوشی کی جائے گی اور اگر اس نے منافقوں کو کسی فتنہ کے ذریعہ ننگا کرنا ہے تو اس فتنہ کی پیشگی خبر اگر وہ چاہے گا تو اپنے رسُول کو دے دیگا۔

پھر فرمایا: تمہارا کام ان اسرار کی ٹوہ لینا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نہیں کھولے (یہ مضمون ف سے پیدا ہو رہا ہے جو محذوف عبارت پر دلالت کرتا ہے) تمہارا کام صرف اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے، اگر تم ایمان کا حق ادا کرو گے اور خود نفاق سے بچتے رہو گے تو بہت بڑا اجر پاؤ گے۔

آیت ۱۸۱:۔

منافق اللہ کی راہ میں جانی اور مالی قربانی دینے سے گریز کرتے تھے۔ پہلی آیات میں مومنوں کو جانی قربانی کے لئے اُکسایا گیا تھا۔ اِس آیت میں مالی قربانی کی تحریص کی گئی ہے۔ فرمایا: منافق یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں نہ خرچ کر کے وہ اپنے لئے بھلائی جمع کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے لئے تباہی سمیٹ رہے ہیں۔ یہی مال قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار بن جائے گا۔ پھر فرمایا: تمام زمین و آسمان اللہ کی میراث ہیں اور اللہ تمہارے اعمال کو خُوب جانتا ہے۔ یعنی جب تمام مال اللہ ہی کی ملکیت ہے اور میراث وارث ہی کو لَوٹ کر جاتی ہے تو کیوں نہ مالک کو اس کا مال اپنے ہاتھوں سے دو تاکہ تمہیں اس کا ثواب بھی ملے اور حق بھی حقدار کو پہنچ جائے۔

آیت ۱۸۲، ۱۸۳:۔

جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی اپیل کی اور فرمایا کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو یہود کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا محتاج ہے اور ہم غنی۔

فرمایا: اللہ نے ان لوگوں کا قول سُن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی۔ ہم ان کے اِس قول کو اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو یاد رکھیں گے اور وقت آنے پر انہیں کہیں گے، ذرا جہنّم کے عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ اپنے بندوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔

اِس جگہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ سو اوّل تو یاد رکھنا چاہیئے کہ

جب بات غلط اور احمقانہ ہو یا اس میں شرارت کا رنگ ہو تو اس کا دوبدو جواب دینا بلاغت سے گری ہوئی بات ہے کیونکہ واضح کو واضح کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پس ایسی بات کا جواب التفات اور استغنائ اور اس کے نتائج سے باخبر کرنا اور ملزم گردانا ہی ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب اس طریق سے دیا ہے کہ ان کی اس سے بھی بڑھی ہوئی ایک اور کجروی کا ذکر کر دیا۔ گویا یہ فرمایا کہ یہ بات جو تم نے کہی ہے کوئی بڑی بات نہیں تم تو وہ لوگ ہو جو خدا کے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

اس میں لطیف اشارہ اس بات کا بھی ہے کہ اگر اللہ ہر جگہ موجود ہونے کے اور ہر چیز کا علم رکھنے کے باوجود اصلاحِ خلق کا کام براہِ راست کرنے کی بجائے اپنے رسول بھیج کر کرتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہونے کے باوجود مومنوں کو کہے کہ اس کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرو۔

آیت ۱۸۴:۔

آیت ۱۸۲ میں یہود کی اس طعن کا ذکر تھا کہ مومنوں کا اللہ تو محتاج ہے لیکن ہم غنی ہیں۔ یہاں ان کے ایک اور اعتراض کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے ہم سے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو سوختنی قربانی نہ کرے۔

فرمایا: اگر تم ایسے ہی اللہ کے عہد پر کاربند ہو تو تم اس سے پہلے رسولوں کے قتل کے درپے کیوں رہتے تھے حالانکہ وہ براہین اور دلائل اور معجزات کے ساتھ آئے اور انہوں نے سوختنی قربانی بھی کی؟

مقصودِ بیان یہ ہے کہ سوختنی قربانی کا مسئلہ تو تم نے اس رسول کے آنے پر اُٹھایا ہے جس کے متعلق آثار میں آیا تھا کہ وہ پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دے گا۔ لیکن اگر سوختنی قربانی ہی تمہارا معیار تھا تو تم نے ان رسولوں کا کیوں انکار کیا جو اس معیار پر پورے اُترتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ سوختنی قربانی تمہارے لئے کوئی حجت نہیں، تم ایک کٹھ حجت قوم ہو جو اپنی بے راہ روی کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیتے ہو۔

آیت ۱۸۵:۔

اہلِ کتاب کی کٹ حجتی کے ذکر کے بعد تسلّی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: تو ان کے انکار سے دل گرفتہ نہ ہو وہ تجھ سے پہلے رسولوں کا بھی انکار کرتے آئے ہیں۔

آیت ۱۸۶:۔

سابقہ آیات میں پہلے مومنوں کو جانی اور مالی قربانی کے لئے اُکسایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی منافقوں کا ذکر کیا پھر

اہلِ کتاب کی کٹ حجتیوں کا ذکر کیا۔ پھر رسُول کو تسلی دی۔

پھر فرمایا: تم میں سے ہر ایک مرنے کے بعد اپنے اعمال کا پُورا پُورا اجر پائے گا اور اصل میں کامیاب وہی ہے جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا۔

آیت ۱۸۷:-

پھر اصل مضمون کی طرف عَود کیا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہیں اس راہ میں جانی اور مالی نقصان اُٹھانے پڑیں گے اور طرح طرح کی باتیں سُننا ہوں گی لیکن اگر تم صبر کرو گے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو بڑی ہمت کا کام کرو گے۔

آیت ۱۸۸:-

پہلی آیات میں یہود کی بے راہ رویوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں ان کے علماء کا ذکر کیا کہ انہیں حکم تو یہ تھا کہ اللہ کی کتاب کو چھپائیں گے نہیں لیکن انہوں نے دُنیا کی حقیر قیمت کے عوض اللہ کی کتاب کو بیچ ڈالا۔

آیت ۱۸۹:-

فرمایا: وہ علماء جو اپنے کردار پر ناز کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ کام جو انہوں نے نہیں کئے ان کا سہرا بھی ان کے سر باندھا جائے ایک دردناک عذاب کو دعوت دے رہے ہیں یعنی ان کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے لیکن وہ یہ کام تو کرتے نہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ انہیں محافظِ کتاب کہا جائے۔

آیت ۱۹۰:-

فرمایا: اللہ زمین و آسمان کا مالک اور ہر بات پر قادر ہے۔ یعنی یہ علماء لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن زمین و آسمان کے مالک خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔

آیت ۱۹۱ تا ۱۹۵:-

سابقہ آیات میں مومنوں کو کئی طریقوں سے جانی اور مالی قربانیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں منافقین اور اہلِ کتاب کا ذکر بھی آگیا۔ ممکن تھا کہ جہاد کا ذکر کرنے سے لوگ یہ سمجھتے کہ قرآن کا اصل پیغام جہاد بالسیف ہے۔ اِس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے اور اِس لئے کہ طائر کی آنکھ اپنے مرکز پر رہے فرمایا: مومن کا مقصود و مدّعا تو ذاتِ باری ہے۔ زمین و آسمان کی خلقت، رات اور دن کی گردش اس کے لئے اسی محبوب کی طرف لے جانیوالے نشانِ راہ ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ اُٹھتے اور بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ زمین و آسمان کی خلقت

میں غور و فکر کرتا ہے[1] کہ یہ تمام کارخانہ بے وجہ نہیں بنا دیا گیا، اور جب ذکر و فکر کے نتیجہ میں اللہ کی سبوحیت اس کے دل و دماغ پر روشن ہو جاتی ہے تو بیتابانہ چلّا اُٹھتا ہے: اے میرے پیارے! اے کہ تجھ میں کوئی بھی عیب نہیں، مجھے اس آگ سے بچا جو ان لوگوں کا مقدّر ہے جو تیرے کاروبار کو باطل سمجھتے ہیں۔ اس آگ سے جو دلوں کو چڑھ جاتی ہے اور رُوح کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ اے میرے پیارے! تو جسے آگ میں ڈال دیتا ہے اسے ذلیل و رُسوا کرتا ہے۔ اے میرے پیارے! ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو سُنا جو ایمان کی دعوت دے رہا ہے اور ہم نے اسے قبول کر لیا۔ تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری پردہ پوشی کر اور ہمارا حشر نیکوں کے ساتھ کر۔ اور اپنے رسُول سے کئے ہوئے وعدے ہم سے پُورے کر یعنی تُو نے انبیاءِ سابقہ سے جو وعدہ کیا تھا کہ تُو ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جو تیرے احکام بجالائیگی اور لوگوں پر نگران ہو گی تو ہمیں وہی قوم بنا۔ اے ہمارے پیارے! قیامت کے دن ہمیں ذلیل نہ کرنا کہ تو کہے ہم نے تو ان لوگوں کو خیر الامّت بنایا تھا لیکن یہ شرّ الامّت بن گئے۔

آیت ۱۹۶ :-

اِس آیت میں مندرجہ بالا دُعا کی قبولیّت کا ذکر ہے، ان مخلصین کی دُعا کا جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں اور اس کے راستہ میں ستائے جاتے ہیں اور لڑتے ہیں اور مرتے ہیں۔

آیت ۱۹۷، ۱۹۸ :-

آیت ۱۹۱ تا ۱۹۶ کا مضمون اِس لئے آیا تھا کہ اصل غرض کی طرف توجہ دلائی جائے، اور وہ اللہ کی رضا تھی۔ لیکن اس غرض کی طرف توجہ دلانے اور آخرت کے انعامات کا ذکر کرنے سے ممکن تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگتے جیسا کہ بعض صوفیاء سمجھنے لگے ہیں کہ جو کچھ ہے آخرت میں ہے اس دُنیا میں کچھ نہیں - یہ دُنیا کافروں کے لئے بنی ہے، اِس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے فرمایا: کافروں کا کاروبار تمہیں کسی غلط فہمی میں مُبتلا نہ کر دے یہ عارضی بات ہے آخر کار وہ جہنّم رسید ہوں گے۔

آیت ۱۹۹ :-

---

[1] افسوس کہ آجکل مسلمانوں نے اِلّا ماشاء اللہ اس غور و فکر کو کافروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اگر وہ اللہ کے فعل یعنی سائنس کی طرف توجہ کریں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اسرار جو غیروں پر برسوں میں کھلتے ہیں ان پر مہینوں میں کھل جائیں گے اور وہ اللہ کے وہ وہ عجائبات دیکھیں گے کہ ان کی روح بیقرار ہو کر تسبیح و تحمید کرتی ہوئی آستانۂ اُلوہیت پر جھک جائے گی۔

کافروں کے انجام کے ذکر کے ساتھ مومنوں کے انجام کا ذکر بھی کر دیا تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجائیں۔
چنانچہ فرمایا: مومنوں کے لئے جنّت اور اللہ کی مہمانی ہے۔

آیت ۲۰۰:۔

سابقہ آیات میں اہلِ کتاب کی بدعملیوں اور ایمانی کمزوریوں کا ذکر اس تواتر سے آیا تھا کہ یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ سب کے سب واصلِ جہنّم ہونے کے لائق ہیں۔

فرمایا: اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور اس کتاب پر جو مومنوں کو دی گئی اور اپنی کتب پر ایمان لاتے ہیں، اللہ کے حضور خشوع و خضوع کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کو حقیر قیمت پر نہیں بیچتے ان کے لئے ان کے رب کے حضور اجر ہے۔

آیت ۲۰۱:۔

آخر میں مومنوں کو حکم دیا کہ دیکھو! استقلال تمہارا شیوہ ہو اور استقامت تمہارا شعار، اور تم کافروں سے بڑھ کر صبر و استقلال دکھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ گوہرِ مقصود کو پالو یعنی حقیقی معنوں میں خیر الامّت بن جاؤ۔

یہ آیت تمام سُورۃ کا خلاصہ ہے اور وہ مضمون جو آیت ۱۸ میں شروع کیا تھا یہاں ختم کر دیا ہے ؎

---

(۳) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ
اٰیاتُھَا ۲۰۰ — رُکُوْعَاتُھَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے ●

الٓمّٓ ﴿۲﴾

مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں ●

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۳﴾

اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ جاوید ہے، قائم بالذات اور ہر چیز کے قیام کا باعث ●

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ ھُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴿۴﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۵﴾

اے رسُول! اس نے تجھ پر تمام ضروری باتوں پر مشتمل کتاب اتاری ہے جو ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے موجود تھیں۔ اور اس نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی، اور نیز اس نے تمام وہ کتب نازل کیں جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہیں۔ یاد رکھو! جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے ایک سخت عذاب مقدر ہے۔ اللہ ہر چیز پر غالب ہے۔ سزا دینے کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے ●

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے تم پر ایسی کتاب اتاری ہے جو تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

فُرْقَان کے لفظی معنی ہیں تمیز کرنے والا۔ رُوح البیان، کشاف، بیضاوی اور جلالین نے اس سے مراد وہ کتب لی ہیں جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہیں۔ اس کے معنی ایسے معجزات بھی ہو سکتے ہیں جو حق و باطل میں فیصلہ کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ﴿۶﴾

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۷﴾

زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں۔ وہی ہے جو تمہیں رحمِ مادر میں جس طرح چاہتا ہے تشکیل کرتا ہے۔ اُس عزیز و حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں ●

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ
الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ
اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ
مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٨﴾
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا
مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٩﴾
رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٠﴾ ع ۹

وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ اس کی بعض آیات تو واضح اور
محکم ہیں جو کتاب کی بنیاد ہیں، اور بعض دوسری متشابہ ہیں۔ جن لوگوں
کے دِلوں میں کجی ہے وہ اس کی متشابہ آیات کے پیچھے دوڑتے ہیں
تاکہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالیں اور اپنی من مانی تشریح کریں۔ متشابہات
کی صحیح تعبیر تو صرف اللہ کو اور ان لوگوں کو معلوم ہے جو علم میں
پکّے ہیں اور کہتے ہیں (اور وہ کیوں نہ کہیں! نصیحت تو اہلِ خرد
ہی پکڑتے ہیں) ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ تمام کا تمام کلام
ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے

کے بعد ہمارے دل ڈانواڈول نہ ہونے دے۔ اپنی جناب سے ہم پر
رحمت کا نزول فرما۔ تُو اور صرف تُو ہی دیالو ہے۔ اے ہمارے رب!
تُو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی
شک نہیں۔ اے اللہ! یہ تیرا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کی
خلاف ورزی نہیں کرتا ◉

اُخَرُ۔ اُخْریٰ کی جمع ہے جو کہ آخَرُ کی تانیث ہے۔ آخَرُ کے معنی ہیں دوسری۔

متشابہ کے معنی ہیں ملتی جلتی، اس سے مراد ایسی آیات ہیں جن کے معنوں میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔ یہ احتمالات عبارت کے اجمال یا تشبیہ و استعارہ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ راسخ العلم لوگ ان آیات سے دھوکہ نہیں کھاتے اور ان کے معنوں کو سمجھتے ہیں لیکن نادان لوگ ان سے دھوکہ کھا جاتے ہیں مثلاً مسیح کو روح منہ کہا گیا تو نادان سمجھنے لگے کہ مسیح کی تخلیق عام انسانوں سے جُدا ہے اور اس میں خاص اللہ کی رُوح ہے، لیکن صاحبِ علم جانتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور تمام کائنات اسی کے دم سے قائم ہے۔ اسی کی رُوح سے سب زندہ ہیں۔ وہ حیّ و قیوم ہے۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ متشابہ آیات سے نادانوں کو جو دھوکہ لگ سکتا ہے اس کا سدِّ باب دیگر آیات سے کر دیتا ہے مثلاً مسیح کو روح منہ کہا تو دوسری جگہ آدم کے متعلق کہا فَاِذَا نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر: ۲۹، ص: ۷۲) اور پھر انسان کے متعلق فرمایا ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدہ: ۹) یعنی اس نے انسان کو بنایا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی۔

ہم نے ترجمہ میں وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا عطف اللہ پر لیا ہے۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ سے نیا جُملہ بھی شروع ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتدا ہو گا اور یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ اس کی خبر۔ اور آیت کے معنی ہوں گے متشابہات کی صحیح تعبیر صرف اللہ کو معلوم ہے۔ رہے وہ لوگ جو علم میں پکّے ہیں سو وہ کہتے ہیں ....

وَهَّابُ: فعّال کے وزن پر واہب کا اسم مبالغہ ہے۔ واہب کے معنی ہیں عطیہ دینے والا، بخشنے والا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ دعا کا حصّہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور عظمت کے اظہار کے لئے خطاب سے غیبت کی طرف انتقال کیا گیا ہے۔ یہ طرزِ کلام ایسا ہی ہے جیسا کہ فقیر

کسی مخیر آدمی سے خیرات طلب کرتے ہوئے آخر میں کہے کہ حاتم کے در سے کوئی خالی واپس نہیں جاتا۔ اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تُو حاتم ہے اور مَیں تیرے در سے خالی واپس نہیں جاؤں گا متن میں اسی اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ کا جواب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک اللہ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۱

رہے کفّار سو ان کے مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ کے عذاب سے قطعاً نہیں بچا سکیں گے۔ یہ لوگ آگ کا ایندھن ہیں ◉

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۲

ان کا طریق وہی ہے جو فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا۔ ان لوگوں نے اللہ کے نشانات کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا۔ یاد رکھو جب اللہ سزا دے تو بہت سخت سزا دیتا ہے ◉

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ یہ نیا جملہ ہے۔ گویا اس کی تقدیر ہے دَأْبُ هٰؤُلَاءِ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ یہ معنے متن

بیں کئے گئے ہیں۔

۲۔ یہ عبارت ماسبق سے متصل ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ اس کا تعلق لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ سے ہے۔ گویا عبارت کی تقدیر ہے: لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ، اے کما لم تغن عن اٰل فرعون یعنی جس طرح آلِ فرعون کو ان کا مال اور اولاد آگ سے نہیں بچا سکے ان کو بھی ان کا مال اور اولاد آگ سے نہیں بچا سکیں گے۔

ب۔ اس کا تعلق اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ سے ہے۔ گویا عبارت کی تقدیر ہے: اولئک هم وقود النار کداب اٰل فرعون، اے کما کان اٰل فرعون یعنی جس طرح آلِ فرعون آگ کا ایندھن تھے یہ لوگ بھی آگ کا ایندھن ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۳﴾

اے رسول! جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان سے کہہ: وہ وقت قریب ہے جب تم مغلوب کئے جاؤ گے، اور وہ وقت بھی آنے کو ہے جب تمہیں اکٹھا کر کے جہنّم کی طرف ہانکا جائے گا۔ کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا! ◉

(سَتُغْلَبُوْنَ) عن قریب او (تُحْشَرُوْنَ) فی الآخرۃ (رُوح البیان)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑭

لوگو! ان دو گروہوں میں جو ایک دوسرے کے مقابل پر آئے تمہارے لئے ایک نشان تھا۔ ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا اللہ کا منکر تھا۔ مسلمان کافروں کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے، لیکن کثرتِ تعداد تو ایک ظاہری چیز ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ دیکھو! اِس قصہ میں اہلِ نظر کے لئے ایک سبق ہے ●

یرون کی ضمیر کا مرجع فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ یعنی مسلمان گروہ بھی ہو سکتا ہے اور اُخریٰ یعنی کافر بھی۔ یَرَوْنَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اپنے متعلق بھی ہو سکتی ہے اور بدِ مقابل کے متعلق بھی یعنی یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دیکھنے والے اپنے تئیں مخالف گروہ سے دوچند دیکھ رہے تھے اور یہ بھی کہ دیکھنے والے مخالف گروہ کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

اِن اعتبارات سے اِس آیت کے مندرجہ ذیل معانی ہو سکتے ہیں :۔

۱ ۔ مسلمان کافروں کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

۲ ۔ مسلمان کافروں کو ان کی اصل تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

یہ معنی درست نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو کافروں سے مرعوب کر رہا تھا۔

۳ ۔ مسلمان اپنے تئیں کافروں سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

۴ ۔ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

۵ ۔ کافر مسلمانوں کو ان کی اصل تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

۶ ۔ کافر اپنے تئیں مسلمانوں سے دوچند دیکھ رہے تھے۔

مندرجہ بالا معانی میں رَأْيَ الْعَيْنِ کا قرینہ ۱ء معنوں کی تائید کرتا ہے۔ مسلمانوں نے اگر کافروں کو اپنے سے دگنا دیکھا جبکہ اصل میں وہ ان سے تگنے تھے تو یہ بات رَأْيَ الْعَيْنِ کے خلاف نہیں کیونکہ

شروع میں کافروں کے لشکر کا ایک حصہ پہاڑ کی اوٹ میں تھا اس لئے مسلمانوں نے ان کو نہیں دیکھا تھا۔

بہر حال جو معنی بھی کئے جائیں اس میں تصرفِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور کافروں کی تقریباً ایک ہزار۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے انہیں کافروں کی تعداد کم کرکے دکھلائی اور ان کی اپنی تعداد بڑھا کر دکھلائی۔ اور کافروں کے حوصلے پست کرنے کے لئے انہیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کرکے دکھلائی اور ان کی اپنی تعداد کم کرکے دکھلائی۔

اس واقعہ کو سورۃ انفال : ۴۵ میں یوں بیان کیا ہے یُرِیْکُمُوْهُمْ ... فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا یعنی تمہیں کافروں کی تعداد کم کرکے دکھلائی گئی اور کافروں کو تمہاری تعداد کم کرکے دکھلائی گئی۔ یا یہ کہ کافر تمہیں حقیر نظر آئے اور تم کافروں کو حقیر نظر آئے۔ اور یہ اسلئے ہوا تاکہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔

بادی النظر میں ان دونوں آیات میں کسی قدر اختلاف نظر آتا ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ اگر انفال والی آیت میں قلیل کے معنے حقیر اور ضعیف کے کئے جائیں جو کہ لغت کے مطابق عین درست ہیں تو کوئی وجہِ اختلاف باقی نہیں رہتی۔ اور اگر قلیل کے معنے کم ہی کئے جائیں تو بھی معنی ۳ و ۶ سے کوئی تغایر لازم نہیں آتا۔ دشمن کو کم کرکے دکھلانا یا اپنے آپ کو زیادہ دیکھنا ایک ہی بات ہے۔

جہاں تک ۱ معنوں کا سوال ہے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے تو پہلی نظر میں تو مسلمانوں نے کافروں کو اپنے سے دوچند دیکھا لیکن پھر تصرفِ الٰہی نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور کافر ان کو قلیل نظر آنے لگے۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں قد نظرنا الی المشرکین۔ فرأینا هم یضیفون علینا۔ ثمّ نظرنا الیهم فما رأینا هم یزیدون علینا رجلاً واحداً۔ (طبری زیر آیت ۳ : ۱۴) یعنی ہم نے مشرکوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ہم سے دگنے تھے لیکن جب ہم نے دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ہم سے ایک فرد بھی زیادہ نہ تھے۔

اسی طرح ۴، ۵ معنوں کے مطابق پہلے تو مشرکوں کو مسلمان قلیل کرکے دکھلائے گئے تاکہ وہ جنگ سے گریز نہ کریں چنانچہ ابوجہل نے ان کو دیکھ کر کہا ان محمداً واصحابہ اکلۃ جزورٍ (بیضاوی زیر آیت انفال : ۴۵) کہ محمد اور اس کے ساتھی تو اونٹ کا ایک لقمہ ہیں لیکن بعد میں ان کی نگاہ میں

فرق آگیا اور خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں رُعب ڈال دیا اور انہیں مسلمان اپنے سے یا مسلمانوں کی اصل تعداد سے دو چند دکھائی دینے لگے۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ میں "وَ" کا عطف عبارت محذوف پر ہے اور جیسا کہ علامہ رازی نے فرمایا اس آیت کے معنے ہیں ان النصر والظفر انما یحصلان بتأیید اللہ ونصرہ لا بکثرۃ العدد والشوکۃ والسلاح۔

اَيَّدَهٗ کے معنی ہیں اس نے اس کی مدد کی۔ اسے غلبہ عطا کیا (اقرب۔ لسان۔ لین)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۵﴾

لوگ پسندیدہ چیزوں کی محبت میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ عورتوں کی۔ بیٹوں کی۔ سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کی۔ خوبصورت گھوڑوں کی۔ مویشی اور کھیتی کی۔

یہ تمام چیزیں اس ورلی زندگی کا سامان ہیں، لیکن اگر تم اپنا مقصود اللہ کو بناؤ تو اللہ وہ ذات ہے جس کے پاس بہترین ٹھکانا ہے ●

الشَّهَوٰتِ کے معنی ہیں ما تشتہیہ النفس (جلالین)۔ اس جگہ شہوت (مصدر) مشتھی (اسم مفعول) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ میں وَ کا عطف عبارت محذوف پر ہے۔ بیضاوی کہتا ہے وھو تحریض علی استبدال ما عندہ من اللذات الحقیقیۃ الابدیۃ بالشھوات الفانیۃ۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۶﴾

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۷﴾

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۸﴾

اے رسُول! ان لوگوں سے کہہ: کیا مَیں تمہیں اس چیز کا پتہ دوں جو ان تمام چیزوں سے بہتر ہے؟ وہ لوگ جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جو چلتی ہوئی نہروں سے شاداب ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو وہاں ایسے ساتھی ملیں گے جو ہر آلائش سے پاک کئے جا چکے ہوں گے۔ اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ انہیں اللہ کی رضا حاصل ہو گی۔

اللہ اپنے بندوں کو جانتا ہے۔ ان کو جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ وہ جن کا شیوہ صبر ہے۔ جو راستباز ہیں۔ فرمانبردار ہیں۔ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور

رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ کی مغفرت طلب کرتے ہیں ◉

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ﴿١٩﴾

اللہ انصاف کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اور فرشتے اور اہلِ علم بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ یاد رکھو! اسکے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ غالب ہے۔ حکمت والا ہے ◉

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠﴾

اللہ کے نزدیک قابلِ قبول دین صرف تسلیم و رضا ہے، لیکن علماء اہلِ کتاب نے باہمی حسد کی وجہ سے سچائی سے اختلاف کیا اور وہ بھی اس وقت جبکہ انہیں پورا پورا علم دیا جا چکا تھا۔ لیکن جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ ایسے منکرین کا بہت جلد محاسبہ کرتا ہے ◉

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ

اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۱﴾

اے رسول! اگر یہ لوگ سب کچھ سُن سمجھ کر بھی تجھ سے جھگڑا کریں تو اُن سے کہہ: مَیں نے اور میرے پیروؤں نے اللہ کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ پھر ان اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب سے پوچھ: کیا تم بھی اپنا سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟ پس اگر وہ سرِ تسلیم خم کر دیں تو انہوں نے راہِ ہدایت پا لی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو یاد رکھ کہ تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے حالات خوب جانتا ہے ◉

فَاِنْ حَآجُّوْكَ: بعد ما اقمت الحجج (بیضاوی)

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ: طرزِ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حَآجُّوْكَ میں ضمیر الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ کی طرف راجع ہے۔ علّامہ رازی کہتے ہیں: دلت ھذہ الاٰیۃ علی ان المراد بقولہ (فان حاجّوک) عام فی کل الکفار، لانہ دخل کل من یدعی الکتاب تحت قولہ (الذین اوتوا الکتاب) و دخل من لا کتاب لہ تحت قولہ (الامیین)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۲﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اے رسول! ان لوگوں کو جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کی تلقین کرتے ہیں ایک دردناک عذاب کی بشارت دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا دنیا اور آخرت میں ضائع گیا۔ کوئی مدد کرنے والا ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گا ●

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے شخص! تجھے کچھ ان لوگوں کا بھی حال معلوم ہے جنہیں کتابِ الٰہی کا کچھ علم دیا گیا، انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے جھگڑے چکا دے۔ لیکن اس کتاب کی ضرورت کو جانتے بوجھتے ان میں سے ایک گروہ جس کا وطیرہ کج روی ہے اس سے مُنہ پھیر لیتا ہے ●

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ : مع علمهم بان الرجوع اليه واجب (بیضاوی۔ رُوح البیان۔ شوکانی)

ثُمَّ کا عطف محذوف پر ہے اور آیت کی تقدیر ہے وهم يعلمون انه هو الحق ثم يتولّى فريقٌ منهم۔

هُمْ مُّعْرِضُوْنَ، فَرِيْقٌ کی صفت یا اس کا حال ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٥﴾

ان کے اعراض کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: دوزخ کی آگ اگر ہمیں چھوئے گی بھی تو چند گنتی کے دن۔ ان کی اپنی افترا پردازیوں نے انہیں اپنے دین کے بارہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ●

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

ان کا کیا حال ہو گا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ جب ہر ایک شخص اپنے اعمال کا پورا پورا اجر پائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ●

لِيَوْمٍ میں ل کے معنی فی بھی ہو سکتے ہیں۔ گویا (لیوم) فی یوم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (جلالین)۔

اس میں حذفِ مضاف بھی ہو سکتا ہے گویا (لیوم) کے معنی لجزاءِ یومٍ یا لحسابِ یومٍ ہیں۔ (رازی۔ رُوح البیان)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٧﴾

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۸﴾

کہہ: اے میرے اللہ! اے ملک کے مالک! تُو جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ تُو جسے چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تمام بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ تُو رات کو دن پر غلبہ عطا کرتا ہے اور دن کو رات پر غلبہ عطا کرتا ہے۔ تُو مُردہ سے زندہ نکالتا ہے اور زندہ سے مُردہ نکالتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے ◉

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۲۲ : ۶۲، ۳۱ : ۳۰، ۳۵ : ۱۴ اور ۵۷ : ۷ میں اسی ترتیب سے آیا ہے کہیں تولج النّھار کو پہلے نہیں رکھا گیا۔

ولج کے معنی داخل ہونا ہے اولج کے معنی داخل کرنا یا غلبہ دینا ہیں۔

اس آیت کے مندرجہ ذیل معنی ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ تُو رات کو گھٹا کر دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو گھٹا کر رات میں داخل کر دیتا ہے۔

۲۔ تُو رات کو بڑھا کر دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو بڑھا کر رات میں داخل کر دیتا ہے۔

۳۔ تُو رات کو دن پر غلبہ عطا کرتا ہے اور دن کو رات پر غلبہ عطا کرتا ہے۔

۴۔ تُو رات کو دن میں مدغم کر دیتا ہے یعنی رات کو مٹا کر دن کو لے آتا ہے۔ اور دن کو رات میں مدغم کر دیتا ہے یعنی دن کو مٹا کر رات کو لے آتا ہے۔

اس جگہ سابقہ مضمون کو عالمِ محسوسات سے ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے اور کفر و اسلام کی کشمکش کو رات اور دن کی تعقیب سے تعبیر کیا ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ: اس مضمون کو ۶ : ۹۶، ۱۰ : ۳۲،

۲۰ : ۱۱۲ اور ۳۰ : ۲۰ میں اسی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔

اِن دونوں مثالوں کا پُورے قرآن میں ایک ہی ترتیب سے بیان ہونا واضح کرتا ہے کہ تمام قرآن میں ایک نظم ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ خرج کے معنی نکلنا اور اخرج کے معنی نکالنا یا نکال کر علیحدہ کرنا ہیں، چنانچہ اخرجه من الامر کے معنی ہیں اس نے اسے اس معاملہ میں حصہ لینے سے علیحدہ کر دیا۔

اِس آیت کے مندرجہ ذیل معانی ہوسکتے ہیں:۔

۱۔ تو مُردہ سے زندہ کو الگ کر دیتا ہے (یعنی مُردہ قوم سے زندہ لوگوں کو الگ کر دیتا ہے) اور زندہ سے مُردہ کو الگ کر دیتا ہے (یعنی زندہ قوم سے مُردہ اور منافق لوگوں کو الگ کر دیتا ہے)

۲۔ تُو مُردہ قوموں سے زندہ قومیں پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں سے مُردہ قومیں پیدا کرتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۹﴾

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ یاد رکھو! جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔
مومنو! تم کافروں سے کسی قسم کا خوف نہ کھاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم صرف اسی کی ذات سے ڈرو۔ یاد رکھو! تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ◉

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ : اس میں حذف مضاف بھی ہوسکتا ہے یعنی فلیس من ولایة الله فی شیئ یعنی اس کا اللہ کی دوستی میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ یہ معنی بیضاوی، نسفی، شوکانی، رازی،

رُوح البیان اور کشاف نے کئے ہیں متن میں دیئے گئے معنی ابنِ کثیر اور طبری نے کئے ہیں۔ مجمع البیان نے دونوں معنی کئے ہیں لیکن طبری والے معنوں کو ترجیح دی ہے۔

اِلَّآ کے ایک معنی ولا کے بھی ہیں (اقرب۔ لسان۔ لین) استثناء منفصل کی صُورت میں الّا، لکن کے معنی بھی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنے ہوں گے: البتہ تم ان سے پُورا پُورا بچاؤ کرو۔ یا: تمہارے لئے تو صرف یہ جائز ہے کہ تم ان سے مکمل پرہیز کرو۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۰﴾

اے رسُول! ان سے کہہ: تم اپنے دِلوں کا حال چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمان میں ہے اسے معلوم ہے ◉

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ ع

ع ۳/۱۰

اے لوگو! اس دن سے ڈرو جس دن ہر شخص جو کچھ نیکی یا بدی اس نے کی ہو گی اپنے سامنے موجود پائے گا۔ وہ آرزو کرے گا کہ

کاش اس کے اور اس دن کے درمیان ایک طویل زمانہ حائل ہوتا۔
لوگو! اللہ تمہیں اپنی سزا سے ڈراتا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر
بہت ہی شفقت کرنے والا ہے ◉

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا: بَيْنَهٗ میں ضمیر يَوْمَ کی طرف بھی ہوسکتی ہے اور عمل سوء کی طرف بھی۔ مؤخر الذکر صورت میں یہ معنی ہوں گے: کاش اس کے اور اس کے اعمالِ بد کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہوتا۔

نفس کے معنی عقوبت بھی ہوتے ہیں۔ (اقرب)

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ: یعنی وہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے عذاب میں پکڑے جاؤ۔ کیا قانونِ فطرت اور کیا قانونِ شریعت اللہ تعالیٰ نے سارے قانون کمال شفقت سے انسان کے فائدہ کے لئے بنائے ہیں۔ جب انسان اس کے کسی قانون کو توڑتا ہے تو خود اپنے لئے عذاب کا سامان مہیا کرتا ہے اور اسکی شفقت سے دور ہو جاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اے رسول! ان سے کہہ: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ یاد رکھو! اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اے رسُول! ان سے کہہ: اللہ اور اللہ کے رسُول کی اطاعت کرو۔
پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو یاد رکھ کہ اللہ ایسے کافروں سے
کبھی محبّت نہیں کرے گا ◉

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۴﴾

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ نے آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے گھرانے
کو تمام قوموں کے مقابلہ میں اپنے دین کی خدمت کے لئے چُن لیا۔ وہ
ایک ایسی نسل ہے جو ایک دوسرے کی شاخ ہیں۔ اللہ نے ان کی
دعائیں سُنیں۔ وہ ہر بات سے خوب واقف ہے ◉

ذُرِّيَّةً، اٰدَمَ کا بدل ہے۔ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ مبتدا و خبر مل کر جُملہ اسمیہ ہے جو کہ بطور ذُرِّيَّةً کی صفت واقع ہوا ہے۔

ذُرِّيَّةً کو اٰدَمَ کا بدل لاکر یہ معنی پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ خود آدم بھی کسی کی اولاد تھا۔ سابقہ مفسّرین چونکہ آدم کو اوّل البشر مانتے تھے اِس لئے انہوں نے اس اشکال کے پیشِ نظر ذُرِّيَّةً کو نوح کا بدل قرار دیا ہے، لیکن جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو یہ جائز نہیں کہ معطوف علیہ کو چھوڑ کر معطوف کو مبدل منہ قرار دیا جائے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: مفسّرین نے اس کے معنے (سميع) باقوال الناس (عليم) باعمالهم کئے ہیں (بیضاوی، رُوح البیان) یعنی اللہ لوگوں کی باتیں سُنتا ہے اور ان کے اعمال دیکھتا ہے۔ لیکن ان معنوں کا سیاق و سباق کلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اِس آیت میں آدم اور ابراہیم اور ان کے سلسلہ کا ذکر ہے۔ تمام انبیاء اوّل سے لے کر آخر تک

نبی آخر الزمان کی بشارت دیتے آئے ہیں اور اس کے لئے دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ قرآن میں ابراہیم کی دعا کا خاص طور پر ذکر ہے کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲ : ۱۳۰) یعنی اے خدا! ان میں سے ایک رسول پیدا کر جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلائے اور انہیں پاک کرے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ سمیع ہے۔ اس نے خاتم الانبیاء کو مبعوث فرما کر سابقہ انبیاء کی دعائیں سن لیں۔ اور وہ علیم ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (۶ : ۱۲۵) خوب جانتا ہے کہ کونسا خطہ اور کونسا وقت اس عظیم الشان نبی کے ظہور کے لئے مناسب تھا اور کون اس منصب کا اہل تھا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی عورت نے کہا: اے میرے رب جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اسے دنیا کے بندھنوں سے آزاد کر کے خالص تیری نذر کرتی ہوں، تو میری نذر کو قبول فرما۔ تو دعاؤں کو سنتا ہے۔ دلوں کے بھید جانتا ہے ◉

بعض عیسائی ناقدین نے اس جگہ یہ اعتراض کیا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن عیسیٰ کی والدہ مریم اور موسیٰ کی بہن مریم میں تمیز نہیں کر سکا کیونکہ عمران موسیٰ، ہارون اور ان کی بہن مریم کا باپ تھا جو عیسیٰ کی والدہ مریم سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ہوا ہے۔

مشہور عیسائی مستشرق سیل جو کہ اپنے تعصب کی وجہ سے مشہور ہے اس اعتراض کو رد کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ عیسیٰ سے سینکڑوں برس پہلے ہوئے تھے۔ اسلامی روایات کی رو سے عیسیٰ کی والدہ مریم کے باپ کا نام بھی عمران تھا۔ پس صرف ناموں کے توارد سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہاں

عمران سے مُراد موسیٰ کی بہن مریم کا باپ ہے جائز نہیں۔

یہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بائیبل میں عیسیٰ کی والدہ مریم کے باپ کا نام درج نہیں۔ بعض عیسائی مؤرخین نے اس کا نام Joachim بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ اسلامی تواریخ میں اس کا نام عمران درج ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر یہاں عمران سے مراد عمران موسیٰ ہی لیا جائے تو بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ یہودیوں میں قاعدہ تھا کہ ان کے قبیلے اپنے اجداد کے نام سے معروف تھے خود یہودیوں کو بائیبل میں اپنے جد امجد اسرائیل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پس یہاں امرأۃ عمران کے معنی ہیں امرأۃ آلِ عمران یعنی عمران کے قبیلہ کی ایک عورت۔ فلا اعتراض۔

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰىۚ وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۷﴾

اور جب اس نے بچّی جنی تو کہنے لگی: اے میرے رب! مَیں نے تو لڑکی جنی (لیکن اللہ خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا۔ بھلا جو لڑکا اس کے ذہن میں تھا اس کو اس لڑکی سے کیا نسبت جو اس کو عطا ہوئی) اور مَیں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور مَیں اس کو اور اس کی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں تا کہ وہ شیطان ملعون سے محفوظ رہیں ●

(لَيۡسَ الذَّكَرُ) الذی طلبت (كَالۡاُنۡثٰى) التی وھبت (کشاف۔ بیضاوی۔ رازی رُوح البیان) ال عہد کے لئے ہے یعنی الذکر سے مراد وہ لڑکا ہے جو اس کے ذہن میں تھا اور الانثیٰ سے مُراد وہ لڑکی ہے جو اس نے جنی۔

مریم عبرانی لفظ ماریہ کا معرب ہے (لین) جس کے معنی عبرانی زبان میں عابدہ کے ہیں (رازی۔ رُوح البیان۔ بیضاوی۔ کشاف)۔ عربی میں مریم کا لفظ مفعل کے وزن پر رام۔ یروم مرام سے مشتق ہے۔ رام کے معنی ہیں طلب۔ مریم کے معنی ہیں ایسی عورت جو مردوں کی باتیں سُننے کی شائق ہو مگر زانیہ اور فاسقہ نہ ہو (لین)

بعض لوگ اِس آیت کے یہ معنی لیتے ہیں کہ صرف مسیح اور مسیح کی والدہ مَس شیطان سے پاک تھے۔ وہ اپنی تائید میں ما من مولود یولد الا و الشیطان یمسّہٗ حین یولد فیستھل صارخًا من مسّہ الّا مریم و ابنھا کی حدیث پیش کرتے ہیں جس کے معنی ہیں کہ شیطان ہر پیدا ہونے والے بچّہ کو مَس کرتا ہے اور وہ اس کے مَس کے نتیجہ میں چیخنے لگتا ہے۔ البتہ مریم اور اس کا بیٹا اس اثر سے محفوظ رہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ فانّھما کانا معصومین وکذٰلک کل من کان فی صفتھما لقولہ تعالیٰ لا غوینھم اجمعین الّا عبادک منھم المخلصین یعنی بے شک مسیح اور مریم مَسِ شیطانی سے بچائے گئے لیکن تمام مسیحی صفت اور مریمی صفت لوگ بھی مَسِ شیطانی سے بچائے جاتے ہیں۔ کیونکہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: میں سوائے تیرے مخلص بندوں کے تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا۔

یہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ والدہ مریم کی دعا مریم اور اس کی نسل دونوں کے لئے تھی۔ خود بائیبل کے مطابق مریم کی مسیح کے علاوہ اور اولاد بھی تھی اور ان کی آگے نسل بھی چلی۔ پس ذریۃ کے وسیع لفظ کو صرف مسیح تک محدود کرنا غلط ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

سو مریم کو اس کے رب نے خوشنودی کے ساتھ قبول کیا اور خوش اسلوبی کے ساتھ پروان چڑھایا، اور پھر اس نے اسے زکریا کی کفالت میں دیا۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس بالاخانہ میں جاتا اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔ ایک دن اس نے مریم سے کہا: اے مریم تجھے یہ رزق کہاں سے ملتا ہے۔ اس نے کہا: اللہ کے حضور سے ملتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے ◉

کَفَلَ فعل لازم ہے۔ اَکْفَلَ اور کَفَّلَ فعل متعدی ہیں۔ اس کی دوسری قرات کَفَلَ ہے۔

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: ان لوگوں پر افسوس ہے کہ جو قرآن میں یہ پڑھنے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک کو فرماتے ہیں کہ تیرے رزق کے ہم ذمہ دار ہیں تجھے اس بارہ میں کوشش کرنے کی ضرورت نہیں (۲۰ : ۱۳۲) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تو آسمان سے رزق آنے کے قائل نہیں لیکن مریم کے لئے جس کے متعلق قرآن نے صاف کہہ دیا کہ کَفَّلَهَا زَكَرِيَّا یعنی اللہ تعالیٰ نے زکریا کو اس کا کفیل بنایا، خاص جنّت کے باغوں سے رزق آنے کے قائل ہیں۔

قرآن تو صرف اس قدر کہتا ہے کہ جب زکریا مریم کے پاس آتے تھے تو اس کے پاس کھانا پاتے تھے، اور اس بات کا اشارہ تک نہیں کرتا کہ یہ رزق کسی خارق عادت طریق سے آتا تھا۔ یہودیوں میں عام رواج تھا (اور یہ رواج کچھ ان سے خاص نہیں تمام قوموں میں ہے) کہ عابدوں کو کھانا ان کے حجروں میں پہنچا دیتے تھے۔ پس وہ لوگ مریم کو بھی کھانا اس کے حجرہ میں پہنچا دیتے تھے۔ زکریا نے مریم کا امتحان لینے کے لئے پوچھا کہ یہ رزق تمہیں کہاں سے آتا ہے اور مریم نے وہی جواب دیا جو ہر ایک خداشناس دے گا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ کافروں کا رزق بھی خدا کے ہاں سے آتا ہے (۲ : ۱۲۷) لیکن بعض لوگ عالم دین کہلوا کر بھی اس راز کو نہیں سمجھ پائے جسے مریم نے اوائل عمر میں سمجھ لیا تھا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ

لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

اس وقت زکریا نے وہیں اپنے رب کو پکارا اور کہا: اے میرے رب مجھے اپنے حضور سے پاک اولاد عطا فرما۔ تُو ہی دعاؤں کو سُننے والا ہے ◉

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور ابھی وہ دعا مانگ رہا تھا کہ فرشتوں نے اسے پکارا اور کہا: اللہ تجھے بشارت دیتا ہے کہ تیرے ہاں یحییٰ پیدا ہو گا۔ وہ اللہ کے کلام کی تصدیق کرے گا۔ کریم النفس ہو گا۔ شہوت سے پاک ہو گا اور نبی ہو گا، یعنی زمرۂ صالحین میں سے ہو گا ◉

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: بکتاب اللہ (بیضاوی۔ کشاف۔ شوکانی۔ رازی)

وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ: مِنْ 'فِيْ' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی نَبِيًّا فِي الصّٰلِحِيْنَ ہوگا یعنی نیکوں میں نیک یعنی نیکوں کا سرتاج نبی ہو گا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۱﴾

اس نے کہا: اے میرے رب! میرے لڑکا کیونکر ہو گا جبکہ بڑھاپا

مجھ پر غالب آچکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔
اللہ نے کہا: اللہ کے طریق ایسے ہی ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ⬤

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکریا کو تو فرشتوں نے خطاب کیا تھا لیکن زکریا اللہ کو خطاب کرتا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ فرشتے ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے جیسا کہ فرمایا مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (۴۲ : ۵۲) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یا تو وحی کے ذریعہ کلام کرتا ہے یا پس پردہ اور یا فرشتوں کے ذریعہ سے۔ پس زکریا جانتے تھے کہ ملائکہ کی حیثیت يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۱۶ : ۵۱، ۶۶ : ۷) سے بڑھ کر نہیں اور اصل متکلم خود خدا ہے۔ سورۃ مریم آیہ ۸ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل متکلم خود خدا تھا۔ یہ اختصارِ قرآنی ہے کہ یہاں جواب میں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے اس کے براہِ راست کلام کے ذکر کا فائدہ اٹھا لیا گیا ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتوں کے ذریعہ کلام کیا ہو اور پھر براہِ راست۔ وہ لوگ جو اس کوچہ سے آشنا ہیں اس طرزِ کلام کو خوب جانتے ہیں۔ محبوب کا اپنے چہرہ سے پردہ طوراً بعد طورٍ اٹھانا اِک شانِ دلربائی رکھتا ہے۔

سورۃ مریم میں زکریا کے مکالمہ اور مریم کے مکالمہ میں فرق قابلِ غور ہے۔ زکریا کا مکالمہ خدا تعالیٰ سے ہے اور مریم کا فرشتہ سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک ہی قسم کی بشارت ایک ہی ایسے الفاظ میں دی اور فرق یہ کیا کہ مریم کو تو بشارت صرف ایک فرشتہ کے ذریعہ دی لیکن زکریا کو بشارت پہلے تو کئی فرشتوں کے ذریعہ دی اور پھر خود براہِ راست دی، پھر یہ کیونکر تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ وہ مبشّر جس کی بشارت اللہ تعالیٰ نے پہلے کئی فرشتوں کے ذریعے دی اور پھر براہِ راست دی اس مبشّر سے کم مقام کا تھا جس کی بشارت صرف ایک فرشتہ کے ذریعہ دی گئی۔ اِس سلسلہ میں خود حضرت مسیح علیہ السّلام کا قول قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔" (متی باب ۱۱ آیت ۱۱)

كَذٰلِكَ اللّٰهُ : مبتدا و خبر۔ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اس کا بیان (کشاف)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۴

زکریا نے کہا: اے میرے رب مجھے کوئی نشان عطا فرما۔ اللہ نے کہا: تجھے یہ نشان دیا جاتا ہے کہ تو لوگوں سے تین دن رمز و کنایہ کے سوا کوئی کلام نہیں کرے گا، اور نہ صرف یہ کہ تو لوگوں سے کلام نہ کر اپنے رب کا کثرت سے ذکر کر اور صبح و شام اس کی تسبیح میں گذار ◉

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اِلَّا رَمْزًا : حکماء کا قول ہے کہ گفتگو خاص اعصاب پر اثرانداز ہوتی ہے اور قوتِ رجولیت کو کمزور کرتی ہے۔

و کا عطف محذوف عبارت پر ہے جس کا مضمون پہلی عبارت سے مترشح ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لَا تُكَلِّمَ النَّاسَ، خبر بمعنی امر استعمال ہوا ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا: اے مریم!
اللہ نے تجھے اپنی عبادت کے لئے چن لیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور
تجھے اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں برگزیدہ کیا ہے۔ اے مریم! اپنے
رب کی فرمانبردار بن۔ اس کے حضور سربسجود ہو اور عبادت گذاروں
کے ساتھ مل کر خدا کی عبادت کر ◉

اصْطَفٰكِ : فرغك لعبادته (رازی)
الْعٰلَمِيْنَ : ای اھل زمانك (جلالین۔ رازی۔ شوکانی۔ طبری)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہیں الہام کر رہے ہیں۔ تُو
ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھا جب وہ اپنے اپنے تیر ڈال کر قرعہ
نکال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون ہو۔ اور نہ تُو ان کے پاس اس
وقت موجود تھا جب وہ اس کی کفالت کے بارہ میں آپس میں جھگڑ
رہے تھے ◉

ابو مسلم کہتے ہیں ان لوگوں کا دستور تھا کہ متنازع امر میں اپنا اپنا نام ایک ایک تیر پر لکھ کر قرعہ اندازی
کرتے پھر جس شخص کا تیر نکل آتا اس کے سپرد وہ کام کر دیا جاتا۔ (رازی)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٦﴾
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٧﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا: اے مریم اللہ تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کا تعلق اُس سے ہو گا۔ اس کا نام مسیح عیسٰی ابن مریم ہو گا۔ وہ دُنیا اور آخرت میں عزّت پائے گا اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہو گا۔ اور لوگوں سے ایّامِ طفولیت میں اور جوانی میں خطاب کرے گا اور نیک لوگوں میں سے ہو گا ◉

کَلِمَۃٍ کے معنی ہیں امر۔ حکم۔ بات۔ لڑکا (لسان العرب) جلالین اس جگہ اس کے معنی ولد یعنی لڑکا کرتا ہے۔ یاد رہے کہ مسیح کو "کَلِمَۃٍ مِّنْہُ" یا "رُوْحٌ مِّنْہُ" (۴ : ۱۷۲) کہنے سے اس کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے کلمات لاتعداد ہیں (۱۸ : ۱۱۰) اور آدم (۳۸ : ۷۳، ۱۵ : ۳۰) اور تمام انسان (۳۲ : ۱۰) اسی کی رُوح کے دم سے پیدا ہوئے ہیں۔ مِن تبعیض کا فائدہ دیتا ہے اور عبارت کی تقدیر ہے کلمۃ من کلماتہ۔ وروحٌ من ارواحہ۔

مِنْہُ کے معنی اس کی نسل اور تخم نہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے جو تعلق کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا من دد ولا الدد منی (لین زیر دد) نہ مجھے لہو ولعب سے کوئی تعلق ہے اور نہ لہو ولعب کو مجھ سے کوئی تعلق۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (۲ : ۲۵۰) کے معنی ہیں جو شخص اِس نہر سے پانی پئے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ میں بائے سببیہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ وہ اپنے کلام کے ذریعہ تمہیں ایک بشارت دیتا ہے۔ اس مبشر کا نام مسیح عیسٰی ابن مریم ہو گا۔ اسمہ کی ضمیر کا کلمہ کی نسبت مبشّر کی طرف راجح ہونا اولیٰ ہے کیونکہ مبشر مذکر ہے اور کلمہ مونث۔

مَسِیْحُ: بعض علماء کا خیال ہے کہ مسیح کا لفظ عبرانی لفظ مشیحا کا معرب ہے جس کے معنی مبارک کے ہیں۔

اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ مشتق ہے۔ اس اعتبار سے اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں ان میں سے معروف معانی حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ مسیح کا لفظ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنوں میں استعمال ہوُا ہے اور اس کے معنی ہیں ممسُوح۔ یعنی اللہ کا ممسُوح

۲۔ مسیح کا لفظ فعیل کے وزن پر فاعل کے معنوں میں استعمال ہوُا ہے اور اس کے معنی ہیں مسح کرنیوالا۔ بپتسمہ دینے والا۔ مسح کرکے بیماریوں کو دُور کرنے والا۔

۳۔ مسیح کے معنی سیاح کے ہیں۔ مَسَحَ فِی الْاَرْضِ کے معنی ہیں اس نے زمین میں سفر کیا۔

۴۔ ممسوح الوجہ کے معنی ہیں ایسا شخص جس کے چہرہ کا ایک رُخ صاف ہو یعنی نہ آنکھ ہو نہ بھویں۔ اِس اعتبار سے دجّال کو المسیح الدجّال کہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اذا المسیح یقتل المسیح

یعنی جب مسیح المسیح الدجّال کو قتل کرے گا (رازی۔ لین۔ اقرب)

اگر یہ مانا جائے کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی وہی تیس سال کی زندگی تھی جس میں وہ یہودیوں کے ہاتھوں ستائے گئے۔ سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا اور مُنہ پر تھُوکا گیا (مرقس ۱۵) "تُو دنیا میں عزّت پائے گا" کی بشارت بے معنی ہو جاتی ہے۔

یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ: ای یکلّمھم حال کونہ طفلاً (بیضاوی۔ رُوح البیان۔ کشاف۔ جلالین) مھد کے لفظی معنی پنگھوڑے کے ہیں۔

کھل کے معنی ہیں وہ وقت جب انسان عنفوانِ شباب کو پہنچ جاتا ہے اور اس کی تمام قوتیں کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ علّامہ رازی فرماتے ہیں الکھل فی اللغۃ ما اجتمع قوتہ وکمل شبابہ وھو ماخوذ من قول العرب اکھل النبات اذا قوی وتم۔ عام طور پر یہ لفظ تیس سے پچاس سال تک کی عمر کے لئے بولتے ہیں (المنجد)

یُکَلِّمُ النَّاسَ کَھْلًا: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جوانی میں تو سب لوگ کلام کرتے ہیں۔ پھر اس میں خاص بشارت والی بات کیا ہوئی۔ سو جاننا چاہیئے کہ تمام لوگ جوانی سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ پس اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ مسیح سِنِ کہولت تک پہنچے گا (رازی) یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں کلام سے مراد حکمت

سے پُر کلام ہے طفولیت کا زمانہ کھیل کُود کا، اور جوانی کا زمانہ امنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ اکثر حکماء ان زمانوں سے گذر جانے کے بعد حکیم کہلائے لیکن مسیح علیہ السلام طفولیت اور جوانی کے ایام میں بھی حکمت سے پُر کلام کرتے تھے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۸﴾

مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے بیٹا کیونکر ہو گا جبکہ مجھے کسی مرد سے تعلقِ زوجیت نہیں رہا۔

اللہ نے کہا: اللہ کے کام ایسے ہی ہیں، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ کونًا بعد کونٍ وجود میں آجاتی ہے ﴿۴۸﴾

وَلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ: عربی محاورہ میں مس کے معنی تعلقِ زوجیت کے ہیں۔ اِس میں زنا نہیں آتا (بیضاوی زیرِ آیت ۲۱ سورۃ مریم) سورۃ آل عمران مدنی ہے اور سورۃ مریم مکّی۔ اس کی آیت ۲۱ کے مطابق مریم کہتی ہے: میرے بیٹا کیونکر ہوگا جبکہ نہ مجھے کسی مرد سے تعلقِ زوجیت رہا ہے اور نہ ہی میں فاسقہ ہوں۔

یہ اختصارِ قرآنی ہے کہ جب ایک مقام پر بات تفصیل سے بیان کر دیتا ہے تو دوسری جگہ اس کو اختصار سے بیان کرتا ہے، یا ایک مقام پر حسبِ ضرورت بات کے ایک رُخ کی تفصیل بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر دوسرے رُخ کی۔ اِسی طرح بعض جگہ مضاف کے ساتھ مضمون کو بیان کرتا ہے اور بعض جگہ حذفِ مضاف کے ساتھ۔ اس کی مثالیں قرآن میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۹﴾ج

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۵۰﴾

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۱﴾

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۲﴾

اور فرشتوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مریم سے کہا: اللہ اس بچّے کو کتاب اور حکمت اور تورات سکھلائے گا اور ایک بہت بڑی خوشخبری کا علم دے گا اور بنی اسرائیل کی طرف رسُول بنا کر بھیجے گا، اور وہ کہے گا: مَیں تمہارے پاس تمہارے رب کا ایک

نشان لے کر آیا ہوں۔ مَیں اِس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے نم دار مٹی سے طیور صفت لوگ تیار کروں اور ان میں حیاتِ طیّبہ کی رُوح پھُونکوں اور وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے لگیں۔ اور مَیں اللہ کے حکم سے اندھوں کو اور کوڑھیوں کو چنگا کروں گا، اور مُردوں کو زندہ کرونگا، اور مَیں تمہیں یہ بتلاؤں گا کہ تم کیا کھاؤ اور اپنے گھروں میں کیا جمع کرو۔ دیکھو! اگر تم مومن ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لئے ایک نشان ہے۔ اور مَیں تمہارے پاس اِس لئے آیا ہوں کہ تورات کا جو حِصّہ میرے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کروں، اور تا کہ بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں تمہارے لئے حلال قرار دے دوں۔ دیکھو! مَیں تمہارے پاس تمہارے رب کا ایک نشان لے کر آیا ہوں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔ پس اس کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ◉

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: ہم نے اس کا عطف يُبَشِّرُكِ پر لیا ہے۔ (۴۶)

اِنْجِيْلَ کے معنے خوشخبری ہیں۔ یہاں اس سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری ہے۔

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ: ای جئتکم بانّی اخلق لکم (رازی)

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ: طَيْر اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ متعلق بفاعل بھی ہو سکتا ہے۔ اِس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: مَیں اِس لئے آیا ہوں کہ جس طرح پرندہ اپنے بچّوں کی تخلیق کرتا ہے اسی طرح مَیں بھی نمدار مٹی سے تمہارے لئے بعض وجودوں کی تخلیق کروں اور پھر ان میں حیاتِ طیّبہ کی رُوح پھُونکوں اور وہ اللہ کے حکم سے افلاکِ رُوحانی میں تیرنے والے طیور بن جائیں۔

اَلْاَكْمَهَ: مفرد ہے۔ اس کے معنے ہیں اندھا یا وہ شخص جس کی عقل زائل ہو چکی ہو (لسان العرب، اقرب، منجد) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

(۲۲ : ۴۷) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہوتے ہیں۔ پس یہاں اس سے مُراد دل کے اندھے ہیں۔

اَبْرَصَ : مفرد ہے اس کے معنی ہیں کوڑھی۔ ارض برصاء اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سبزہ نہ ہو۔ پس یہاں اَبْرَصَ سے مُراد دل کے کوڑھی ہیں۔

مَوْتٰی : میت کی جمع ہے اس کے معنی ہیں مُردے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اے لوگو! جب رسول تمہیں زندہ کرنے کے لئے بُلائے تو اس کی بات مانو (۸ : ۲۵) پس موتٰی سے مراد یہاں رُوحانی مُردے ہیں۔

اَلْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ میں ال جنس کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور تخصیص کے لئے بھی یعنی اس سے مراد کوئی مخصوص اندھا اور کوڑھی بھی ہو سکتا ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ : خبر بمعنی امر (دیکھو تمہید)

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ : یعنی جنہیں تمہارے فقیہوں نے غلط طور حرام قرار دے دیا تھا۔ مثال کے لئے دیکھو پیدائش ۳۲ : ۳۲۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فقیہوں کی ایسی تقلید کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۹ : ۳۱) کی آیت پر عدی بن حاتم نے کہا کہ ہم تو اپنے فقیہوں کو خدا نہیں سمجھتے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم ان کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دے دیتے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا یہی ان کو خدا بنانا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مریم حاملہ ہوئی اور عیسٰی پیدا ہوا اور پروان چڑھا اور اُس نے یہود کو اپنا پیغام سُنایا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ انکار پر مصر ہیں تو اس نے اپنے حواریوں سے کہا: کون ہے جو مجھ سے تعاون کر کے اللہ کے دین کی مدد کرے۔ اس کے حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔ ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اور تُو گواہ رہ کہ ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

اور حواریوں نے اللہ سے دعا کی: اے ہمارے رب ہم اس وحی پر جو تُو نے نازل فرمائی ہے ایمان لے آئے ہیں اور تیرے رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ پس تُو ہمارا شمار صداقت کے علمبرداروں میں کر ◉

فَلَمَّآ: الفاء فصيحة تفصح عن تحقق جميع ما قالت الملائكة وخروجه من القوة الى الفعل كانه قيل فحملته فولدته فكان كيت وكيت وقال ذيت وذيت (روح البيان)

اَحَسَّ مِنْهُمُ الْكُفْرَ: عرف منهم اصرارهم على الكفر (رازى)

وَ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع ۵ ۱۳

یہود نے ایک چال چلی اور اللہ نے ان کی چال کا توڑ کیا۔ اللہ چالوں کے توڑنے میں سب سے بالا ہے ◉

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ: والمكر لا يسند الى الله تعالىٰ الا على سبيل المقابلة (بيضاوى)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۶﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

دیکھو! اللہ نے ان کی چال کو کس خوبی سے توڑا جبکہ فرمایا: اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضورِ عزت کا مقام عطا فرماؤنگا اور تجھے کافروں کے اتہامات سے پاک کروں گا اور تیرے پیروکاروں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔

اے مسیح کے بارے میں جھگڑا کرنے والو! تم سب کو آخرکار میری طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت مَیں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم آپس میں جھگڑتے ہو۔

دیکھو! جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی مَیں انہیں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا، اور کوئی مدد کرنے والا انہیں بچا

نہیں سکے گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے ہم انہیں
ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ یاد رکھو! اللہ ظالموں سے
محبت نہیں کرتا ⬤

اِذْ قَالَ اللّٰهُ : مَكَرَ اللّٰهُ کا یا خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کا ظرف ہے (بیضاوی) اللہ کا کہنا اور کرنا ایک ہی حکم میں ہیں۔ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (۷۳ : ۱۹)

مُتَوَفِّيْكَ : ای ممیتك وهو مروی عن ابن عباس (رازی) وقال اٰخرون۔ انّی متوفّیك وفاة موت (طبری)

وَرَافِعُكَ اِلَيَّ : الی محل کرامتی (بیضاوی وروح البیان)

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ : ایّها المختلفون فی عیسٰی (طبری)

مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ : یخلصونهم من عذاب الله (روح البیان)

فَيُوَفِّيْهِمْ : اصل میں غائب کا صیغہ ہے۔ خطاب سے غیبت کی طرف التفات، جلال اور جمال کو جُدا جُدا دکھلانے کے لئے کیا گیا ہے (روح البیان) غائب کا صیغہ استعمال کرکے یہ بھی فائدہ اُٹھایا گیا ہے کہ مومنوں کے لئے اس کی نصرت پردۂ غیب سے ظاہر ہوگی۔ اس کی دوسری قراءت نوفّیهم ہے۔ قرآنی محاورہ اور دوسری قراءت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفہوم کی سہولت کے لئے اس کا ترجمہ "ہم" سے کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۹﴾

اے رسول! یہ اللہ کی آیات اور حکمت سے پُر کلام ہے جو ہم تمہیں
سُنا رہے ہیں ⬤

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۰﴾

اللہ کے نزدیک عیسٰی کا حال آدم کے حال کی طرح ہے۔ اُس نے

آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر حکم دیا کہ وجود میں آجا اور وہ
کونًا بعد کونٍ وجود میں آگیا۔ اے انسان! حقیقت تو وہی ہے جو
تیرے رب نے بیان کر دی۔ پس تو شک نہ کر ۞

قرآن میں آیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (۲۱ : ۳۸) یعنی انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس کی سرشت میں جلدی ودیعت کی گئی ہے۔ اسی طرح فرمایا اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ (۲۲ : ۶) یعنی اے انسانو! ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پس اِس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مسیح اپنی سرشت کے لحاظ سے باقی انسانوں سے جدا نہیں تھا، جس طرح کے دوسرے انسان تھے اسی طرح کا وہ تھا، اور اس کا وجود مٹی کے اجزاء ہی سے بنا تھا۔ اسے کلمۃ اللہ کہنے کے یہ معنی نہیں کہ اس کی تخلیق دوسرے انسانوں سے مختلف تھی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ کی سرشت میں طین کی بجائے تراب کا اثر غالب تھا۔ انجیل پڑھنے والے اِس بات کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ اپنے مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس زمانے کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونا نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا (متی ۱۲ : ۳۹)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۱﴾
فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ
نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

اے رسول! اگر اس علم کے بعد جو تجھے دیا گیا ہے کوئی تجھ سے مسیح
کے بارہ میں جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دے: آؤ ہم اپنے بیٹوں

کو بُلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بُلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بُلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بُلاؤ۔ اور ہم اپنے لوگوں کو بُلاتے ہیں تم اپنے لوگوں کو بُلاؤ۔ پھر ہم دونوں فریق گڑگڑا کر خداتعالیٰ سے ایک دوسرے کے خلاف دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ●

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا ۔۔۔ الخ: جُملہ کی ترکیب یُوں ہے (ندع ابناءنا و) تدعوا (ابناءکم و) ندع (نساءنا و) تدعوا (نساءکم و) ندع (انفسنا و) تدعوا (انفسکم) بیضاوی اور روح البیان کہتے ہیں ای یدع کل منا و منکم۔

نَبْتَهِلْ: ای نتباھل (بیضاوی)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٣﴾

مسیح کے بارہ میں جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ سچ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کی مالک ہے ●

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع ۶ ۱۴

اے رسُول! اگر باایں ہمہ یہ لوگ حق سے مُنہ موڑتے ہیں تو یاد رکھ کہ اللہ ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے ●

قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۵﴾

تُو ان سے کہہ : اے اہلِ کتاب ! آؤ ہم ایک ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔

مومنو! اگر وہ تمہاری بات ماننے سے انکار کریں تو ان سے کہہ دو: تم لوگ گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ●

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اے اہلِ کتاب ! تم ابراہیم کے بارہ میں کس لئے جھگڑتے ہو جبکہ تورات اور انجیل اس کے بعد نازل ہوئیں۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے؟ ●

یعنی تمہارا یہ کہنا کہ وہ یہودی یا عیسائی تھے بے معنی بات ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ

اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۷﴾

دیکھو! تم وہ نادان ہو جو ان امور میں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں علم ہے۔ پر کیا یہ ضروری ہے کہ تم ان امور میں بھی جھگڑا کرو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ اللہ حقیقتِ حال کو جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے ◉

دیکھو! کیسا بلیغ کلام ہے۔ فرمایا کہ تم نے اپنی نادانی تو ان اُمور میں جھگڑا کرنے سے ظاہر کر دی جن کا تمہیں تورات اور انجیل میں علم دیا گیا ہے، اب تمہیں اپنی نادانی کو ظاہر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی پھر کیوں خواہ مخواہ ان امور میں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں یعنی کیوں اپنی نادانی کی مزید توثیق کرنے کے درپے ہو۔ پس جو کچھ اللہ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور خواہ مخواہ جھگڑا نہ کرو کیونکہ وہ حقیقتِ حال کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۸﴾

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ وہ تو تمام علائق سے کٹا ہوا خدا کا فرمانبردار بندہ تھا، اور وہ مُشرکوں میں سے نہ تھا ◉

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۹﴾

ابراہیم سے قریب تو وہ لوگ ہیں جو اس کے پیرو ہیں، اور یا پھر یہ نبی اور مومنین۔ یاد رکھو! اللہ مومنوں کا دوست ہے ◉

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

مومنو! اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کر دے۔ لیکن وہ ناسمجھی میں اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ کر نہیں پاتے ◉

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود ان کی صداقت کے گواہ ہو؟ ◉

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۸/۱۵

اے اہلِ کتاب! تم کیوں حق اور باطل کو خلط ملط کرتے ہو اور جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ ◉

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۳﴾

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۴﴾ ۚۙ

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۵﴾

اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے: جو کچھ مومنوں پر نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تاکہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں، لیکن یہ احتیاط رکھو کہ سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں کسی اور کو اپنا ہمراز نہ بناؤ۔

اے رسول! تُو ان سے کہہ: اصل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ کیا تم اس بات پر رنجیدہ ہو کہ کسی اور کو بھی وہی کچھ دیا جا رہا ہے جو تمہیں دیا گیا تھا یا کیا تمہیں یہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ تمہیں خدا کے حضور موردِ الزام نہ گردانیں؟

تُو ان سے کہہ دے: فضل تو تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ اللہ وسیع رحمتوں والا

ہے۔سب کچھ جاننے والا ہے۔وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے
چُن لیتا ہے۔ اللہ بڑے فضلوں کا مالک ہے ﴿۷۴﴾

تُؤْمِنُوْٓا : تظهروا سركم (ابن کثیر۔بیضاوی وشوکانی)

اَنْ يُّؤْتٰٓى : يعنى اَنَّ ما بكم من الحسد والبغى ان يؤتى احد مثل ما اوتيتم (کشاف۔بیضاوی۔رازی وروح البیان)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

اہل کتاب میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال امانت رکھ دو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے۔ اور ان میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ تم ان کے سر پر سوار ہو جاؤ۔

ان کے اس طرزِ عمل کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم پر غیر قوموں کے بارہ میں کوئی گرفت نہیں۔ وہ جانتے بُوجھتے اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔ ان پر گرفت ہو کر رہے گی۔ البتہ وہ لوگ جو اپنے عہد کو نبھاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ اللہ متقیوں سے محبّت کرتا ہے ◉

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا: لایوده الیك فی حال من الاحوال او فی وقت من الاوقات الّا فی حال دوام قیامك او فی وقت قیامك علی رأسه مبالغا فی مطالبته بالتقاضی۔ (بیضاوی۔رازی۔شوکانی وروح البیان)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٨﴾

یاد رکھو! وہ لوگ جو اس عہد کو جو انہوں نے اللہ سے کیا، اور ان قسموں کو جو انہوں نے اٹھائیں، حقیر قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں آخرت میں بے بہرہ رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ نہ ہی ان سے کلام کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا۔ ایک دردناک عذاب ان کا انجام ہے ◉

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۹﴾

ان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کتابِ الٰہی پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو اِس طرح توڑتے موڑتے ہیں کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جانتے بوجھتے اللہ پر افترا باندھتے ہیں ◉

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۸۰﴾ لا

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ ع

ع ۸ ۹ ۱۶

کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوّت دے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر

میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تمہارے کتاب الٰہی پڑھاتے
اور پڑھنے کا یہ تقاضا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔

اور نہ ایسا انسان تم سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں
کو خدا بنا لو۔ کیا وہ تمہارے تسلیم و رضا کو اپنا شعار بنا چکنے کے
بعد تمہیں کفر کی تعلیم دے گا؟

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ
كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا
مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ
وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ
فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٢﴾
فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٣﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا
اور کہا تھا: میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے جو کچھ دیا ہے اس کا
لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد اگر تمہارے پاس کوئی رسول آئے
جو اس تعلیم کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ایمان
لاؤ اور اس کی مدد کرو۔

پھر اللہ نے کہا: کیا تم میرے عہد کی پابندی کا اقرار کرتے ہو اور
میری شرائط پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم

اس عہد کی پابندی کا اقرار کرتے ہیں۔

اللہ نے کہا: تم اپنے اقرار پر گواہ رہو، میں بھی تمہارے اقرار پر گواہ ہوں۔ یاد رکھو! اس اقرار کے بعد جو لوگ اس عہد سے پھر جائیں گے وہ پکّے فاسق قرار پائیں گے ◉

مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ: المیثاق ماخوذاً منهم او لهم من غيرهم (رازی)

علّامہ رازی اِس آیت پر بحث کرتے ہوئے سوال اُٹھاتے ہیں کہ اس کے مطابق تمام نبیوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے لیکن د کل الانبیاء علیهم الصّلوٰة والسّلام یکونون عند مبعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم من زمرة الاموات والمیت لا یکون مکلفاً تمام انبیاء تو حضورؐ کی بعثت کے وقت فوت ہو چکے تھے پس وہ ایمان کے مکلّف کیسے ہو سکتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ میثاق ان کی امتوں سے لیا گیا ہے۔

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ: بعد ما اخذ المیثاق (رُوح البیان)

عھدی: یہ مضاف مضاف الیہ ہے یعنی وہ عہد جو میں نے تم سے لیا ہے یا وہ عہد جو تم نے مجھ سے کیا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۲﴾

کیا یہ لوگ اللہ کی راہ کے سوا کسی اور راہ کی تلاش میں ہیں جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے چار و ناچار اسی کا تابع فرمان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے ◉

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ

أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۵﴾

اے نبی! ان سے کہہ: ہم اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر جو موسٰی اور عیسٰی اور دوسرے انبیاء کو دیا گیا ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اس معاملہ میں اس کے انبیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ●

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

لوگو! جو کوئی تسلیم و رضا کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرنا چاہے اس کی سعی قبول نہیں کی جائے گی، اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہے گا ●

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت دے گا جنہوں نے ایمان لانے کے

بعد کفر اختیار کر لیا، حالانکہ وہ گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس کھلے کھلے نشان آچکے ہیں۔ یاد رکھو! اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو جا و بے جا میں تمیز نہیں کرتے ◉

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٨﴾

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٩﴾

ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور لوگوں کی سبھی کی لعنت ہے۔ وہ ہمیشہ لعنت ہی کے اثر کے نیچے رہیں گے۔ نہ ان کا عذاب کم کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ◉

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٠﴾

ہاں وہ لوگ جو ارتداد کے بعد توبہ کر لیں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے وہ دیکھیں گے کہ اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے ◉

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا

لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۱﴾

یاد رکھو! جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرتے ہیں پھر کفر میں ترقی کرتے ہیں، ان کی نمائشی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ لوگ گمراہی میں پکے ہو چکے ہیں ◉

بعض مفسرین نے اس کے معنے عند اھلاکھم اور بعض نے بعد مماتھم کئے ہیں یعنی ایسی توبہ جو موت کے وقت یا موت کے بعد کی جائے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے (اور یہ قاعدہ کم وبیش دوسری زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے) کہ بعض دفعہ اس چیز کو جو کسی چیز کے مشابہ ہوتی ہے مشبہ بہ کے نام سے بیان کر دیتے ہیں مثلاً سکندر کے بت کو سکندر کہہ دیتے ہیں یا گدھے کی مانند بیوقوف شخص کو گدھا کہہ دیتے ہیں۔

بخاری کتاب العلم میں مندرجہ ذیل حدیث درج ہے:۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا حسد الّا فی اثنتین رجل اٰتاہ اللّٰہ مالاً فسلّطہ علٰی ھلکتہ فی الحقّ ورجل اٰتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلّمھا یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف دو آدمی حسد کے لائق ہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ مال بھی دے اور راہِ حق میں صرف کرنے کی توفیق بھی دے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے غبطہ یعنی رشک کو مشابہت کی بناء پر حسد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ علم بیان میں اس کو اطلاق الاسم لسبب المشابہۃ کہتے ہیں۔ (مختصر المعانی)

اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ لن یقبل منھم توبۃ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ۔ توبہ کی اضافت ھُم کی طرف کرنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ان جیسی توبہ یعنی جھوٹی اور نمائشی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ بیضاوی کہتا ہے توبتھم لا تکون الّا نفاقاً کہ ایسی توبہ صرف منافقانہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ

مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ / ۱۷

جن لوگوں نے کُفر اختیار کیا اور کُفر کی حالت ہی میں مر گئے ان میں سے اگر کوئی فدیہ میں اتنا سونا ادا کرے جس سے تمام زمین بھر جائے تو بھی یہ اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ایک دردناک عذاب مقدّر ہے۔ کوئی شخص ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گا ◉

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۵ وَمَا

تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۳﴾

مومنو! تم نیکی کی رُوح کو نہیں پا سکتے جب تک کہ ان چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جن کو تم عزیز رکھتے ہو۔ یاد رکھو! جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

بِرّ کے معنوں میں ایمان۔ انفاق۔ صلوٰۃ۔ ایفائے عہد۔ عزم و استقلال سب شامل ہیں (۲ : ۱۷۸)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

تورات کے نازل ہونے سے پہلے سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل

نے اپنی ذات کے لئے حرام قرار دے لیا تھا، خورونوش کی تمام وہ چیزیں
جو اہلِ اسلام کے لئے حلال ہیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں۔
اے رسول! کہہ: اگر تمہیں اس بارہ میں کلام ہے تو تورات لاؤ
اور پڑھو۔ اگر تم سچّے ہو کہ ان میں سے بعض چیزیں ابتداءً حرام
تھیں تو اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو ◉

الطَّعَامِ: لاتکون ال للاستغراق بل للعهد (رازی)

جب بنی اسرائیل کو الزام دیا گیا کہ ان کی تندی اور تیزی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے بعض حلال چیزیں ان پر حرام قرار دے دیں (۴: ۱۶۱، ۶: ۱۴۷) (احبار ۱۱: ۴، استثناء ۱۴: ۷) تو انہوں نے کہا کہ یہ چیزیں تو شروع ہی سے حرام تھیں مسلمانوں نے ان کو حلال قرار دے لیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ابراہیم کے وقت تو تمام وہ چیزیں جو مسلمان کھاتے ہیں حلال تھیں البتہ یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزوں کو اپنی ذات کے لئے حرام قرار دیا تھا (پیدائش ۳۲: ۳۲) اور بنی اسرائیل کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ انکو اپنے اُوپر حرام قرار دے لیتے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۵﴾

حقیقتِ امر کے کھُل جانے کے بعد جو لوگ اَب بھی اللہ کی طرف
من گھڑت باتیں منسوب کریں گے تو وہ پکّے ظالم سمجھے جائیں گے ◉

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۶﴾

اے رسُول! ان سے کہہ: جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ نے سچ فرمایا

ہے تو ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو ادیانِ باطلہ سے کنارہ کش

ہو کر دینِ حق کا پیروکار ہو چکا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا ◉

صَدَقَ اللّٰہُ کا تعلق ایک تو حلال و حرام کی اس بحث سے ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے اس پیشگوئی سے ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق ابراہیم نے کی تھی اور جس کا ذکر ۲: ۱۳۰ میں کیا گیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ ﴿٩٧﴾

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکّہ میں ہے۔ اللہ نے اس میں بہت برکت رکھی ہے اور یہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس میں کئی روشن نشانات ہیں جن میں سے ایک مقامِ ابراہیم ہے اور دوسرا یہ کہ جو کوئی اس گھر میں داخل ہؤا امان پا گیا۔

لوگوں پر، ان پر جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں، فرض ہے کہ اللہ کی خاطر خانۂ کعبہ کا حج کریں۔ جو کوئی اللہ کے حکم کا انکار کرے اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ کی کوئی ضرورت اس کے بندوں سے وابستہ نہیں ◉

مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا: 'اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ' کی تفسیر بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں وَمَنْ دَخَلَهٗ سے پہلے مِنْهَا محذوف سمجھا جائے گا۔ یہ معنی متن میں کئے گئے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ، فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کا بدل لیا جائے اور مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا، مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ کا معطوف ہو۔ اس صورت میں مندرجہ ذیل معنی ہوں گے: اس میں کئی روشن نشانات ہیں۔ مقامِ ابراہیم ہے۔ جو اس گھر میں داخل ہوگیا امان پاگیا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اے رسول! ان سے کہہ: اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو؟ یاد رکھو! اللہ تمہاری کرتوتوں سے بخوبی واقف ہے ◉

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے رسول ان سے کہہ: اے اہلِ کتاب! تم کیوں ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہو؛ تم چاہتے ہو کہ اس راہ میں کجی نکالو حالانکہ اس صداقت کے تم خود گواہ ہو۔ یاد رکھو! اللہ تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ◉

وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ: یعنی یہ دین تو دینِ ابراہیم ہے جس کی صداقت کے تم خود گواہ ہو۔ یا۔ یہ دین

وہ ہے جس کی صداقت کے تمہارے دِل گواہ ہیں یا جس کی صداقت خود تمہاری کتابوں میں مشہود ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾ ع

اے مومنو! اگر تم علماء اہلِ کتاب میں سے بعض لوگوں کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ لیکن تم کیونکر کفر اختیار کرو گے جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے۔ یاد رکھو جس نے اللہ کا دامن مضبوط تھام لیا وہ سیدھے راستہ کو پا گیا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور یہ التزام کرو کہ جب تم پر موت آئے فرمانبرداری تمہارا شعار ہو۔ تم سب اللہ کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور تفرقہ سے بچو۔ اللہ کا احسان یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمہارے دِل باہم جوڑ دیئے، چنانچہ تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اور اس نے تمہیں گِرنے سے بچا لیا۔ جس طرح اللہ نے یہ بات کھول کھول کر بیان کی ہے اسی طرح وہ اپنی آیات تمہیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: چونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اِس لئے ضروری ہے کہ انسان کسی آن اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

مومنو! تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے۔ نیکی کی تعلیم دے اور بدی سے روکے۔ یہی وہ جماعت ہے جو اپنے مقصد کو پا گئی ۞

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾

تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو روشن دلائل آچکنے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے اور اختلاف میں پڑ گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ایک بہت بڑا عذاب مقدر ہے ۞

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۟ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۷﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۸﴾

اس دن کا دھیان کرو جس دن بعض چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے اور بعض چہرے خوف سے سیاہ پڑ چکے ہوں گے۔ جن

لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ چکے ہوں گے ان سے کہا جائے گا: کیا تم نے
ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا؟ اچھا تو اپنے کفر کے نتیجہ میں عذاب کا
مزہ چکھو۔ البتہ وہ لوگ جن کے چہرے چمک رہے ہوں گے اللہ کی رحمت
کے سایہ تلے ہوں گے، اور اسی کے سایہ میں وہ ہمیشہ رہیں گے ◉

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اے رسول! یہ اللہ کی سچی آیات ہیں جو ہم تجھے سنا رہے ہیں۔ اللہ
اپنی مخلوق پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا ◉

یعنی قرآن سراسر رحمت ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ع ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۱ ۸

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔
تمام امور بالآخر اللہ ہی کے حضور پیش کئے جائیں گے ◉

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ
اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ

اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

مومنو! تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کی بہتری کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب بھی تمہاری طرح ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض مومن ہیں لیکن ان میں سے اکثر کافر ہیں ◉

لَوْ اٰمَنَ : کایمانکم (روح البیان)

اٰمَنَ کے معنی اس نے امن دیا بھی ہیں۔ اس کے مطابق مندرجہ ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں، تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ کے دین کے ذریعہ امن قائم کرتے ہو (باسببیہ لی گئی ہے۔ ای: تومنون بدین اللہ) اگر اہلِ کتاب بھی امن قائم کرنے والے ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ ان میں سے بعض امن قائم کرنے والے ہیں لیکن ان میں سے اکثر شر پسند ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ کچھ ایذا پہنچا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھلا کر بھاگ جائیں گے، پھر انہیں کسی طرف سے مدد نہیں ملے گی ◉

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّ كَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی اور اللہ کے بندوں کی پناہ میں آجائیں یہ جہاں کہیں پائے جائیں گے ذلت ان کے شاملِ حال ہو گی۔ یہ اللہ کے غضب کے نیچے آگئے ہیں اور بےبسی ان کا نشان بن چکا ہے۔ ان کی اِس بدبختی کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں، اور اس کا سبب وہ نافرمانی ہے جو انہوں نے کی اور وہ حد سے بڑھنا ہے جو ان کا وطیرہ بن چکا ہے ●

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

وَمَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

تاہم یہ تمام کے تمام ایک ایسے نہیں۔ اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی

ہیں جو اپنے عہد پر قائم ہیں، رات کے اوقات میں اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور خدا کے حضور سربسجود ہوتے ہیں، اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کی ہدایت کرتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو درحقیقت نیک ہیں۔ اگر وہ کوئی نیک عمل کریں گے تو وہ ضائع نہیں جائے گا۔ اللہ متقیوں کے حال سے خوب واقف ہے ◉

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

البتہ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کے اموال اور ان کی اولاد انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ یہ لوگ دوزخ کے مکین ہیں۔ اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہیں گے ◉

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

جو کچھ یہ دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس آندھی

کی طرح ہے جس میں پالا ہو اور وہ ایسی قوم کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہو اور اسے برباد کر دے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ یہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۹﴾

مومنو! اپنے لوگوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی دوست نہ بناؤ۔ کافر تمہاری تباہی میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ وہ تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتے ہیں جو تمہاری تکلیف کا باعث ہو۔ ان کا بغض ان کے منہ سے ٹپک رہا ہے۔ لیکن وہ کینہ جو ان کے دلوں میں مخفی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے راہِ عافیت کے نشانات تم پر واضح کر دیئے ہیں۔ اگر تم میں عقل ہے تو تم ہلاکت کی راہوں پر قدم نہیں مارو گے ◉

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ : من العداوة (جلالین)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ : جوابِ شرط محذوف ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۲۰﴾

تم وہ سادہ لوح ہو جو ان سے محبّت کرتے ہو۔ لیکن باوجود اس کے کہ تم اللہ کی تمام کتب پر ایمان رکھتے ہو وہ تم سے محبّت نہیں کرتے۔ وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے لیکن جب علیحدہ ہوتے ہیں تو غصّے کے مارے اپنی انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے رسول! اُن سے کہہ دے: اپنے غصّے میں جل مرو اللہ تمہارے دِلوں کی حالت اچھی طرح جانتا ہے ◉

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ: انتم اولاء الخاطئون فی موالاتھم (روح البیان۔شوکانی وبیضاوی)

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۲/۱۱/۳

اگر تمہیں کوئی خوشی ہو تو وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی رنج پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو گے اور ان سے

کنارہ کرو گے تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ اللہ ان کی کرتوتوں سے خوب واقف ہے ◉

وَتَتَّقُوْا: یا: اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۲﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے رسول! وہ وقت بھی یاد کر جب تُو صبح صبح اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہُوا تاکہ مومنوں کو لڑائی کے لئے ان کے مورچوں میں بٹھائے۔ مومنو! جب تم میں سے دُو گروہ ہمّت ہارنے لگے تو اللہ ان کی ساری باتیں سُن رہا تھا، ان کے تمام افعال دیکھ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے ان کی نگہبانی کی۔ مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ◉

جنگِ اُحد کے وقت جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مقابلہ کے لئے نکلے تو عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین راستہ میں مقام شوط پر اپنے ہمراہیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس کے بہکانے سے خزرج میں سے بنوسلمہ اور اوس میں سے بنوحارثہ بھی ہمّت ہارنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور وہ ثابت قدم رہے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا: اے عاصمهما من اتباع تلك الخطرة (بیضاوی) اس کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ جب اللہ ان کا نگہبان تھا تو ان کو ہمّت نہیں ہارنا چاہیئے تھی کیونکہ مومن اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں (بیضاوی)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

مومنو! اس سے پہلے اللہ تمہیں بدر میں فتح دے چکا ہے جبکہ تم چند بے سروسامان لوگ تھے۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اس کے انعام پاؤ اور شکر کرو ●

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : لعلكم ينعم الله عليكم فتشكرون (بیضاوی)

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اے رسول! وہ وقت بھی یاد کر جب تُو مومنوں سے کہہ رہا تھا: کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہوگی کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ نے کہا تھا: اللہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ بلکہ اگر تم صبر کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور کافر تم پر اسی دم چڑھ آئیں تو تمہارا رب پانچ ہزار تباہی مچانے والے حملہ آور فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا ●

بَلَىٰ: یکفیکم بذالك (روح البیان)

سوّم علی القوم کے معنی ہیں اغار علیھم فعاث فیھم (اقرب) یعنی اس نے ان پر حملہ کیا اور ان میں بھگڈر مچادی۔

اس جگہ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے اور انفال: ۱۰ میں ایک ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے۔

مفسّرین نے اس اختلاف کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ پہلے ایک ہزار فرشتوں نے مدد کی تھی پھر تین ہزار نے اور پھر پانچ ہزار نے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک ہزار فرشتے صرف مقدمۃ الجیش کے طور پر تھے۔

طرزِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بدر کا نہیں بلکہ اُحد کا ذکر ہے۔ اس پر قرینہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قول الن یکفیکم ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ عبداللہ بن ابی کے علیحدہ ہو جانے سے مسلمان دِل برداشتہ ہو گئے تھے سو ان کی تسلّی کے لئے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں تین سو آدمی جانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے مامور کر دے گا۔ پھر اس پر مزید قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول بلیٰ ان تصبروا۔۔۔ الخ ہے کہ اگر کافروں نے فی الفور حملہ کر دیا تو وہ تمہاری مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے مامور کر دے گا۔ ان معنوں کی صورت میں اذ تقول (۱۲۵) اذ ھمت (۱۲۳) کا بدل بنتا ہے (املا)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۷﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

اللہ نے مدد کے اس وعدہ کو تمہارے لئے بشارت کا ذریعہ اور اطمینانِ قلب کا باعث بنایا۔ یاد رکھو! فتح و کامرانی تو اللہ ہی کے حضور سے

ملتی ہے جو ہر بات پر غالب ہے۔ جس کی ہر بات میں حکمت ہے۔
پھر اس نے تمہیں فتح دی تاکہ کافروں کا ایک بازو کاٹ ڈالے،
بلکہ اس لئے بھی کہ انہیں ذلیل و رسوا کر دے اور وہ جیسے آئے
تھے ویسے ہی ناکام واپس چلے جائیں ◉

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ : ذکر المدد (رازی)

اَوْ يَكْبِتَهُمْ : او للتنويع دون الترديد (بیضاوی و روح البیان)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اے رسول! تجھے اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ چاہے تو ان
کافروں کو معاف کر دے اور چاہے تو ان کو سزا دیدے۔ وہ بہرحال
ظالم ہیں ◉

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳۰﴾ ع ۱۳

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے،
وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔
لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے
والا ہے ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

مومنو! اپنے مال کو دگنا چوگنا کرنے کے لئے سُود مت کھاؤ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم منزلِ مقصود کو پا جاؤ ◉

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً : ضِعْفٌ کے معنی ہیں کسی چیز کے مثل یا اس سے بڑھ کر۔ کم از کم دگنا زیادہ کی حد نہیں۔ اضعاف اس کی جمع ہے (اقرب۔ لسان) مضاعف اسم مفعول ہے یعنی دگنا چوگنا کیا ہؤا۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً، ربٰوا کا حال بھی ہو سکتا ہے یعنی دگنا چوگنا سُود مت کھاؤ۔ اور آیت کی تقدیر لتجعلوا اموالکم اضعافًا مّضٰعفةً بھی ہو سکتی ہے یعنی اپنے مال کو دگنا چوگنا کرنے کے لئے سُود مت کھاؤ۔

جہاد کے ساتھ سُود کا ذکر اِس لئے کیا ہے کہ جہاد کے لئے قوم کی یکجہتی اور بلند ہمّتی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سُود کھانے سے یہ دونوں صفات ضائع ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ سُود کھاتے ہیں ان کی توجہ قومی فائدہ سے ہٹ کر ذاتی منفعت پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ پھر جو لوگ ناجائز دولت جمع کرنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں ان کے لئے اللہ کی راہ میں جان و مال قربان کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور
اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے رب
کی طرف اور اس جنّت کی طرف دوڑو جس کی پنہائی آسمانوں اور زمین
کے برابر ہے اور جو ان متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور
تنگدستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اپنے غصّے کو دباتے ہیں
اور خطاکاروں سے درگذر کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ ایسے نیکوکاروں سے
محبّت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا
لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
اُولٰٓئِكَ جَزَاۗؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

ہاں اس جنّت کی طرف دوڑو جو ان متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے
جو اگر کوئی بُرا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو
یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں (اور اللہ کے
سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے؟) اور جانتے بوجھتے اپنے افعالِ
شنیعہ پر اصرار نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزاء اللہ کی مغفرت

ہے اور ایسے باغات ہیں جو بہتی ہوئی نہروں سے شاداب ہیں۔
جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ محنت کشوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے!◉
وَالَّذِيْنَ کا عطف اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ پر لیا گیا ہے (بیضاوی۔ رازی واملا)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

تم سے پہلے کئی اُمتوں سے ہمارے معاملات ہو چکے ہیں۔ زمین میں گھومو اور دیکھو کہ نبیوں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اس بات میں لوگوں کے لئے حقائق ہیں اور متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے◉

فالمراد بسنن الله معاملات الله فی الامم المکذبة بالهلاك (روح البیان)

اِس آیت کے مندرجہ ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں: تم سے پہلے ہمارے اور بھی دساتیر گذر چکے ہیں۔ زمین میں گھومو اور دیکھو کہ ان کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اب یہ قرآن ہمارا دستور ہے جو لوگوں کو حقائق بیان کرتا ہے اور متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت کا باعث ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

تم ہمّت نہ ہارو اور غم نہ کھاؤ۔ اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے◉

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿۱۴۱﴾

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو کافروں کو بھی تو ویسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ اللہ اچھے اور بُرے دن لوگوں کے درمیان بدلتا رہتا ہے تاکہ اور باتوں کے علاوہ وہ مومنوں کو پرکھ لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ عطا فرمادے۔ اور وہ یہ اس لئے بھی کرتا ہے تاکہ مومنوں کو آلائشوں سے پاک کر دے اور کافروں کو آہستہ آہستہ تباہ کر دے۔ یاد رکھو اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ●

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے نہ جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہے اور نہ ثابت قدم رہنے والوں کو ●

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ کے اعراب سمجھنے میں اکثر مشکل پیش آتی ہے۔ صاحبِ املاء کہتا ہے انه مجزوم ایضا لکن المیم لما حرکت لا لتقاء الساکنین حرکت بالفتح اتباعا للفتحة

قبلها (املاء) یعنی اصل میں یعلم بھی مجزوم ہے لیکن التقاء ساکنین کی وجہ سے میم سے ماقبل ل کی فتح کی وجہ سے اس کو بھی فتح دیا گیا ہے۔

وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ میں و جمع کے لئے یا صرف کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے آیت کے مندرجہ ذیل معنے ہوں گے: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تم میں سے جہاد کرنے والوں کو نہیں پرکھا۔ یقیناً تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ صبر کرنے والوں کو بھی پرکھ نہ لے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۱۴ ۵

تم موت کے آنے سے پہلے اس کی تمنّا کیا کرتے تھے۔ اور جب تم نے اسے دیکھا تم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ◉

یا: اور جب تم نے اسے دیکھا اس نے تمہیں منتظر پایا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

محمد صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی رسول گذر چکے ہیں۔ کیا

اگر وہ مرجائے یا قتل ہو جائے تو تم سیدھے چلتے چلتے ایڑیوں کے
بل پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو! جو کوئی ایسا کرے گا اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیگا،
ہاں اگر تم ہر حال میں اس کا شکر کرو گے تو یاد رکھو اللہ اپنے شکرگذار
بندوں کو جزائے خیر دے گا ◉

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ : فَيَخْلُوْ كَمَا خَلَوْا (بیضاوی۔رازی۔شوکانی وروح البیان)
یعنی جس طرح پہلے تمام رسول اِس دنیا سے چلے گئے وہ بھی ضرور چلا جائے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

کوئی جان اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتی۔ اللہ نے موت کے
وقت کا ایک معیّن قانون بنایا ہے۔ جو شخص اپنے اعمال کا بدلہ دُنیا
میں حاصل کرنا چاہتا ہے ہم اسے اس کا بدلہ دنیا میں دے دیتے
ہیں۔ اور جو کوئی اپنے اعمال کا بدلہ آخرت میں حاصل کرنا چاہتا ہے
ہم اسے اس کا بدلہ آخرت میں دے دیتے ہیں ہم شکرگذار بندوں
کو ضرور جزائے خیر دیں گے ◉

کتاب کے معنی ہیں قانون۔ مؤجّل، اجل سے اسم مفعول ہے۔ اَجَلْ کے معنی ہیں: وقتِ مقررہ،
غایۃ الوقت، انتہائی وقت، زندگی، موت، زندگی اور موت کا انتہائی وقت، کسی چیز کے بروئے کار آنے کا وقت۔
رازی نے مؤجّل کے معنی مشتمل علی الآجال بھی کئے ہیں۔ مُؤَجَّلًا، کِتٰبًا کی صفت واقع ہوا ہے۔
کتٰبًا سے پہلے فعل محذوف ہے۔ گویا آیت کی تقدیر ہے کتب الموت کتابًا مؤجلًا یا کتب اذن اللہ

کتٰبًا مؤجلاً۔ وغیرہ

کتب اللّٰہ الموت کتابًا مؤجلاً کے اعتبار سے اس کے معنے ہوں گے کہ اللّٰہ نے موت کو کتابًا مؤجلاً بنایا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا لکلّ اجلٍ کتاب (۱۳ : ۳۹) یعنی ہر ایک اجل کے لئے ایک قانون ہے پس موت کے قانونِ مؤجل ہونے کے یہ معنے ہیں کہ اس کا وقت اس قانون کے تابع ہے جو اس کے لئے بنایا گیا ہے۔

قرآن نے نماز کو کتابًا موقوتًا (۴ : ۱۰۴) کہا ہے یعنی ایسا قانون جو وقت کا پابند ہے۔ یعنی نہ وہ وقت سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے نہ وقت کے بعد لیکن وقت کے اندر آگے پیچھے پڑھی جاسکتی ہے۔ یہی حال موت کا ہے اپنے وقت کے اندر آگے پیچھے ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غصہ زندگی کو کم کرتا ہے۔

اس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللّٰہ نے موت کو ایک ایسا قانون بنایا ہے جو مقررہ زمانہ تک محدود ہے یعنی یہ ایک وقتی قانون ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا جبکہ موت ذبح کردی جائے گی اور اس کے بعد کوئی موت نہیں ہوگی۔ رسولِ پاک صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اذا صار اھل الجنّۃ الی الجنّۃ و اھل النّار الی النّار جیئ بالموت حتی یجعل بین الجنّۃ والنّار ثم یذبح وثم ینادی منادٍ یا اھل الجنّۃ لاموت ویا اھل النّار لاموت فیزداد اھل الجنّۃ فرحًا الی فرحھم و یزداد اھل النّار حزنا الی حزنھم (البخاری ومسلم۔ باب الحوض والشفاعۃ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص۴۹۳) یعنی قیامت کے دن جب اہلِ جنّت جنّت میں چلے جائیں گے اور اہلِ دوزخ دوزخ میں تو موت جنّت اور دوزخ کے درمیان لاکر ذبح کردی جائے گی۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے اہلِ جنّت اب کوئی موت نہیں اور اے اہلِ دوزخ اب کوئی موت نہیں۔ اس بات سے اہلِ جنّت کی خوشیوں میں اضافہ ہوگا اور اہلِ دوزخ کے ہموم وغموم میں۔

اگر اس کے معنے کتب اذن اللّٰہ کتابًا مؤجلاً کئے جائیں تو آیت کے معنے ہوں گے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے اذن کے اجراء کے وقت کے لئے ایک معیّن قانون بنایا ہے۔

پہلی آیت میں حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ہے۔ اس جگہ فرمایا کہ اگرچہ ہر ایک نفس کے لئے موت لازمی ہے لیکن یہ موت اللّٰہ کے اذن اور حکم سے آتی ہے۔ رہا محمد صلے اللّٰہ علیہ وسلم کا سوال سو کتب اللّٰہ نصرہٗ کتابًا مؤجلاً اس کی فتح کا وقت اللّٰہ نے معیّن کر رکھا ہے اور تم اسے ٹال نہیں سکتے۔

نُؤْتِهٖ مِنْهَا : مِنْ بعض دفعہ فی کے معنوں میں بھی استعمال ہوجاتا ہے۔ دیکھو: تاویل مشکل القرآن،

من مکان فی ص ۱۳۱۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں جن کی ہمراہی میں بڑی بڑی جماعتیں لڑیں، لیکن جو تکالیف انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ کمزوری دکھلائی اور نہ دشمن کے سامنے جھکے۔ اللہ ایسے ہی مستقل مزاجوں سے محبت کرتا ہے ◉

استکانۃ، سکون سے ماخوذ ہے جس کے معنے ساکن ہونا ہیں۔ مسکین اس سے اسم فاعل ہے۔ استکانت کے معنے ہیں اپنے مدمقابل کے سامنے بے دست و پا اور بے حس و حرکت ہو جانا اور آگے سے کوئی مزاحمت نہ کرنا (بیضاوی و روح البیان)

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

تکالیف کے اژدہام میں اگر ان کے منہ سے کوئی بات نکلی بھی تو یہ کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش اور وہ بے راہ روی جو ہم نے اپنے معاملات میں کی ہے اس کے نتائج سے ہمیں بچا، ہمیں پائے ثبات عطا

فرما اور کافروں کی قوم پر فتح دے ◉

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

ان کے تبتّل الی اللہ کا یہ نتیجہ ہُوا کہ اللہ نے ان کو اِس دُنیا میں بدلہ دیا اور وہ انہیں آخرت میں بھی بہت اچھا بدلہ دے گا۔ اللہ ایسے ہی نیکوکاروں سے محبّت کرتا ہے ◉

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ : ف سبب کے لئے ہے۔ دیکھو بیضاوی و روح البیان۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

مومنو! اگر تم کافروں کے پیچھے لگے تو وہ تمہیں راہِ راست سے پھیر دینگے اور تم سراسر نقصان اُٹھاؤ گے ◉

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

لیکن تم کافروں کے پیچھے کیوں لگو جب کہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ بہترین مددگار ہے ◉

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ : اضراب عن مفهوم الجملة الاولىٰ (شوکانی)

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

ہم عنقریب کافروں کے دِل رُعب سے بھر دیں گے کیونکہ انہوں نے ان چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ کیا ہی بُرا ہے ان ظالموں کا ٹھکانہ! ◉

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

مومنو! اللہ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اس وقت پورا ہو گیا جب تم کافروں کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ لیکن جب تم نے کمزوری دکھلائی اور اس حکم کے بارے میں جو تمہیں دیا گیا تھا جھگڑا کرنے لگے اور عین اس وقت نافرمانی کی جبکہ اللہ نے فتح و کامرانی جس کے لئے تم تڑپ رہے تھے تمہاری آنکھوں کے سامنے لا کر رکھ دی تھی، تائید ایزدی تم سے واپس لے لی گئی۔ تم میں ایسے لوگ بھی تھے

جو دنیا کے طالب تھے اور ایسے بھی تھے جو آخرت کے طالب تھے۔ دیکھو!
اللہ نے تمہیں کافروں پر غلبہ پانے سے روک دیا تاکہ وہ تمہاری آزمائش
کرے، لیکن آخرکار اس نے تمہیں معاف کر دیا۔ بات یہ ہے کہ اللہ مومنوں
پر بہت ہی فضل کرتا ہے ◉

حسّ کے معنی ہیں حس کو باطل کرنا یعنی قتل کرنا (رازی۔ بیضاوی۔ رُوح البیان وشوکانی) حسّہ کے
معنی ہیں قتلہ واستاصلہ یعنی اس نے اسے قتل کر دیا اور اس کی جڑیں کاٹ دیں (اقرب ولسان) حَسَّهُمْ
کے معنی وَطِئَهُمْ وَاَهَانَهُمْ یعنی اُس نے انہیں پاؤں کے نیچے روند ڈالا اور ذلیل کر دیا (لسان و
لین)۔

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ: جواب اذا محذوف (جلالین۔ رازی۔ بیضاوی وروح البیان)
اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب قوم کا ایک معتد بہ حصہ غلط راہ پر چل نکلے اور اللہ تعالیٰ کی غفاری شاملِ حال
نہ ہو تو ساری قوم اس کا خمیازہ بھگتتی ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ
يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا
تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾

وہ وقت بھی یاد کرو جب تم بھاگے چلے جاتے تھے اور نہ کسی کے لئے
ٹھہرتے تھے نہ کسی کا انتظار کرتے تھے حالانکہ اللہ کا رسول تمہارے
پیچھے کھڑا تمہیں بُلا رہا تھا۔ پھر اللہ نے تمہارے غم کے ساتھ ایک اور
غم شامل کر دیا تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور جو مصیبت
تمہیں پہنچی تھی تم اس پر غم نہ کھاؤ۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے سب اعمال

سے باخبر ہے ◉

لَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ : لا یقف احد لاحد ولا ینتظر (بیضاوی نیز دیکھو اقرب ولسان)

فِیٓ اُخْرٰىكُمْ کے مندرجہ ذیل معنی ہو سکتے ہیں :-

ا ۔ تمہاری فوج کی پچھلی جماعت میں کھڑا ۔ ای واقف فی ساقتکم (بیضاوی وروح البیان)

ب ۔ تمہارے پیچھے کھڑا ۔ ای واقف فی اخراکم (روح البیان)

ج ۔ فی بمعنی الی بھی ہو سکتا ہے ۔ گویا آیت کے معنی ہوئے الی اخراکم یعنی تم آگے کو بھاگ رہے تھے لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں پیچھے کی طرف بلا رہے تھے ۔ یا مومنوں کی اس جماعت کی طرف بلا رہے تھے جو تمہارے پیچھے تھی ۔ آثار میں آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اِلَیَّ عباد اللہ ۔ اِلَیَّ عباد اللہ اے اللہ کے بندو میری طرف لوٹو ۔ اے اللہ کے بندو میری طرف لوٹو ۔ (طبری)

فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ : یہاں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جبکہ جنگِ اُحد میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں ۔ اس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غم میں مسلمان اپنے سارے غم بھول گئے، لیکن یہ غم تو غلط افواہ کی بنا پر تھا جو بعد میں خوشی میں بدل گیا ۔ گویا ایک عارضی غم کے ذریعے خدا تعالیٰ نے ایک مستقل غم دُور کر دیا ۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ؕ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ

كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۵﴾

اس غم کے بعد اللہ نے تم پر ہلکی سی پُرسکون نیند طاری کر دی جس نے تم میں سے ایک گروہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اللہ پر ایسی بدگمانی کرتے تھے جس کا کوئی جواز نہ تھا، ایسی بدگمانی جو زمانۂ جاہلیّت کے لوگ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: کیا اس معاملہ میں ہماری بھی کچھ چلے گی۔ اے رسول! ان سے کہہ دے: ہر معاملہ میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے۔

وہ اپنے دِلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں: اگر کچھ ہماری بھی چلتی تو ہم یہاں اِس طرح مارے نہ جاتے۔

اے رسول ان سے کہہ دے: اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو وہ لوگ جن کی موت لکھی تھی اپنے قتل ہونے کی جگہ پر خود بخود پہنچ جاتے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوُا اِس لئے ہوُا تاکہ اللہ تمہارے اندرونوں کا امتحان کرلے اور تمہارے دِلوں کے گند دھو ڈالے۔ یاد رکھو! اللہ دِلوں کے سب بھید جانتا ہے ●

اَمَنَةً مؤنث ہے جو کہ امنًا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نُعَاسًا مذکر ہے۔ اِس آیت کی ایک قراءت یَغْشٰی ہے اور دوسری تغشٰی۔ یغشٰی میں ضمیر نعاس کی طرف راجع ہے اور تغشٰی میں اَمَنَةً کی طرف۔ چونکہ فعل کی نسبت نعاس کے ساتھ اقرب الی الفہم ہے اِس لئے یَغْشٰی افصح ہے۔

اَمَنَةً نُعَاسًا کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں :-

۱۔ اَمَنَةً مفعول ہے اور نُعَاسًا اس کا بدل ہے۔ اِس اعتبار سے معنی ہوں گے : اللہ نے تم پر اطمینان کی حالت یعنی ہلکی سی نیند طاری کر دی۔ (اردو میں بدل کا ترجمہ 'اور' اور 'یعنی' سے بھی کر دیتے ہیں)

۲۔ نُعَاسًا، اَمَنَةً کا عطف بیان ہے۔ اِس اعتبار سے معنی ہوں گے : اللہ نے تم پر اطمینان کی حالت یعنی ہلکی سی نیند طاری کر دی۔

۳۔ امنة حال من المخاطبین ہے اور اس کے معنی ذوی امنة ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کی تقدیر ہوئی وانزل علیکم (یا ذوی) امنة من بعد الغم نعاسًا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امنةً اٰمن کی جمع ہے جیسے بارٌّ جو کہ اصل میں بارِرٌ ہے کی جمع بَرَرَةٌ ہے۔ اس صورت میں 'ذوی' کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ان تمام صورتوں میں اس کے معنی ہوں گے : اور تم پر جو کہ امن میں آچکے تھے غم کے بعد ہلکی سی نیند طاری کر دی۔

۴۔ نُعَاسًا مفعول ہے اور اَمَنَةً اس کا حال جو اس سے پہلے لایا گیا۔ جیسے کہتے ہیں رایتُ راکبًا رجلًا میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو کہ سوار تھا۔ یہ معنی املاء۔ رازی۔ بیضاوی اور کشاف نے کئے ہیں۔ متن میں یہی معنے کئے گئے ہیں۔

یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ : النفاق (روح البیان)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶/۷

تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے مومنوں اور کافروں میں مٹھ بھیڑ کے
دن پیٹھ دکھلائی تھی ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے بہکا دیا تھا،
لیکن اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا۔ سزا
دینے میں دھیما ہے ۝

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

مومنو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اور
اپنے بھائیوں کے متعلق جب وہ سفر یا لڑائی پر نکلیں اور فوت ہو جائیں
کہنے لگتے ہیں: اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے۔ ان کی
اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کی بات کو ان کے لئے حسرت کا
سبب بنا دیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور
وہی مارتا ہے۔ یاد رکھو جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ۝

غُزًّى: غازٍ کی جمع ہے جو کہ اسم فاعل ہے۔

اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ: فماتوا (روح البیان)

لِيَجْعَلَ: اللام لام العاقبۃ (بیضاوی و روح البیان)

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ

اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا مر جاؤ تو تم دیکھو گے کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت اس مال سے جو کفار جمع کرتے ہیں بہت بہتر ہے۔ خواہ تم مرو یا قتل کئے جاؤ بہرحال تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۝

يَجْمَعُوْنَ : الكفرة (روح البيان)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

اے رسول! یہ اللہ کا فضل ہے کہ تُو مومنوں کے لئے حلیم الطبع واقع ہوا ہے۔ اگر تُو تندخو اور سخت دِل ہوتا تو یہ لوگ تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔ پس ان سے درگذر کر اور ان کے لئے اللہ کی بخشش مانگ اور ضروری معاملات میں ان کا مشورہ لے۔ لیکن جب تُو کسی بات کا پختہ ارادہ کرلے تو تامّل نہ کر اور اللہ پر توکّل کر۔ یاد رکھ اللہ ان لوگوں سے محبّت کرتا ہے جو اس پر توکّل کرتے ہیں ۝

فَتَوَكَّلْ : ف متعلق بمحذوف ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

مومنو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا لیکن اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد تمہاری کون مدد کرے گا ◉

مِنْۢ بَعْدِهٖ: من بعد خذ لانہ (بیضاوی۔ جلالین و روح البیان) یعنی اس کے تمہیں چھوڑ دینے کے بعد۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ جو لوگ خیانت کرینگے قیامت کے دن اپنی خیانت کا وبال اُٹھائے ہوئے حاضر ہوں گے۔ پھر جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا وہ اس کا پورا پورا بدلہ پائیں گے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ◉

يَاْتِ بِمَا غَلَّ: بما احتمل من وبالہ و اثمہ (بیضاوی) یہاں نتیجہ کے لئے وہی لفظ استعمال کیا ہے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۳﴾

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

کیا وہ لوگ جو اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کی مانند ہو سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کے مورد ہوں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو؟ اور کیا ہی بُرا ہے یہ ٹھکانہ! اللہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ مختلف مقامات رکھتے ہیں۔ اللہ ان دونوں کے اعمال دیکھ رہا ہے ◉

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۵﴾

اللہ نے مومنوں پر بہت احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہیں جیسے ایک بندے کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سُناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے، ورنہ وہ اس سے پہلے کھُلی گمراہی میں مبتلا تھے ◉

مِنْ اَنْفُسِهِمْ : ای من جنسهم او من نسبهم (بیضاوی و روح البیان) مؤخر الذکر صورت میں یہ معنی ہوں گے: انہی کے بھائی بندوں میں سے۔ اِن معنوں کے اعتبار سے بائیبل کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا ہے کہ ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ (استثناء ۱۸ : ۱۸)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۶﴾

یہ کیا قصہ ہے کہ جب تمہیں کوئی نقصان پہنچا حالانکہ تم اس سے پہلے اس سے دُگنا نقصان دشمن کو پہنچا چکے تھے تو تم چلّا اُٹھے: ہائے یہ آفت کہاں سے ٹوٹ پڑی۔

اے رسُول! اُن سے کہہ: یہ تمہاری ہی شامتِ اعمال ہے۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے ◉

یعنی جنگِ اُحد کے نقصان پر تو تم چلّا اُٹھے حالانکہ بدر میں تم دشمن کو اس سے دُگنا نقصان پہنچا چکے تھے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

اَعۡلَمُ بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾ۚ

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۹﴾

اور جو تکلیف تمہیں مؤمنوں اور کافروں میں مٹھ بھیڑ کے دن پہنچی تھی اللہ ہی کے حکم سے پہنچی تھی۔ اس کی غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں کو الگ کر کے دکھلا دے اور کافروں کو الگ کر کے۔ دیکھو! منافقوں سے کہا گیا تھا: آؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور اگر لڑ نہیں سکتے تو کم ازکم دفاع میں تو شامل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے کہا: اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے مُنہ سے وہ دعوے کرتے ہیں جن سے ان کے دِل خالی ہیں۔ جو نفاق وہ چُھپا رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو پیچھے بیٹھے رہے لیکن لڑائی کے بعد اپنے بعض بھائیوں کے متعلق کہنے لگے: اگر وہ ہماری پیروی کرتے تو قتل نہ ہوتے۔

اے رسول! ان سے کہہ: اگر تم سچ کہتے ہو تو ذرا اپنی ہی موت ٹال کر دکھلا دینا ◉

لِیَعۡلَمَ: لیتمیز (روح البیان و بیضاوی)

لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعۡنٰکُمۡ: یعنی یہ تو سراسر ہلاکت ہے۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ (من قربهم) لِلْاِيْمَانِ (روح البیان)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ ع ۱۷ / ۱۶ / ۸

اے شخص! ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مرے ہوئے نہ سمجھ۔ مُردے کہاں! وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس ہیں، بغیر کسی محنت کے اپنا رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا اس پر شاداں ہیں، اور اس بشارت سے خوش ہیں کہ ان لوگوں کو جو ان کے پیچھے رہ گئے اور ابھی اُن سے نہیں ملے نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔ وہ اللہ سے انعام و اکرام پاکر خوش ہیں اور اِس لئے بھی خوش ہیں کہ جانتے ہیں کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔

يُرْزَقُوْنَ مجہول ہے۔ اِس میں محنت اور تردّد کے بغیر ملنے کا مفہوم پیدا ہو رہا ہے۔

الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ

ان لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر ہے جنہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ ہاں ان لوگوں کے لئے جو اچھے کام کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ◉

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ : من للبيان. والمقصود من ذكر الوصفين المدح والتعليل لا لتقييد (بيضاوی و روح البيان)

جنگِ اُحد کے اگلے روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان حملہ کے لئے لوٹ رہا ہے اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو بُلایا اور فرمایا کہ آج ہمارے ساتھ وہی جائے گا جو کل ہمارے ساتھ تھا چنانچہ حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک تشریف لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور وہ واپس چلے گئے۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

ان لوگوں کے لئے بھی بہت بڑا اجر ہے جنہیں لوگوں نے کہا: لوگ تمہیں مٹانے کے لئے لشکر جمع کر چکے ہیں، پس ان سے ڈرو۔ لیکن اِس بات سے ان کے ایمان اَور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے کہا: ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے، اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے! ◉

جَمَعَ فعل متعدی ہے اس کا مفعول محذوف ہے۔ گویا اس کی تقدیر ہے جمعوا لکم الجموع لیستأصلوکم (جلالین)

اُحُد سے واپسی پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ اگلے سال ہم پھر بدر کے مقام پر نبرد آزمائی کریں گے۔ حضورؐ نے جواباً فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگلے سال ابوسفیان دو ہزار کی جمعیت لے کر مکہ سے نکلا لیکن خوف کھا کر راستہ ہی سے واپس لوٹ گیا۔ اپنی ندامت کو چھپانے کے لئے اس نے مشہور کر دیا کہ اہلِ مکہ عظیم الشان لشکر کے ساتھ چڑھائی کر رہے ہیں۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان خائف ہو جائیں اور مقابلہ کے لئے نہ نکلیں اور اس طرح اس پر اعتراض نہ آئے لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم ستّر صحابہؓ کے ساتھ حسبِ وعدہ بدر پر پہنچ گئے اور آٹھ دن وہاں قیام فرمایا۔ وہاں ایک تجارتی میلہ لگا ہوا تھا جس کے ساتھ تجارت کر کے صحابہؓ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۵﴾

وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے اور اللہ کے انعام و اکرام حاصل کر کے لوٹے۔ انہیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ اور جب وہ اللہ کے مزید انعام و اکرام پائیں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ بہت ہی فضل کرنے والا ہے ◉

فَانْقَلَبُوْا: الفاء فصيحة۔ خرجوا اليهم ووافوا الموعد فرجعوا (روح البیان۔ شوکانی ورازی)۔

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ : و کا عطف مقدر عبارت پر ہے جو کہ سابقہ مضمون سے عیاں ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

وَخَافُونِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

تمہیں باتیں بنا کر ڈرانے والا شیطان ہے۔ وہ تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لیکن تم ان سے نہ ڈرو۔ اگر تم سچے مومن ہو تو صرف مجھی سے ڈرو ◉

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ : اخاف اور خوّف، یخوّف کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں اس کے معانی یخوفکم اولیاءہ ہیں یعنی پہلا مفعول (کم) محذوف ہے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اَوْلِيَآءَهٗ پہلا مفعول لیا جائے اور الناس بطور مفعول ثانی محذوف سمجھا جائے اس صورت میں فَلَا تَخَافُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر النّاس کی طرف جائے گی اور آیت کے معنی ہوں گے، تمہیں باتیں بنا کر ڈرانے والا شیطان ہے وہ اپنے دوستوں کو لوگوں سے ڈراتا ہے، لیکن تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو تو صرف مجھی سے ڈرو۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اے رسول! ان لوگوں کی وجہ سے دل گرفتہ نہ ہو جو کفر کی راہ اختیار کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے۔ ان کے لئے ایک سخت عذاب مقدر ہے ◉

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾

وہ لوگ جو ایمان کی بجائے کفر کو اختیار کرتے ہیں اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان کی تقدیر میں ایک دردناک عذاب لکھا ہے ◉

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٩﴾

کافر یہ نہ سمجھیں کہ جو ڈھیل ہم نے انہیں دے رکھی ہے اس میں ان کی بہتری ہے۔ ہم نے تو انہیں ڈھیل صرف اِس لئے دے رکھی ہے تاکہ وہ گناہوں میں اور بھی بڑھ جائیں، اور آخرکار ان کے لئے ذلّت کی مار ہے ◉

لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا: اگر لام عاقبت کے لئے لیا جائے تو مندرجہ ذیل معانی ہوں گے: ہماری ڈھیل کا نتیجہ تو صرف یہ ہوگا کہ وہ گناہوں میں اور بھی بڑھ جائیں گے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِى مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُ ۖ

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۸۰﴾

مومنو! یہ ممکن نہیں کہ بُرے بھلے میں تمیز کئے بغیر اللہ تمہیں اسی حال میں چھوڑ دے جس میں تم اب ہو۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اللہ تمہیں اپنے غیب کے اسرار بتلا دے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے۔ پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یاد رکھو! اگر تم ایمان کا حق ادا کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا ◉

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ : الخطاب للمؤمنین (رازی وشوکانی)

تَتَّقُوْا : یا : نفاق سے بچتے رہو گے (بیضاوی۔ جلالین و رُوح البیان)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۱﴾ ع ۱۸ / ۹

وہ لوگ جو اس مال کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو دیا ہے یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ فعل ان کے حق میں بھلا ہے۔ بھلا کہاں! یہ تو ان کے حق میں بہت بُرا ہے۔ وہی مال جو وہ ناجائز بچا بچا کر رکھ رہے ہیں قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار بن جائے گا۔ یاد

رکھو! زمین و آسمان کی ہر چیز کا اللہ ہی وارث ہے، اور اللہ تمہارے
سب اعمال سے باخبر ہے ◉

وارث کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنے باقی کے ہوتے ہیں یعنی، ایسی ہستی جو اس وقت بھی باقی رہے گی جب تمام دُنیا فنا ہو جائے گی (لین۔ لسان) آیت کے معنے ہیں: تم کس لئے ان چیزوں میں جو اللہ نے تمہیں دی ہیں بخل کرتے ہو جبکہ تم اور تمہاری نسلیں سب فنا ہو جائیں گی اور آخرکار کوئی وارث نہیں رہے گا مگر اللہ۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۲﴾

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۚ ﴿۱۸۳﴾

اللہ نے ان لوگوں کی بات سُن لی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ ہم ان کے اس قول کو اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رکھیں گے اور وقت آنے پر انہیں کہیں گے: ذرا جہنّم کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم روا نہیں رکھتا ◉

سَنَکْتُبُ کے معنی محاورہ میں سنحفظ فی علمنا بھی ہیں (بیضاوی و رُوح البیان) اِس اعتبار سے اس کے معنے ہوئے: ہم ان کے اس قول کو اور انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو اچھی طرح یاد رکھیں گے۔

اَنَّ : والامر انّ (روح البیان)

ظَلَّام : فعّال کے وزن پر ظالم کا مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ نعوذ باللہ چھوٹا ظلم کر لیتا ہے بڑا نہیں کرتا، بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم کرنا بھی اس کو ظلّام بنا دے گا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماتحتوں اور غریبوں پر اور ان جانوروں پر جو آگے سے مدافعت نہیں کر سکتے ظلم کرنا انسان کو ظلّام بنا دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ کا عطف مَا قَدَّمَتْ پر بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں آیت کی تقدیر ہو گی ذٰلك بما قدّمت ایدیکم و ذٰلك بانّ اللہ لیس بظلّامٍ للعبید یعنی تمہیں جہنم میں تمہارے سابقہ اعمال کی وجہ سے ڈالا جا رہا ہے اور پھر اس وجہ سے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، یعنی اگر تمہیں جہنم میں نہ ڈالا جاتا تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ تم نے اللہ کی بہترین مخلوق یعنی انبیاء پر جو ظلم کئے اللہ نے ان کو روا رکھا۔ گویا تمہیں سزا نہ دینا اللہ کے ان بندوں پر بہت بڑا ظلم ہو گا جن کی تم نے حق تلفی کی ہے۔ اِس میں یہ بھی نکتہ ہے کہ ظلّام کو ظلم کی سزا نہ دینا خود حاکم کو ظلّام بنا دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

اللہ نے ان لوگوں کا قول بھی سُن لیا ہے جو کہتے ہیں: اللہ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے روبرو سوختنی قربانی نہ کرے۔

اے رسُول! ان سے کہہ: مجھ سے پہلے تمہارے پاس کُھلے کُھلے نشانوں کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ جس کا تم ذکر کرتے ہو کئی رسُول آچکے

ہیں۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو پھر تم انہیں کیوں قتل کرنے کے
درپے رہے ⦿

اَلَّذِیْنَ : لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ (۱۸۲) میں اَلَّذِیْنَ کا بدل واقع ہوا ہے (املاء)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۵﴾

اے رسول! تجھے ان کے انکار سے دِل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔
اگر انہوں نے تیرا انکار کیا ہے تو تجھ سے پہلے رسولوں کا بھی جو کہ
کھلے کھلے دلائل، صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے انکار کیا گیا
تھا ⦿

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ : ف مقدر عبارت پر دلالت کرتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور جب تم موت کا مزہ چکھ چکو
گے تو قیامت کے دن اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پاؤ گے۔ پھر جو
آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا اپنے مقصد کو پا گیا
ورنہ یہ ورلی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے ⦿

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

مومنو! تمہیں جانی اور مالی نقصان کے ذریعے آزمایا جائے گا، اور تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتابِ الٰہی دی گئی ہے اور مُشرکوں سے بہت کچھ بُرا بھلا سُنو گے۔ لیکن اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو بہت بڑے عزم کا مظاہرہ کرو گے کیونکہ صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا بڑی ہمّت کا کام ہے ◉

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کا جواب محذوف ہے جو فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ سے لیا گیا ہے گویا آیت کی تقدیر ہے ان ذٰلک عزمۃ من عزمات اللہ (کشاف)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے علماءِ اہلِ کتاب سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم یہ کتاب لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرو گے اور اس کی تعلیم کو

نہیں چھپاؤ گے، لیکن ان لوگوں نے اِس عہد کو پسِ پُشت ڈال دیا اور اس کے عوض حقیر قیمت قبول کر لی۔ کیا ہی بُرا ہے وہ سودا جو انہوں نے کیا!

فَنَبَذُوهُ: ای المیثاق (کشاف۔ بیضاوی۔ رازی۔ رُوح البیان۔ نسفی)

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۹﴾

تُو یہ نہ سمجھ۔ ہرگز نہ سمجھ کہ وہ لوگ عذاب سے بچ جائیں گے جو اپنی بداعمالیوں پر اتراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کام کا سہرا بھی ان کے سر باندھا جائے جو انہوں نے سرانجام نہیں دیا۔ ان کی قسمت میں ایک دردناک عذاب لکھا ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹۰﴾ ع

۱۹ ع ۱۰

آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ اللہ ہر بات پر قادر ہے

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۱﴾ لا

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۲﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۳﴾

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ ﴿۱۹۴﴾

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۵﴾

آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کی گردش میں دانشمندوں کے لئے کئی نشان ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے رب یہ تمام عالم تُو نے بے کار نہیں بنایا تیری ذات عیب سے پاک ہے۔ پس ہمیں جہنّم کے اس عذاب سے بچا جو

ان لوگوں کی پاداش ہے جو تیرے کاروبار کو باطل سمجھتے ہیں۔ اے ہمارے رب ! تُو نے ان لوگوں کو بہت ہی خوار کیا جنہیں جہنّم میں ڈال دیا۔ ان ظالموں کو کوئی تیرے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ اے ہمارے رب ! ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سُنی جو ایمان کی طرف بُلاتا ہے اور کہتا ہے : اپنے رب پر ایمان لاؤ اور ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! تُو ہمارے گناہ بخش اور ہماری بُرائیاں ہم سے دُور کر اور ہمیں ایسی حالت میں موت دے کہ ہمارا شمار نیکوں میں ہو۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ انعام و اکرام عطا فرما جس کا وعدہ تُو نے ہم سے اپنے رسُولوں کے ذریعے سے کیا ہے۔ اے ہمارے رب! قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کرنا۔ بےشک تُو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا ◉

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ : ای من عذاب النّار الّذی ھو جزاء الّذین لا یعرفون ذٰلك (رُوح البیان) اَلنَّار میں ال معہود ذہنی کے لئے ہے جس کا مضمون آیت ماسبق سے پیدا ہو رہا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۶﴾

ان کے رب نے ان لوگوں کی دعا سُن لی ہے۔ وہ فرماتا ہے: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرونگا۔ تم ایک دوسرے کے اعضاء ہو۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور کفّار سے لڑے اور مارے گئے، مَیں ان سے ان کے گناہ دُور کر دوں گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جو چلتی ہوئی نہروں سے شاداب ہیں۔ یہ اجر اللہ کی طرف سے ہو گا۔ اور اللہ وہ ذات ہے جس کے پاس اچھے سے اچھا اجر موجود ہے ۝

بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ : لفرط الاتصال و الاتحاد (بیضاوی) اس کے معنے بعضکم کبعض بھی ہو سکتے ہیں یعنی ایک دوسرے کی مانند ہو (رُوح البیان)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِؕ ﴿۱۹۷﴾ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ۚ ثُمَّ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۹۸﴾

اے شخص! کافروں کا ملک میں اِدھر اُدھر پھرنا تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے۔ ان کا نفع عارضی ہے اور اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے، اور کیا ہی بُرا ہے یہ ٹھکانہ! ۝

قَلِيۡلٌ ؛ لقصر مدته (بیضاوی)

لٰـكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۹﴾

اس کے برعکس وہ لوگ جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے جو چلتی ہوئی نہروں سے شاداب ہیں، وہ ان میں بطور اللہ کے مہمان ہمیشہ رہیں گے۔ یاد رکھو! وہ اجر جو اللہ کے پاس نیک لوگوں کے لئے ہے دُنیا کے مال و متاع سے بہت ہی اچھا ہے ◉

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: حالًا من الضمير فی خٰلدین۔ نُزُلًا نازل کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ (املاء)

خیر افعل التفضیل کا صیغہ ہے جس میں مقابلہ کا مفہوم پایا جاتا ہے چنانچہ جلالین کہتا ہے (خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ) من متاع الدنیا۔ نیز دیکھو بیضاوی

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۰﴾

اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر، اس پر جو تم پر نازل ہوا اور اس پر جو ان پر نازل ہوا اللہ کے حضور خشوع و خضوع بجا لاتے ہوئے ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ کی آیات کے عوض حقیر قیمت قبول نہیں کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ اللہ ان کا حساب بہت جلد چکا دے گا ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۱﴾ ع ۲۰ / ۱۱

مومنو! صبر سے کام لو۔ کافروں سے بڑھ کر صبر دکھاؤ۔ استقامت کو اپنا شعار بناؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اپنے مقصد کو پالو ◉

سُورَةُ النِّسَاۤءِ

ربطِ آیات

سورۃ بقرہ اور سورۃ آلِ عمران میں جہاں یہ بتلایا تھا کہ خدا تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نظام نَو قائم کرنا چاہتا ہے وہاں پُرانے بُت بھی توڑے تھے۔ چنانچہ یہودیت۔ عیسائیت۔ شرک اور منافقت کی تردید کی اور کئی اسالیب سے بتلایا کہ اصل دین دینِ ابراہیم ہی ہے یعنی اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے ماتحت کر دینا۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض احکام کا بھی ذکر کیا تھا جو نظامِ نَو کے خدوخال کو بیان کرتے تھے۔

نظامِ نَو کا جو حصّہ مخلوق سے تعلق رکھتا ہے اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے۔ اِس ضمن میں سب سے زیادہ مظلوم یتیم اور عورت ہیں۔ چنانچہ سورہ نساء میں ان کے حقوق کی تعیین کی گئی۔ پھر منافقوں کا اور جنگ کا ذکر کیا اور بعض ایسے دیگر احکامات بیان کئے جو نظامِ نَو کے قیام میں پیدا ہونے والی دشواریوں کے حل کے لئے ضروری تھے۔ پھر نظامِ نَو کے علمبردار یعنی رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔

آیت ۲ :-

سورۃ آلِ عمران کی آخری آیت میں مومنوں کو کافروں کے مقابلہ میں استقلال اور ہمت کی تلقین کی تھی اور کہا تھا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وہاں اللہ کے تقویٰ کی یہ صورت بیان کی تھی کہ اللہ کے علاوہ کسی اَور سے نہ ڈرو اور اسی کو اپنا حرزِ جان بناؤ۔ لیکن اللہ کے تقویٰ کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ کمزوروں۔ یتیموں اور ضعیفوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔ چنانچہ سورۃ نساء کے شروع میں فرمایا لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے مرد و زن اور تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی جنس سے پیدا کیا۔ باقی مذاہب میں عورت کو بہت ذلیل مقام دیا گیا تھا۔ بائبل نے اسے گناہ کا بانی قرار دیا۔ (پیدائش ۳ : ۶) اور کہا مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی۔ پس عورت کو چاہیئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی نشانی رکھے (۱۔کرنتھیوں ۱۱ : ۱۰، ۱۱) اِس تفریق کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۱ : ۸) لیکن قرآن نے کہا کہ دونوں

ایک ہی جنس سے ہیں اور دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔

پھر عورت کی یہ عزت افزائی فرمائی کہ حکم دیا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔ رحمی رشتوں کے ذکر سے یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ دوسرے رشتوں کا پاس نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن نے بار بار اقرباء سے نیک سلوک کرنے کا ذکر کیا ہے (۲ : ۸۴، ۴ : ۳۷، ۲۷ : ۱۷) رحمی رشتوں کا خصوصیت سے اِس لئے ذکر کیا کہ عربوں میں عورت کی وقعت نہیں تھی اور اس لئے وہ رحمی رشتوں کا پاس بہت کم کرتے تھے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ ارحام کے لفظ کا اوّل مصداق رحمی رشتہ دار ہیں لیکن یہ لفظ تمام رشتہ داروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (لسان)۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے حقوق ادا کرنے کے حکم کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق کا کیوں ذکر کیا۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان پر اللہ کے بھی حقوق ہیں اور مخلوق کے بھی مخلوق کے حقوق میں سب سے زیادہ حق عزیزوں اور رشتہ داروں کا ہے کیونکہ الاقرب فالاقرب جو شخص اپنے اقرباء کا حق ادا نہیں کرتا وہ دوسروں کا حق کیا ادا کرے گا۔

ارحام کے حقوق کا ذکر اللہ کے حقوق کے ساتھ آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ کے رحمٰن اور رحیم ہونے کا ذکر تھا۔ دوسری میں اس کی ربوبیت کا ذکر کیا۔ رِحم اور رحمٰن کے الفاظ کے متقارب الاشتقاق ہونے کا تقاضا تھا کہ اللہ کے رحیم بندوں کو حکم دیا جاتا کہ اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ ارحام کے حقوق بھی ادا کریں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم سے کہا انا الرحمٰن و انت الرحم شققت اسمك من اسمی فمن وصلك وصلته و من قطعك قطعته یعنی میں رحمٰن ہوں اور تُو رحم۔ مَیں نے تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے[۱] پس جو صلہ رحمی کرے گا اس کو مَیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور جو قطع رحمی کرے گا اس کو مَیں اپنے سے دُور کر دوں گا۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مخلوق کے حقوق کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا صرف رشتہ داروں کے حقوق کا کیوں ذکر کیا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ جب یہ فرمایا کہ تمام انسان ایک ہی جنس سے پیدا کئے گئے ہیں تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہا کہ تمام نسل انسانی ایک ہی رشتہ میں منسلک ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ

---

[۱] یہ اِس بات کا بھی ثبوت ہے کہ عربی الہامی زبان ہے۔

(۴ : ۲۶) پس رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کے حکم میں تمام نسلِ انسانی آجاتی ہے البتہ الاقرب فالاقرب۔

آیت ۳ :-

عمومی رنگ میں مخلوق کے حقوق کی طرف توجہ دلانے کے بعد بعض ایسے احکام بیان کئے ہیں جو کہ بطور اصل الاصول ہیں اور جن کا مقصد ظلم کو دُور کرنا اور انصاف کو قائم کرنا ہے۔

فرمایا یتیموں کا مال ان کو دو یعنی ضرورت کے وقت ان کا مال ان پر خرچ کرو اور بالغ ہوجائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کردو۔ پھر فرمایا کہ پاک چیز کے بدلہ ناپاک چیز نہ لو اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔

آیت ۴ :-

یتیموں کا مال کھانے کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اس میں گھپلا نظر نہیں آتا۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لیا جائے اور گھاٹا ان کی طرف منتقل کردیا جائے اور نفع اپنی طرف۔ موجودہ قانون میں ایسی بددیانتی کو Mingling کہتے ہیں۔ آیت ۳ میں اِس چیز سے واضح الفاظ میں منع کیا ہے۔

دوسری صُورت یہ ہے کہ یتیم بچّیوں کو اپنے یا اپنے بیٹے وغیرہ کے نکاح میں لے آیا جائے اور اس طرح انکے مال پر قبضہ کرکے خورد بُرد کرلیا جائے۔ اِس آیت میں فرمایا کہ اگر تم یہ سمجھو کہ تم یتیموں کا حق ادا نہیں کرسکو گے تو ان سے شادی نہ کرو بلکہ ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہارے لئے حلال ہوں یا جو تمہیں پسندیدہ ہوں الفاظ کی بندش واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ شادی صرف پسندیدہ عورتوں سے ہونی چاہیئے۔ اگر تمہیں یتیم لڑکیاں پسند ہیں تو تم بیشک ان سے شادی کرو بلکہ مستحسن یہی ہے کہ تمہاری نگاہِ انتخاب پہلے ان ہی پر پڑے لیکن شادی کرتے وقت تمہارے مدِّنظر ان کا حُسن و احسان ہونا چاہیئے یہ غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ تم اِس طرح ان کے مال پر قبضہ کرلوگے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس آیت میں یتامیٰ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یتیم بچّے بھی ہیں اور بیوہ عورتیں بھی۔ پس جہاں اِس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اگر تم یتیم بچّیوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتے تو اُن سے نکاح نہ کرو وہاں یہ معنے بھی ہیں کہ اگر تم بیوہ عورتوں سے یا ان کے یتیم بچّوں سے انصاف نہیں کرسکتے تو ان سے نکاح نہ کرو۔ منجملہ کئی دیگر صورتوں کے بے انصافی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بیوہ کا مال ناحق کھایا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیوہ سے تو اس کے حُسن و جمال یا دولت کی وجہ سے

شادی کر لی جائے لیکن اس کی یتیم اولاد کے حقوق ادا نہ کئے جائیں۔ قرآن نے ہر ایک قسم کی ناانصافی سے منع کیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آیات مدنی ہیں۔ جنگ کے نتیجہ میں بچوں کا یتیم اور عورتوں کا بیوہ ہونا لازمی امر ہے، اگر معاشرہ شہداء کے بچوں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے میں تساہل کرتا ہے تو منجملہ دیگر خرابیوں کے قوم کی جنگی صلاحیتوں پر بُرا اثر پڑے گا اور لوگ انجام سے بے خوف ہو کر جان قربان کرنے میں دریغ کریں گے۔ پس فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ تم یتیموں اور بیواؤں سے شادی کرو۔ ہاں اگر تمہیں اپنے نفس پر بھروسہ نہیں اَلْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ (۷۵ : ۱۵) تو بہتر ہے کہ ان کی بجائے دوسری عورتوں سے شادی کرو۔

فحوائے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مسلمانوں نے لمبی جنگیں لڑنی تھیں جس کا اللہ تعالیٰ کو علم تھا پس افزائش نسل کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو گا کہ اِس چھوٹی سی آیت میں کتنے مضامین بند ہیں۔

آیت ۵ :-

جب نکاح کا ذکر آیا تو ساتھ کے ساتھ اس کی حدود بھی متعین کر دیں اور عورتوں کے حق مہر کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ دلا دی۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ اگرچہ کوئی مسئلہ ضمنی طور پر ذکر ہو اس کے ضروری ضروری خدوخال بیان کر دیتا ہے۔

آیت ۶ :-

اس کے بعد فرمایا ناسمجھوں کے مال ان کو نہ دو کیونکہ یہ مال قوم کی دولت ہیں۔ آیت ۳ میں فرمایا تھا اٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ یتیموں کو ان کے مال دو۔ یہاں فرمایا ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَھَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا ناسمجھوں کو اپنے مال نہ دو جنہیں اللہ نے تمہارے قیام کا باعث بنایا ہے۔

خطاب کے اس فرق سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱ - اگر کوئی صاحبِ عقل و خرد بالغ ہو تو اس کو اپنے مال پر تصرّف کا حق ہے۔

۲ - اگر کوئی شخص بالغ ہو جائے لیکن اس میں شعور پیدا نہ ہوا ہو تو اس کو اپنے مال پر تصرّف کا حق پیدا نہیں ہوتا۔

۳ - اموال دراصل قوم کی ملکیّت ہیں افراد کا حق ان میں محدود (Limited) ہے۔

۴ ۔ اگر کوئی شخص اپنے مال کو اس طرح ضائع کرے کہ ثابت ہوجائے کہ وہ قوم کی دولت کو ضائع کر رہا ہے تو حکومت اسے اپنے تصرف میں لے سکتی ہے۔

اِس جگہ یتیم کی بجائے سفیہ کا لفظ لا کر معانی میں وسعت پیدا کر دی ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کی بے عقلی کے یہ معنی نہیں کہ ان کا حق فوت ہوجاتا ہے غرض صرف اتنی ہے کہ قومی دولت ضائع نہ ہو حکومت اس مال میں سے یا اس کے منافع میں سے ان لوگوں کے نان نفقہ کا بندوبست کرے۔

آیت ۷ :۔

آیت ۶ کے حکم سے یہ خطرہ پیدا ہوسکتا تھا کہ لوگ اس حکم کو بہانہ بنا کر یتیموں کا مال انہیں نہ دیں۔ لہذا فرمایا کہ سِن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے یتیموں کو آزماتے رہو تاکہ وہ اپنے اموال کو سنبھالنے کے اہل ہوجائیں اور جب وہ بالغ ہوجائیں اور تم ان میں شعور اور رُشد دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔

آیت ۶ میں یہ فرمایا تھا کہ اگر Ward بے سمجھ ہے اور خطرہ ہے کہ وہ مال کو ضائع کر دے گا تو اس کا مال اس کے حوالہ نہ کرو۔ اس حکم کی لازمی شق یہ تھی کہ ولی کو بھی حکم دیا جاتا کہ یتیم کا مال فضول ضائع نہ کرے چنانچہ فرمایا کہ تم اس خیال سے کہ یتیم بالغ ہو کر اپنے مال کی واپسی کا تقاضا نہ شروع کر دے اس کے مال کو فضول ضائع نہ کرو۔

یتیم کے مال کی حفاظت کے متعلق احکام اس قدر شدید تھے کہ ولی نادار ہوتے ہوئے بھی اس میں سے حق الخدمت نہیں لیتے تھے چنانچہ فرمایا کہ جو غنی ہے وہ یتیم کے مال سے حق الخدمت نہ لے لیکن جو محتاج ہے وہ دستور کے مطابق لے لے۔

بنیادی حکم یہ تھا کہ یتیم کا مال اس کو واپس کرو۔ اس سے گریز کی ایک صُورت یہ ہوسکتی تھی کہ یتیم کے علم اور تجربہ کی کمی سے فائدہ اُٹھا کر کچھ مال واپس کر دیا اور کچھ نہ کیا، لہذا فرمایا کہ جب اس کا مال واپس کرو تو اس پر گواہ ٹھہرا لو۔

دیکھو کس خوبی سے معاملہ کی تمام صورتوں کو ملحوظ رکھ کر تفصیلی احکام دیئے ہیں۔

آیت ۸ :۔

یتیموں کے بعد عورتوں کا ذکر کیا۔ عرب لوگ عورتوں اور بچوں کو کوئی حق نہیں دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے میراث صرف ان کا حق ہے جو جنگ لڑیں یعنی بالغ مردوں کا۔ عورتوں کو ان کے حق سے محروم کرنا کچھ

عربوں سے خاص نہ تھا تمام دُنیا میں عورت محروم الارث تھی۔ عیسائی ممالک میں تو آج بھی لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کو کوئی حق نہیں ملتا۔ قرآن نے فرمایا وراثت میں مردوں (اِس میں بچے بھی شامل ہیں) اور عورتوں (اِس میں بچیاں بھی شامل ہیں) دونوں کا حق ہے اور وہ حق اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

آیت ۹ :-

قرآن کے وراثت کے اصول پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل غرض دولت کو تقسیم کرنا ہے۔ عیسائی ممالک میں اس کے برعکس اُصول یہ ہے کہ دولت تقسیم نہ ہو چنانچہ متوفی کی تمام جائداد کا وارث صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے چھوٹے لڑکے اگرچہ بالغ ہوں وارث نہیں ہوتے اور لڑکی تو لڑکے کی موجودگی میں قطعاً محروم الارث ہے اس قانون کو Law of Primogeniture کہتے ہیں۔ یہی ذہنیت سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔ قرآن کی اصل غرض دولت کو تقسیم کرنا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے (۵۹ : ۸) اِس لئے وراثت کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر ورثہ کی تقسیم کے وقت اقرباء، مساکین اور یتیم حاضر ہوں تو وراثت کے مال سے ان کو بھی کچھ دے دیا جائے اور ان سے حُسنِ کلام کے ساتھ پیش آیا جائے۔

قرآن نے صدقہ و خیرات کے ساتھ حُسنِ معاملہ اور حُسنِ کلام پر بہت زور دیا ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲ : ۲۶۵)

آیت ۱۰ :-

پھر فرمایا: لوگوں کو یتیموں کے بارہ میں خوفِ خدا سے کام لینا چاہیئے اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اور ناتوان بچے چھوڑتے تو انہیں خوف ہوتا کہ ان کا کیا بنے گا۔ گویا یہ فرمایا کہ چیزے کہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں ہم مپسند۔

آیت ۸ میں عورتوں اور یتیموں کو وراثت میں حقدار ٹھہرایا تھا اس کے بعد کی آیات میں اس حکم پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے چونکہ اصل مقصد یتیموں کے حقوق قائم کرنا ہے باقی احکام ذیلی طور پر بیان ہوئے ہیں اِس لئے کلام کا رُخ بار بار اسی طرف موڑا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ :-

فرمایا: جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں آگ کھاتے ہیں ان کا ٹھکانہ جلتا ہوُا دوزخ ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا قانون بنانا جس میں یتیم محروم الارث ہو جائیں بھی یتیموں کا مال کھانا ہے۔ ایسے منحوس معاشرہ

کا لازمی نتیجہ جہنم ہے۔

آیت ۱۲، ۱۳ :۔

آیت ۸ میں قانونِ وراثت کا اجمالاً ذکر کیا تھا اِن آیات میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ آیت ۸ کا اصل محل یتیموں اور عورتوں کے حقوق قائم کرنا تھا ان آیات میں وراثت کے قانون کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ ضمنی طور پر موضوع بن جاتا ہے تو اس کے ضروری خدوخال بیان کر دیئے جاتے ہیں تاکہ بات تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ قرآن کی مثال ایک خوشنما باغ کی طرح ہے۔ اگر کسی پھول کی رعنائی اور دلفریبی کو اجاگر کرنے کے لئے پس منظر کا انتظام کرنا ہوتا ہے تو پس منظر کو بھی پورا پورا مزین کر دیا جاتا ہے تاکہ تصویر کا حسن پورا پورا ابھر آئے۔

آیت ۱۴، ۱۵ :۔

احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا جو ان احکام پر کاربند ہو گا اس کے لئے جنت ہے جو نہیں ہو گا اس کے لئے دوزخ ہے۔ یہ بیان ان احکام کی Sanction کے طور پر آیا ہے۔

آیت ۱۶، ۱۷ :۔

سورہ نور میں زنا کی سزا سو کوڑے ہے۔ یہاں فاحشہ کی سزا عورتوں کے لئے حبس اور مردوں کیلئے ایذاء بیان کی ہے بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن ہم قرآن میں نسخ کے قائل نہیں اگر قرآن میں نسخ ہوتا تو ایسے نسخ کو صریحاً بیان کیا جاتا۔ اب تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی مفسر دو آیتوں میں تطابق نہیں کر پایا فوراً ایک کو منسوخ قرار دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیتا ہے۔ چنانچہ بعض کے نزدیک کوئی آیت منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک کوئی اور یار لوگوں نے منسوخ آیات کی تعداد ۵۰۰ تک بڑھا دی ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ کتاب الٰہی سے اِس قسم کا مذاق بہت بڑی جسارت ہے۔

سورہ نور میں خصوصیت سے زنا کی سزا کا بیان ہے اور یہاں فاحشہ کا لفظ ہے پس کوئی ضروری نہیں کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا لیا جائے۔ آیت ۱۶ میں اَلّٰتِی کا لفظ آیا ہے جو کہ تثنیہ اور جمع مؤنث کا صیغہ ہے اور آیت ۱۷ میں جہاں مردوں کے جرم کا ذکر ہے اَلَّذٰنِ کا لفظ آیا ہے جو کہ تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا نہیں بلکہ ایسی جنسی بدکاری ہے جو ہم جنس باہم کرتے ہیں یعنی سحق یا اغلام۔ پس ان آیات کا سورہ نور کے احکام سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حکم کو وراثت کے حکم کے بعد کیوں رکھا گیا۔

سو جاننا چاہیئے کہ وراثت کے حکم میں خاص طور پر عورتوں کا حق قائم کیا گیا تھا۔ یہاں اصل رُوئے سخن انہیں کی طرف ہے۔ جب ان کو حق دے کر انسانوں کی صف میں کھڑا کیا گیا تو ان کے لئے بھی ضروری ہوا کہ ایسے غیر انسانی افعال سے باز آئیں جو انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں۔ پھر عورتوں کے ذکر کے ساتھ مردوں کی ایسی ہی بُرائی کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا۔ اگر اس کا ذکر نہ کیا جاتا تو خیال پیدا ہوتا کہ ان کے لئے یہ فعل بُرائی نہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح آیت ۸ میں لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ، وَلِلنِّسَآءِ نَصِیبٌ تھا اسی طرح اس آیت میں عورتوں کو بھی فاحشہ سے روکا گیا اور مردوں کو بھی۔ وہاں مردوں کا ذکر پہلے اِس لئے آیا تھا کہ ان کا حق مسلّمہ امر تھا اور یہاں عورتوں کا ذکر اس لئے پہلے آیا ہے کہ جب عورتوں کو ان کے حقوق دے کر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا گیا تو انہیں ان کے فرائض سے بھی آگاہ کیا گیا۔ پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے اور قوم کی صحت کے لئے عورت کا ان بُرائیوں سے بچنا مرد کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ نور میں بھی زانیہ کا ذکر زانی سے پہلے آیا ہے۔

آیت ۱۸ :-

فاحشہ اور اس کی سزا کے ذکر کے بعد توبہ کا ذکر کیا لیکن توبہ کو صرف فاحشہ کے لئے محدود نہیں کیا بلکہ اس کے دروازے ہر ایک قسم کے گناہ کے لئے کھلے رکھے۔

آیت ۱۹ :-

توبہ کے ساتھ شرط یہ رکھی کہ وہ خلوص نیّت سے ہو۔ چنانچہ رسُول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من تاب عن الذنب کمن لا ذنب لہٗ یعنی جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ صرف مُنہ سے توبہ کر لینا اور اس پر عمل نہ کرنا بے معنی بات ہے۔ وہ لوگ جو تمام عمر گناہ کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جب موت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب ہم نے توبہ کر لی در اصل توبہ کرنے والے نہیں ہوتے بلکہ توبہ سے تمسخر کرنے والے اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں، پس ان کی توبہ توبہ شمار نہیں ہوتی۔ اِس جگہ اَلْئٰنَ کا لفظ قابلِ غور ہے۔ یہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ وہ موت کو دیکھ کر توبہ کر رہے ہیں ورنہ ان کے دِل توبہ پر راضی نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ وہ پیارا اِس قدر رحیم ہے کہ اس کے نزدیک خلوص سے بھرا ہوا آنکھ کا ایک قطرہ جہنّم کے لپکتے ہوئے شعلوں کو سرد کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کی جناب ہر آن اور ہر لحظہ رحیم ہے۔

اس نے فرمایا ہے وسعت رحمتی کل شیئٍ، اس کی رحمت مکان و زمان کی پابند نہیں۔

آیت ۲۰ :-

مظلوموں میں یتیموں کے بعد عورتوں کا ذکر کیا۔ کچھ ذکر تو یتیموں کے ذیل میں کر دیا اور کچھ بلاواسطہ عورتوں کے حقوقِ وراثت کی تعیین کی۔ پھر ان کو ان کے بعض فرائض سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد زمانہ جاہلیت کی ایک قدیم رسم کو منسوخ کیا۔ وہ رسم یہ تھی کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کی عورتیں وارثوں کی جائداد سمجھی جاتی تھیں، وہ چاہتے تو انہیں اپنے نکاح میں رکھتے چاہتے تو بے نکاح چھوڑ دیتے اور چاہتے تو دوسروں کے پاس فروخت کر دیتے۔ گویا عورت کی اپنی نہ کوئی شخصیت تھی اور نہ زبان، وارث جو سلوک چاہتے اس سے روا رکھتے۔

پھر اس بات سے بھی منع کیا کہ عورتوں کو ان کا مال ہتھیانے کے لئے تنگ کیا جائے۔

قرآن کا قاعدہ ہے کہ صرف یہ نہیں کہتا کہ یہ بات نہ کرو، اس کے ساتھ مثبت عمل کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ نہ کرنا تو کوئی نیکی نہیں۔ بدی سے بچنا منفی قسم کی نیکی Negative Virtue ہے۔ اصل نیکی مثبت (Positive) عمل کرنا ہے۔ بائبل کے دس احکام[1] کو دیکھو۔ ان میں سے اکثر یہی ہیں کہ یہ نہ کر یہ نہ کر۔ اسی طرح ہندو مت کی تعلیم کا لُبِ لباب یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاؤ تا کہ تمہیں نروان ملے لیکن قرآن اس کے برعکس بار بار یہ کہتا ہے کہ نیکی کرو نیکی کرو اور اگر کبھی کسی بدی سے روکتا بھی ہے تو اس کے ساتھ ایک مثبت (Positive) نیکی کا حکم دے دیتا ہے جو اس برائی سے روکنے میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ جب یہ کہتا ہے شرک نہ کرو تو اس سے پہلے کہتا ہے وَاعْبُدُوا اللّٰہَ (۴ : ۳۷) جب کہتا ہے کہ زنا نہ کرو تو ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ غضِ بصر کرو، اپنی عورات کی حفاظت کرو اور نکاح کرو۔ جب یہ کہتا ہے کہ چوری نہ کرو

---

[1] ۱۔ شرک نہ کرنا — ۲۔ بت پرستی نہ کرنا
۳۔ خدا کی قسم لغو نہ کھانا — ۴۔ سبت کو کام نہ کرنا
۵۔ ماں باپ کی عزت کرنا — ۶۔ خون نہ کرنا
۷۔ زنا نہ کرنا — ۸۔ چوری نہ کرنا
۹۔ پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا — ۱۰۔ پڑوسی کے گھر۔ بیوی مال و اسباب کا لالچ نہ کرنا (خروج باب : ۲۰)

توساتھ ہی یہ حکم دیتا ہے کہ رزقِ حلال پیدا کرو چنانچہ فرمایا لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (۴ ؛ ۳۳) جب یہ کہتا ہے کہ قتل نہ کرو تو ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرو کیونکہ اگر کسی نے ایک مُردہ کو بھی زندہ کیا تو گویا اس نے تمام نسلِ انسانی کو زندہ کر دیا۔ (۵ ؛ ۳۳) اسی طرح اِس جگہ صرف یہ کہنے پر بس نہیں کی کہ عورتوں کو تنگ نہ کرو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے ساتھ حُسنِ معاشرت کا معاملہ کرو۔ فخرِ دو عالم خیر البشر نبی عربی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیرکم خیرکم لاھلہٖ و انا خیرکم لاھلی کہ تم میں سب سے زیادہ اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور مَیں اپنے اہل سے تم سب سے زیادہ اچھا سلوک کرتا ہوں۔ پھر نہایت حکیمانہ طریق سے حُسنِ معاشرت کی ترغیب دی فرمایا: ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو لیکن اللہ نے اس میں بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

آیت ۲۱ :-

اِس آیت میں عورتوں سے ایک اَور ظلم کو دُور کیا جب کسی عورت سے کسی مرد کا دِل بھر جاتا یا کسی اَور وجہ سے وہ اس کو چھوڑ دیتا تو جو کچھ اس نے اسے دے رکھا ہوتا اس سے واپس لے لیتا۔ قرآن نے اِس رسم کو یکسر بند کیا اور اسے گناہِ عظیم قرار دیا۔

آیت ۲۲ :-

پھر نیکی کے جذبات کو تحریک کی اور فرمایا کہ وہ بھی وقت تھا کہ تم دو قالب ایک جان تھے اور تم میں محبّت، اُلفت اور قانون کا عہد تھا۔ یہ مال جو تم واپس لینا چاہتے ہو یہ تو اس پُرانے عہد کی یادگار ہے۔ کیا تم ایسے ہی سنگدل ہو کہ جو مال تم نے محبّت کی پینگیں بڑھانے میں دیا اسے واپس لے لوگے۔ کیا تم ایسے ہی عہد شکن ہو کہ جو مال تم نے پکّے عہد کے ماتحت دیا اسے واپس لے لوگے۔ العیاذُ باللہ۔ ذٰلك بعید من المؤمنین۔

آیت ۲۳ :-

آیت نمبر ۲۰ میں جس رسم کو منسوخ کیا تھا اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ بیٹا باپ کی بیوی کا خاوند بن جاتا تھا اِس آیت میں اس بات سے صراحت کے ساتھ منع کیا۔

آیت ۲۴ :-

مضمون کی تکمیل کے لئے اس کے ساتھ حسبِ قاعدہ ان باقی رشتوں کا ذکر بھی کر دیا جن سے نکاح حرام ہے۔

آیت ۲۵ :-

پھر فرمایا کہ منکوحہ عورتوں سے بھی نکاح کرنا ناجائز ہے یعنی نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا۔ پھر نکاح کی اصل غرض بتلائی۔ فرمایا اس کی غرض احصان یعنی عصمت کو بچانا ہے شہوت رانی نہیں۔

آیت ۲۶ :-

نکاح کے بارہ میں مزید احکام بیان فرمائے۔ فرمایا اگر تمہیں عفیفہ مومنات دستیاب نہیں ہوتیں تو ان عفیفہ عورتوں سے شادی کرو جنہیں تم نے جنگ میں پکڑا ہے۔

جب جنگی قیدیوں سے شادی کی اجازت دی تو طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے نکاح کے لئے صرف ان کے مالکوں کے اذن کی ضرورت ہے تو کیا زنا کی صورت میں ان پر حد لگے گی۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ مملوکہ عورتوں سے نکاح کے لئے ان کے اذن کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ کھل کر انکار کر دیں تو قرآن کا حکم یہی ہے کہ پھر ان سے مباشرت نہ کی جائے۔ قرآن نے ایسی مباشرت کو بِغا یعنی زنا سے تعبیر کیا ہے (۲۴ : ۲۴) پس چونکہ ان کا اذن بھی نصف ہے اس لئے ان کی سزا بھی نصف ہی تجویز کی ہے۔ لونڈیوں کی سزا نصف تجویز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجبور سے اخلاقِ فاضلہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ فقہا نے غلاموں کو بھی اسی حکم پر قیاس کیا ہے اور ان کی سزا بھی نصف مانی ہے چنانچہ جلالین کہتا ہے ویقاس علیھن العبید نیز دیکھو رازی، شوکانی و روح البیان۔

فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ سے بعض لوگ یہ دلیل نکالتے ہیں کہ قرآن نے رجم کی سزا منسوخ کر دی ہے کیونکہ جب یہ حکم دیا کہ لونڈیوں کو محصنات سے نصف سزا دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے مُراد دُرے ہیں رجم نہیں کیونکہ سَو دُروں کے نصف تو ہو سکتے ہیں رجم کا نصف نہیں ہو سکتا۔ مَیں سمجھتا ہوں یہاں الۡمُحۡصَنٰت پر ال عہد کے لئے ہے اور اس سے مُراد وہ محصنات ہیں جن کا ذکر سورہ نور میں کیا گیا ہے اور جن کی سزا سَو دُرّے تجویز کی گئی ہے، گویا عبارت کے یہ معنی ہیں کہ ان کی سزا ان محصنات کی سزا سے نصف ہو گی جن کو سَو دُرّے لگانے کی سزا کا حکم ہے۔ فلا اشکال۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فقہاء کے نزدیک لونڈیوں اور غلاموں کے لئے رجم کی سزا نہیں۔

پھر فرمایا اگر تم صبر نہیں کر سکتے تو بے شک لونڈیوں سے شادی کر لو لیکن بہتر یہی ہے کہ تم ان سے پرہیز کرو اِس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ تمہیں احرار نہ ملیں تو لونڈیوں سے شادی کر لو کیونکہ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ لیکن

بعد میں یہ فرمایا کہ بہتر ہے ان سے شادی نہ کرو۔ ان دونوں باتوں میں بظاہر کسی قدر تضاد نظر آتا ہے۔ قرآن کا دونوں باتیں کہنے سے یہ مقصد ہے کہ دراصل تو سب بنی نوع انسان ایک جیسے ہیں اور اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں لیکن ماحول کے اثر کی وجہ سے بعض میں بعض نقائص پیدا ہو جاتے ہیں پس بہتر یہی ہے کہ تم ماحول کے نقائص سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اِس جگہ ایک بہت بڑا مسئلہ بیان کر دیا ہے کہ انسان ماحول سے کس قدر متأثر ہوتا ہے اور خلقت سے کس قدر۔ اسلام نے یہ حکم دے کر کہ اگر مملوکہ عورت کے بچہ ہو جائے تو وہ بچہ ہوتے ہی آزاد ہو جاتی ہے اِس بات کی ضمانت دی ہے کہ مسلمانوں کی نسل بہرحال محکومیت کے ماحول سے آزاد ہو گی۔

آیت ۲۷ :۔

اِس آیت میں مندرجہ بالا احکام کی غرض و غایت بیان کی ہے۔ فرمایا: اللہ چاہتا ہے کہ تمام وہ احکامات جن میں تمہاری بھلائی ہے تمہیں کھول کھول کر بیان کر دے اور تمہیں ان راہوں کی طرف ہدایت کرے جن پر پہلے سالکوں نے قدم مارا اور تم پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

آیت ۲۸، ۲۹ :۔

پھر فرمایا: اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ رحمت کا سلوک کرے لیکن وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے پوری طرح بھٹک جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان ضعیف البنیان ہے لیکن یہ لوگ تمہارے گلوں میں طوق ڈالنا چاہتے ہیں۔

آیت ۳۰، ۳۱ :۔

اِس آیت میں مال اور جان کی حفاظت کے متعلق احکام دئے ہیں اور فرمایا ہے کہ نہ تم کسی کا مال ناجائز طریق سے کھاؤ اور نہ کسی کو قتل کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو جہنم کے وارث بنو گے۔

آیت ۳۲ :۔

فرمایا: اگر تم گناہ ہائے کبیرہ سے بچو گے یعنی زنا۔ سرقہ اور قتل سے پرہیز کرو گے تو ہم تمہاری کمزوریاں دُور کر دیں گے اور تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت کا مقام دیں گے۔

آیت ۳۳ :۔

آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا تھا کہ لوگوں کا مال ناجائز نہ کھاؤ۔ ہر ایک چیز کو حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ نے جائز

طریق بنائے ہیں۔ پس اگر تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے تو اس کے حصول کے لئے تم بھی ان طریقوں پر عمل کرو لیکن بیکار آرزو نہ کرو۔ اگر یہ کہہ کر کہ سب مال خدا کا ہے چھینا جھپٹی اور گھیراؤ جلاؤ کی اجازت دے دی جائے تو دنیا سے امان اُٹھ جائے گا۔ اِس جگہ رزقِ حلال کمانے کی جس طرح مَردوں کو اجازت دی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی دی ہے۔

آیت ۳۴:۔

گذشتہ آیت میں لُوٹ کھسوٹ سے روکا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اپنی محنت کے بل بوتے پر رزق کماؤ۔ اس پر بعض تارک الدنیا قسم کے لوگ سوال کر سکتے تھے کہ یہ زندگی تو عارضی ہے اس کے لئے اس قدر تگ ودو کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا: انسان اپنے کمائے ہوئے رزق کو اپنے اعزہ و اقرباء کے لئے بھی چھوڑتا ہے۔ گویا رزق کمانے کے لئے محرک Incentive پیش کیا۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وراثت کا قانون انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ عورتوں کو بھی ان کے مفروضہ حقوق ادا کرو۔ اگر انسان کے پاس رزق ہوگا تبھی وہ عورتوں کا مہر ادا کر سکے گا، گویا کہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بھی رزقِ حلال کا پیدا کرنا ضروری ہے۔

بعض مفسّرین نے وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مُراد وہ لوگ لئے ہیں جنہیں جاہلیت میں قسم کے ذریعہ بھائی بنا لیا جاتا تھا اور وہ چھٹے حصّہ کے وارث ہوتے تھے اور پھر اس آیت کو آیت واولوا الارحام بعضهم اولٰی ببعض سے منسوخ مانا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ہم قرآن میں نسخ کو جائز نہیں مانتے اور اس کے ہر ایک حرف کو قابلِ عمل سمجھتے ہیں اور اس سے انحراف کو شقاوت کا نشان۔ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ آیت کے سیدھے سادھے معنی چھوڑ کر بعض لوگ نسخ کے لئے کیوں زمین ہموار کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

آیت ۳۵:۔

آیت ۳۳ میں عورتوں کو رزق کمانے کی اجازت دی گئی۔ پھر آیت ۳۴ میں ان کے حق مہر ادا کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ عورت مرد کے دوش بدوش کھڑی ہے۔ پس کوئی ضرورت نہیں کہ مرد اس پر کسی قسم کا حکم چلائے۔ فرمایا: نظام کا قائم رکھنا بہت ضروری ہے کسی نہ کسی کو خاندان کا سربراہ بننا ہے ہم یہ سربراہی مرد کے سپرد کرتے ہیں کیونکہ وہ قویٰ کے اعتبار سے عورت پر فائق ہے اور نیز اس پر اور اس کے عیال پر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔

جب عورت کو مرد سے اس کے حقوق دلوائے تو اس کی ذمّہ داریوں کا بھی ذکر کیا۔ اُصولی ذمّہ داری تو یہ ہے کہ وہ مرد کو خاندان کا سربراہ تسلیم کرے۔ اس کی فرع یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور عزّت کی حفاظت کرے۔

جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہیں اور بعض نہیں۔ فرمایا اگر عورتیں فرمانبرداری نہ کریں تو ان کو راہِ راست پر لانے کے تین طریقے ہیں۔ پہلے تو ان کو سمجھاؤ بجھاؤ۔ اگر یہ طریق کارگر نہ ہو تو ان سے تعلقات زن وشوئی قطع کر دو، اور اگر یہ طریق بھی کامیاب نہ ہو تو ان کو ہلکی سی مار دو (اس کی تفصیل ترجمہ کے نیچے کے نوٹ میں ملاحظہ کریں) اور اگر کسی اسٹیج پر وہ راہِ راست پر آجائیں تو اس کے بعد ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔

آیت ۳۶:۔

جھگڑے کے نپٹنے کی ایک صُورت تو یہ ہے کہ عورت اپنی کج روی کو چھوڑ دے لیکن اگر کسی وجہ سے جھگڑا نپٹتا نظر نہ آئے اور دلوں کی میل بڑھتی جائے اور یہ نظر آئے کہ فریقین ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو مصالحت کی آخری کوشش کے طور پر فرمایا کہ ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے مقرر کیا جائے اور وہ آپس میں مصالحت کی کوشش کریں، اگر نیّت نیک ہو گی تو اللہ تعالیٰ مصالحت کے اسباب پیدا کر دے گا۔

آیت ۳۷ تا ۴۰:۔

اُوپر کی آیات میں یتیموں، ناسمجھوں اور عورتوں کے حقوق وغیرہ کا ذکر کیا تھا۔ ان آیات میں قرآن کے سوشل نظام کا ایک مختصر لیکن نہایت خوبصورت نقشہ کھینچ دیا ہے۔

فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ والدین۔ عزیز و اقارب۔ یتامیٰ۔ مساکین ہمسائے۔ رفیقِ کار، ہمسفر اور جن پر تمہیں بالادستی حاصل ہو کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو۔ تکبّر اور بُخل سے پرہیز کرو۔ اللہ کے انعامات کو مت چھپاؤ۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ نہ کرو۔ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لاؤ اور اللہ کا دیا ہوا مال نیک کاموں میں خرچ کرو۔

آیت ۴۱:۔

یہاں سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ نیک کام کئے جائیں۔ فرمایا: اگر تم نیک کام کرو گے تو اللہ نیکی

کو دُنیا میں بڑھائے گا اور پھیلائے گا اور آخر کار تم اور تمہاری اولادیں اس سے فائدہ اُٹھائیں گی اور تمہیں اس کا اجر دُنیا اور آخرت میں ملے گا (اجر کو مطلق رکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ عَظِیمًا کی صفت بڑھائی گئی ہے۔ اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ تمہیں دُنیا اور آخرت میں تمہارے اعمال کی نسبت بہت زیادہ اجر ملے گا)

آیت ۴۲، ۴۳ :۔

ترغیب کے ساتھ ترہیب کو بھی جمع کر دیا۔ فرمایا: قیامت کے دن وہ لوگ جو رسُول کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور اس سے بغاوت کرتے ہیں خواہش کریں گے کہ کاش وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتے۔

آیت ۴۴ :۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اِس سورۃ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر چل رہا ہے۔ آیت ۳۹، ۴۰ میں اللہ پر ایمان کا ذکر کیا تھا۔ حقوق اللہ میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔ اس کے آداب میں سے ایک چیز یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت انسان پر ستی اور سکر اور نیند کی حالت طاری نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بعض علماء نے جو قرآن کی ہر دوسری آیت میں نسخ نکالنا ضروری سمجھتے ہیں حرمتِ خمر والی آیت (مائدہ: ۹۱) کو اس آیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات اس لئے غلط ہے کہ حرمتِ خمر کے حکم کے بعد بھی اس آیت کا حکم قابلِ عمل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حرمتِ خمر کے حکم کے بعد اس آیت کی ضرورت نہیں رہی تو یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ شراب مت پیو اور پھر یہ کہا جائے کہ نماز میں نہ پیو تو اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ نماز میں شراب پینا گناہ کبیرہ ہے۔ نیز سکر اور خمر کے معانی میں فرق ہے۔ سکر کا لفظ تو نیند، غصّہ اور غضب سب پر حاوی ہے۔

نماز کے آداب میں سے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت انسان پاک اور صاف ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ جنابت کی حالت میں غُسل کئے بغیر نماز نہ پڑھو۔ اِس حکم کو سکارٰی پر معطوف کرنے سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ جنابت کی حالت سکر کی حالت کے مشابہ ہے۔ پھر بیماری اور سفر میں پانی دستیاب نہ ہونے پر تیمم کی اجازت دی۔

آیت ۴۵ :۔

جب قرآن کے بعض ایسے احکام بتلائے جو فطرت کے تقاضوں کو پُورا کرتے ہیں تو اہلِ کتاب کے ان علماء کا ذکر بھی کر دیا جو کتاب کی یعنی تورات کی اور صحیفۂ فطرت کی سُوجھ بُوجھ رکھتے ہوئے خود بھی گمراہ ہوتے

ہیں اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

آیت ۴۶ :۔

فرمایا: اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہی تمہارا مولا ہے اور وہی تمہارا مددگار یعنی جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ کے علم میں تمہارے دشمن ہیں۔ تم اپنے آپ کو اللہ کی ولایت میں دے دو اور اسی کی مدد ڈھونڈو۔

آیت ۴۷ :۔

یہود کے علماء کے متعلق آیت ۴۵ میں فرمایا تھا کہ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور تمہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آیت ۴۶ میں ان کو اعداء کے لفظ سے تعبیر کیا تھا۔ اِس آیت میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو کلام کو اپنے موقع محل سے بدل دیتے ہیں اور دین میں تمسخر کرتے ہیں اور بعض کلمات اِس طرح ادا کرتے ہیں کہ یہ کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں اور سُننے والا کچھ اور سمجھ رہا ہوتا ہے (تفصیل کے لئے ترجمہ اور فٹ نوٹ ملاحظہ کریں)

آیت ۴۸ :۔

علماء کو مخاطب کر کے فرمایا: اے وہ لوگو جنہیں اللہ کی کتاب کا علم دیا گیا ہے تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے ورنہ وہ دن دُور نہیں جب وجیہوں کی وجاہتیں مٹ جائیں گی۔

آیت ۴۹ :۔

آیت ۴۴ میں حقوق اللہ کا ذکر کیا تھا اس کے بعد اعتراضاً احبار یہود کا ذکر آ گیا جو کہ علم کے باوجود اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے تھے۔ اس آیت میں پھر اصل مضمون کی طرف عَود کیا ہے اور اللہ کے حقوق کی حدود کی تعیین کے لئے نماز کے حکم کے ساتھ شرک سے بچنے کی تاکید کر دی ہے۔

آیت ۵۰ :۔

اس کے بعد پھر اہلِ کتاب کے علماء کا ذکر کیا۔ فرمایا: یہ لوگ اپنے مُنہ میاں مِٹھو بنے پھرتے ہیں اور اپنی پارسائی کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ پاک تو وہ ہے جسے اللہ پاک کرے یعنی ان کے اعمال تو یہ ہیں کہ اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتے اور دعویٰ یہ ہے کہ وہ طاہر و مطہّر ہیں۔

آیت ۵۱ تا ۵۳ :۔

فرمایا: ایسے جھوٹے دعوے کرنے سے وہ پاک بننے سے تو رہے البتہ مُفتری اور گناہگار ضرور بن گئے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ ٹونے ٹوٹکے اور شیطان پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کو مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ

قرار دیتے ہیں۔ کیا خوب ہیں یہ "پاک لوگ" جو اللہ سے دُور ہیں اور نصرتِ ایزدی سے کلیتاً محروم۔

آیت ۵۴:۔

اِس ذکر کے بعد کہ احبارِ یہود اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتے مخلوق کے حقوق کے متعلق ان کے رویّہ کا ذکر کیا۔

فرمایا: اگر ان کو حکومت مِل جائے تو یہ لوگوں کو پھوٹی کوڑی نہ دیں۔

آیت ۵۵:۔

فرمایا: یہ تو اسی حسد میں مرے جا رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو مالا مال کر دیا ہے لیکن اس میں حسد کی کونسی وجہ ہے۔ اللہ نے ابراہیم کو برکت دینے کا وعدہ کیا تھا سو پہلے بھی اس وعدہ کے ماتحت آلِ ابراہیم کو آسمانی اور زمینی برکات عطا کیں اور اب بھی کی جاتی ہیں۔

آیت ۵۶:۔

قرآن میزان اور عدل کو کسی صُورت ہاتھ سے نہیں دیتا۔ اس کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی قوم میں چند افراد بھی صاحبِ ایمان ہوں تو تمام قوم کو متہم نہیں کرتا۔ اگرچہ یہود میں صاحبِ ایمان لوگ معدودے چند تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو سابقہ بیان سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

آیت ۵۷:۔

پھر اصل مضمون کی طرف عَود کر کے فرمایا: مُنکروں کے لئے آگ کا عذاب ہے اور یہ عذاب ان کو بار بار دیا جائے گا۔ اگر ایک بار ان کی چمڑی جل گئی تو انہیں نئی چمڑی دی جائے گی اور پھر نیا عذاب۔ اگرچہ اپنی عمومیّت کی وجہ سے اِس آیت کے مورد تمام مُنکرینِ حق ہیں لیکن یہ آیت خاص یہود کے ذکر میں آئی ہے۔ ان مُنکرینِ رسُول کو آخرت میں تو جو عذاب ملے گا سو ملے گا اِس دُنیا میں ان کی یہ حالت ہے کہ باوجود اس کے کہ علم و فضل اور دولت میں یہ لوگ تمام دُنیا کی قوموں سے آگے ہیں وہ بار بار جہنّم کے شعلوں کے سپرد کئے جاتے ہیں، اور جب ایک نسل ان شعلوں کا شکار ہو چکتی ہے اور نئی نسل نئے پیکر لے کر نکلتی ہے تو ان کے لئے ایک نئی بھٹی آگ اُگلنے لگتی ہے، کاش کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ یہ تمام ادبار رسولِ عربی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم کے انکار کا نتیجہ ہے۔

آیت ۵۸:۔

منکرین کے ذکر کے ساتھ مومنین کا ذکر بھی فرمادیا۔ فرمایا: وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل بجا لائینگے ہم انہیں ایسی جنّت میں داخل کریں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیت ۵۹ :-

آیت ۴۴ سے پہلے بعض سوشل احکامات بیان کئے گئے تھے۔ آیت ۴۴ میں حقوق اللہ کا ذکر کیا گیا اور اس ذکر کو نماز سے خاص کیا گیا۔ اس کے بعد اس مضمون اور اس کے بعض متعلقات بیان ہوئے۔ اس کے بعد پھر چند اور سوشل احکامات کا ذکر کیا جارہا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (۲ : ۲۳۹) قرآن نماز کو اپنے سوشل احکامات کی Sanction کے طور پر بیان کرتا ہے پس اکثر اس کا ذکر ان احکامات کے درمیان میں کر دیتا ہے تاکہ سامع کے دِل میں اللہ کی خشیت پیدا ہو اور وہ ان احکامات پر عمل کرے۔

آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کا عنوان حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیان ہے۔ اِس جگہ نماز کے بیان سے دوہرا فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ ایک تو اسے بطور Sanction بیان کیا ہے اور دوسرے اس کے بیان سے حقوق اللہ کا ذکر ہو گیا ہے۔

درمیان میں نماز کے ذکر سے ایک اور فائدہ بھی حاصل کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ تفاصل سے بعد کے احکام کے لئے نیا باب اور نئی فصل قائم کی گئی ہے۔ پہلے احکام انفرادی اور خاندانی نوعیت کے تھے۔ ان میں یتیموں۔ عورتوں۔ بیکسوں۔ والدین اور ہمسایہ وغیرہ کے حقوق کا ذکر تھا، اب ان احکامات کا ذکر کیا جارہا ہے جو زیادہ تر شہریت اور تمدّن سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرمایا: امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ امانت سے مُراد یہاں حکومت ہے۔ یعنی اپنے عمّال ان لوگوں کو مقرر کرو جو اس کی ڈیوٹی کو ادا کرنے کے اہل ہیں۔ اِس بارہ میں کنبہ پروری اور کسی دوسری خود غرضی کو مدِّنظر نہ رکھو۔

پھر جہاں لوگوں کو یہ حکم دیا کہ اپنے عمّال ان لوگوں کو بناؤ جو اپنے فرائض ادا کرنے کے اہل ہوں وہاں عمّال کو بھی یہ حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو تاکہ تصویر کے دونوں رُخ مکمّل ہو جائیں۔

آیت ۶۰ :-

پھر فرمایا: اللہ اس کے رسُول اور اپنے حکام کی اطاعت کرو۔ جب حکام کا تقرر آیت ۵۹ کے

بیان کردہ اصول کے ماتحت ہو اور وہ اپنا کام دیانتداری سے کریں اور کسی رعایت کے بغیر انصاف کو قائم کریں تو لوگوں کا بھی فرض ہے کہ ان کی مکمل تابعداری کریں۔ دیکھو کیا حسین تعلیم ہے معاشرہ کا فرض ہے کہ ٹھیک لوگوں کو اپنے حکام بنائے۔ حکام کا فرض ہے کہ انصاف کریں اور پھر معاشرہ کا فرض ہے کہ اپنے ہی نامزد کئے ہوئے انصاف کو قائم کرنے والے حکام کی کامل اتباع کریں۔ کیا مکمل نظام ہے جس میں کسی رخنہ کی گنجائش نہیں۔

اِس آیت میں یہ بھی نکتہ ہے کہ اولوالامر کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کی اتباع فرض ہے اور اسکی اتباع بہرحال اللہ اور اللہ کے رسُول کی اتباع کے ماتحت ہے یعنی اگر اولوالامر کوئی ایسا حکم دے جو بالبداہت اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کے منافی ہو تو اس کی اتباع جائز نہیں۔ دیکھو کس خوبی سے ایک کانسٹی ٹیوشنل Constitutional مسئلہ کا حل کیا ہے کہ جب دو قوانین آپس میں ٹکرائیں تو اعلیٰ قانون ادنےٰ قانون پر حاوی ہوگا۔

آیت ۶۱، ۶۲:-

یہاں ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے فیصلے اللہ کی بجائے شیطان سے کروانا چاہتے ہیں۔

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فیصلے قرآن اور سُنّت کو چھوڑ کر کسی اَور طریق سے کروانا مومنوں کی شان نہیں، یہ شیطانی کام ہے اور منافقت کی علامت۔ اولوالامر کے احکام سے روگردانی بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ قرآن نے اطاعت پر بہت زور دیا ہے معاشرہ کی اصلاح اور ترقی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ جو آج دُنیا کا دستور بن رہا ہے کہ آزادیٔ ضمیر کے نام پر ہر ایک الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تیار کرنے پر مُصر ہے اور امنِ عامہ کو تباہ کیا جا رہا ہے سراسر اسلامی تعلیم کے مخالف ہے۔ اِس آیت اور اس کے مابعد کی آیت میں قرآن نے مختلف طریقوں سے قوم کی وحدتِ فکری و عملی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

آیت ۶۳:-

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسُول اور اولوالامر کے احکام کو پسِ پُشت ڈالنے کے نتیجہ میں قوم پر ابتلاء آتا ہے۔ منافق بڑے شد و مد سے کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی آزادیٔ ضمیر کا استعمال نیک نیتی سے کیا ہے اور ہماری غرض معاملات کو ٹھیک نہج پر قائم کرنا ہے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی کجروی ان کے دِل کی کجی کی آئینہ دار ہے۔

آیت ۶۴ :-

قرآن کی اصل غرض اصلاح ہے جب تک عضوِ ماؤف ناقابلِ اصلاح قرار نہیں دے دیا جاتا اس کو کاٹنا درست نہیں پس فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسے طریق سے نصیحت کرو کہ بات ان کے دلوں میں اُتر جائے یعنی بجائے اسکے کہ ان کے عیوب کو الم نشرح کرو اور ان کو ذلیل و رُسوا کرو ان سے تخلیہ میں بات کرو۔

آیت ۶۵ :-

فرمایا : تمام رسول ہمارے نام پر لوگوں سے اطاعت کا اقرار لیتے ہیں پس اگر کوئی ظلم کرے اور اطاعت سے باہر قدم رکھے تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنی غلطی پر نادم ہو اور استغفار کرے۔

دیکھو! کیا انداز ہے کہ نصیحت کرنے والے کو بھی سمجھایا کہ کس طرح نصیحت کرے اور جس کو نصیحت کی جاتی ہے اس کو بھی سمجھایا کہ کس طرح اپنی غلطی کا مداوا کرے۔

آیت ۶۶ تا ۶۹ :-

فرمایا : ایمان کی علامت تو یہ ہے کہ یہ لوگ تیرے فیصلے بخوشی خاطر بلا چون وچرا مان لیتے لیکن ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں قتال کا حکم دیا جاتا یا یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے گھروں کو خیرباد کہہ دو تو ان میں سے کم ہی لوگ ہمارا حکم بجالاتے لیکن اگر یہ لوگ ہمارا حکم بجالاتے تو ہم انہیں بہت بڑا اجر دیتے اور ہدایت کی راہ دکھلاتے۔

آیت ۶۴ میں یہ فرمایا تھا کہ ان کو اس طرح نصیحت کرو کہ بات دِل میں اُتر جائے چنانچہ اس کے بعد کی آیات میں اس رنگ میں نصیحت کی کہ صاحبِ دِل کا دِل کانپ اُٹھتا ہے۔

آیت ۷۰ ، ۷۱ :-

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا : اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارا مقام نبیوں صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہو گا اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اولوالامر کی اطاعت بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے ذیل میں آتی ہے۔

آیت ۷۲ تا ۷۷ :-

جب اطاعت کے فلسفہ کو جو کہ جہاد کے لئے ازبس ضروری ہے اچھی طرح ذہن نشین کر دیا تو کلام کا رُخ جہاد کی طرف بدل دیا۔ فرمایا اپنی حفاظت کا مکمل انتظام کرو اور پھر مختلف طریقوں سے مومنوں کو جہاد کے لئے اُکسایا۔

اِن آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن جہاد کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قرار دیتا ہے۔ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو (۷۵) تو گویا یہ کہتا ہے کہ جہاد حقوق اللہ میں سے ہے۔ اور جب یہ کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی خاطر اور ان مردوں، عورتوں اور بچّوں کی خاطر جن پر ظلم کیا جا رہا ہے جنگ نہیں کرتے (۷۶) تو گویا یہ فرماتا ہے کہ حقوق العباد کا تقاضا ہے کہ تم میں سے جو جنگ لڑنے کے اہل ہیں وہ کمزوروں، ضعیفوں اور ناتوانوں کو ظلم و استبداد کے پنجے سے چھڑائیں۔

آیت ۷۸:۔

اِس جگہ منافقوں کی ایک علامت کا ذکر بھی کر دیا۔ جب تک جہاد فرض نہ ہُوا تھا اور تمام تر زور نماز اور زکوٰۃ پر تھا منافق نماز ادا کرنے میں کسل برتتے تھے اور زکوٰۃ دینے سے گریز کرتے تھے۔ ہاں بار بار جہاد کا ذکر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمیں طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن جب جہاد فرض ہو گیا تو جس طرح نماز اور زکوٰۃ میں سستی کرتے تھے اسی طرح جہاد سے بھی مُنہ موڑنے لگے اور کفّار سے اللہ سے بھی زیادہ ڈرنے لگے۔

آیت ۷۹:۔

جب تک جہاد فرض نہ ہُوا تھا منافق جہاد کے نعرے لگا رہے تھے لیکن جب جہاد فرض ہو گیا تو بہانے تراشنے لگے اور اعتراض کرنے لگے۔ ان کو ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر ہم قلعہ بند ہو کر لڑائی لڑتے تو اِس طرح مارے نہ جاتے۔ فرمایا: تم بے شک مضبوط قلعوں میں قلعہ بند ہو جاؤ موت تمہیں آ کر رہے گی یعنی تم موت سے بچنے کے لئے قلعہ بند ہو کر لڑائی لڑنا چاہتے ہو لیکن موت تو تمہاری قسمت میں لکھی ہے تم اس سے بھاگ نہیں سکتے۔

یاد رہے کہ مومنوں کے متعلق تو یہ فرمایا تھا کہ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء کہ وہ قتل ہو کر بھی نہیں مرتے بلکہ ایک دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں لیکن منافقوں کے متعلق فرمایا کہ موت ان کو بند قلعوں میں بھی نہیں چھوڑے گی۔

منافقوں کا دوسرا اعتراض قوم کی قیادت پر تھا۔ اگر تو انہیں کوئی خوشی پہنچتی تو اسے قیادت کی طرف منسوب کرنے کی بجائے کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اس کا ذمّہ دار رسُول کو گردانتے۔

اس کے جواب میں فرمایا: ہر ایک چیز خوشی ہو یا رنج اللہ کی طرف سے ہے یعنی اگر تم ایسے ہی نیک سیرت

ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا منبع اور مسبب سمجھتے ہو تو پھر خوشی اور رنج دونوں اسی کی طرف سے ہیں لیکن یہ کیا بوالعجبی ہے کہ بدر کی فتح و کامرانی کا کریڈٹ تو تم رسُول کو نہیں دیتے لیکن اُحد کی ہزیمت کا ذمہ دار اس کو گردانتے ہو۔ اللہ تمہارے اعمال کے نتائج مترتب کرتا ہے پس اس اعتبار سے فتح و کامرانی بھی اسی کی طرف سے ہے اور رسُول کے حکم کے نافرمانی کے نتیجہ میں جو ہزیمت تمہیں نصیب ہوئی وہ بھی اسی کی طرف سے ہے۔

آیت ۸۰:۔

اِس آیت میں اس مضمون کا ایک اَور رُخ بھی بے نقاب کیا کہ اگرچہ من وجہٍ تو کہہ سکتے ہیں کہ خوشی اور رنج دونوں کا منبع اللہ ہی ہے لیکن زیادہ درست بات یہی ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے خوشیوں کا بندوبست کرتا ہے اور جو رنج والم پہنچتے ہیں اس کے احکام کی نافرمانی کے نتیجے میں پہنچتے ہیں جس کے ذمہ دار وہ خود ہوتے ہیں۔

آیت ۸۱:۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حسنات اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور سیّئات انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر فداہ ابی و امی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے۔

فرمایا: وہ اللہ کا رسُول ہے جو اس کی اتباع کرتا ہے اللہ کی اتباع کرتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اِس آیت نے یہ بات واضح کر دی کہ جس طرح احکامِ خداوندی کی نافرمانی سیّئات کی موجب ہوتی ہے اسی طرح رسُول کی نافرمانی سیّئات کی موجب ہے۔ پس جب تم نے اُحد میں اس کی نافرمانی کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تم مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔

یہ فرما کر کہ رسُول ان لوگوں کا نگہبان اور محافظ نہیں جو اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ ایک طرف تو یہ بتلا دیا کہ رسُول کا کام دھونس اور زبردستی کے ساتھ اپنی مرضی منوانا نہیں اور دوسری طرف یہ بتلا دیا کہ باغی اپنی سرکشی اور نافرمانی کے نتیجہ میں اس حفاظت سے محروم ہو جاتے ہیں جو قانونِ خداوندی نے رسُول کے متبعین کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔

آیت ۸۲:۔

پہلی آیات میں منافقوں کے اعتراضات کا ذکر تھا اِس جگہ فرمایا: مُنہ سے تو یہ لوگ اطاعت کا دَم بھرتے ہیں لیکن جب تیرے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ساری ساری رات ایسی تجویزیں بنانے میں گذار دیتے ہیں کہ

کس طرح تیرے احکام کو پسِ پُشت ڈالیں لیکن تُو ان کی پرواہ نہ کر اللہ پر توکّل کر تجھے اس کے بعد کسی اَور آسرے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۸۳ :۔

فرمایا: وہ کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اَور کا کلام ہوتا تو اس میں جابجا تناقض پایا جاتا۔

آیت ۷۹، ۸۰ میں منافقوں کو ایک ایسی بات کہی گئی تھی جو بادی النظر میں متناقض تھی، ان کی طرف سے اس پر اعتراض کیا جانا ان کی فطرت کا تقاضا تھا۔ فرمایا: یہ اعتراض تو عدم تدبّر کا نتیجہ ہے تمہیں اگر کہیں خال خال تناقض نظر آتا ہے تو یہ تمہاری اپنی نظر کا دھوکہ ہے ورنہ اگر یہ کلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو تناقضات کا مجموعہ ہوتا یعنی جن مسائل کو قرآن نے نہایت ہم آہنگی کے ساتھ بیان کیا ہے کسی انسان کا مقدور نہیں کہ وہ انکو بیان کر سکے اور اگر کوئی شخص اس میدان میں فرسِ تخیل دوڑائے گا بھی تو سوائے تناقضات کا ایک پلندا پیش کرنے کے کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔

اِس آیت میں ان لوگوں کا بھی ردّ کیا گیا ہے جو احکامِ قرآنی میں جابجا اختلافات ڈھونڈ کر ایک آیت کو دوسری کا ناسخ قرار دیتے رہتے ہیں۔

اِس آیت کا ایک رُخ تو منافقوں کی طرف ہے اس کی وضاحت اُوپر کر دی گئی ہے لیکن اپنے خطاب کے اعتبار سے یہ آیت ایک عمومی رنگ بھی رکھتی ہے یعنی جب قرآن کے مختلف قسم کے احکام بیان کئے تو تمام انسانوں کو توجہ دلائی کہ دیکھو جن مختلف مضامین کو قرآن بیان کر رہا ہے ان کو اگر کوئی انسان بیان کرتا تو جابجا ٹکراؤ کی صُورت پیدا ہوتی، لیکن قرآن کے بیان کردہ اخلاقی۔ رُوحانی۔ تعزیری۔ تمدّنی سول اور کانسٹی ٹیوشنل مسائل میں اِس قدر ہم آہنگی ہے کہ کہیں باہمی ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

آیت ۸۴ :۔

اُوپر کی آیت بطور جُملہ معترضہ درمیان میں آ گئی تھی جس کا موقع محل نہایت مناسب تھا۔ اس کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا اور جہاد کے دَوران قوم کو جھُوٹی افواہوں سے بچنے کا حکم دیا۔ فرمایا: جب تم کوئی امن یا خوف سے تعلق رکھنے والی بات سُنو تو اسے اپنے صائب الرائے لوگوں کے پاس پہنچا دو۔

آیت ۸۵ :۔

مکرر جہاد اور قتال کا حکم دیا۔ فرمایا: اگر یہ لوگ جہاد میں تیرا ساتھ نہیں دیتے تو تو اکیلا ہی لڑ۔ لیکن تیرا اکیلا لڑنا یا لڑ کر جان دینا کافی نہیں تیرے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ تو مومنوں کو جنگ پر آمادہ کرے۔

دیکھو! کس خوبی سے یہ بات واضح کر دی کہ جب جہاد کا وقت آجاتا ہے تو اس وقت دشمن کی تعداد اور اس کے ہتھیار نہیں گنے جاتے۔ یہ وقت مومن کے لئے جان کی قربانی کا وقت ہوتا ہے پس اگر اس کو اللہ کی راہ میں تنِ تنہا لڑنا پڑے تو بھی اسے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے لیکن صرف اپنی جان کی قربانی کافی نہیں اصل غرض کفّار کی طاقت کو توڑنا ہے۔ پس قوم کو بیدار کرنا اور جہاد کے لئے تیار کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ مومن کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اپنی جان کی قربانی پیش کرے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ قوم کو جنگ کے لئے تیار کرے۔ یوں سمجھ لو کہ ایسے وقت میں اپنی جان کی قربانی پیش کرنا ہر اس شخص پر جو تلوار اُٹھا سکتا ہے فرض ہے اور قوم کو جہاد کے لئے تیار کرنا تمام قوم کا فرض ہے۔ اگر چند لوگ اس فرض کو ادا کر دیں تو تمام قوم بری الذمّہ ہو جائیگی ورنہ ان میں سے ہر ایک موردِ الزام ٹھہرے گا اور کسی کے لئے یہ عُذر کافی نہیں ہو گا کہ میں نے تو اپنی جان کی قربانی پیش کر دی تھی۔

پھر مومنوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے فرمایا: اللہ عنقریب کافروں کا زور توڑ دے گا۔

آیت ۸۶ :۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اِس سورۃ میں ایسے احکام کا ذکر ہے جن کا سماج اور معاشرہ کے ساتھ تعلق ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ نیک کاموں میں مددگار ہوں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور جو لوگ بُرے کاموں میں مددگار ہوں ان کو اعانتِ مُجرمانہ کی سزا دی جائے چنانچہ فرمایا: جو کوئی کسی نیک کام کی سفارش کرتا ہے اس کا اس میں حصّہ ہے اور جو کوئی کسی بُرے کام کی سفارش کرتا ہے اس کا اس میں حصّہ ہے۔

آیت ۸۷ :۔

اچھے معاشرہ کی نشانی یہ ہے کہ لوگ آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو خوش آمدید کہیں لیکن اگر خوش آمدید کے ساتھ دعا بھی شامل کر لی جائے تو اس کا دوہرا فائدہ ہوتا ہے چنانچہ فرمایا: جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اسے اس سے بہتر دعا کے ساتھ جواب دو یا کم از کم ویسی ہی دعا دو۔ یاد رکھو! اللہ ہر چیز کا محاسبہ کرے گا۔

آیت ۸۸ :-

ان تمام احکام کی Sanction تقوی اللہ میں ہے جو قیامت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ تمہیں ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا۔

آیت ۸۹ تا ۹۲ :-

اِس آیت سے احکام کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے یعنی ایسے احکام جن کی شریعت نے تعزیر مقرر کی ہے۔ سب سے پہلے ان منافقوں کا ذکر کیا جو محاربین میں شامل ہیں۔ ان لوگوں کو جو کھلم کھلا محاربین میں شامل نہیں ہوتے لیکن موقع پر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں محاربین ہی میں شامل سمجھا گیا ہے (۹۲) ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو محاربین کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جہاں پائے جائیں قتل کئے جائیں۔ البتہ ان لوگوں کو محاربین سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جو معاہدین کے ہاں پناہ لیتے ہیں یا غیر جانبدار ہیں۔

آیت ۹۳ :-

اِس آیت میں فرمایا کہ مومن کے لئے مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرنا قطعاً جائز نہیں ہاں اگر بھول میں ایسا واقع ہو جائے تو اس کی سزا مومن غلام کا آزاد کرنا اور وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے۔ اور اگر مقتول مومن ہو اور دشمن قوم کا فرد ہو اور بھول میں قتل کر دیا جائے تو اس کی سزا ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اور اگر مقتول معاہد ہو تو اس کی سزا بھی وہی ہے جو مومن کو قتل کرنے کی ہے۔ اور وہ شخص جو غلام آزاد نہیں کر سکتا دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔

آیت ۹۴ :-

فرمایا: مومن کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم۔ اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ آیت ۹۳ میں مومن کے بھول چوک میں قتل کا ذکر تھا یہاں عمداً قتل کا ذکر ہے۔ آیت ۹۳ میں اس کی تعزیر دیت اور غلام کو آزاد کرنا بیان کی گئی تھی یہاں تعزیر بیان نہیں کی گئی یہ بقرہ ۱۷۹ میں بیان ہو چکی ہے۔

آیت ۹۵ :-

پچھلی آیت میں مومن کے قتل سے منع کیا تھا جنگ کے دنوں میں لوگوں کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور بعض دفعہ وہ مشکوک آدمی کو محارب سمجھ کر قتل کر دیتے ہیں۔ قرآن نے اِس بات سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ فرمایا: جو تمہیں سلام کہے تمہارا حق نہیں کہ اسے کہو کہ تو مومن نہیں۔ تمہارا نفس تمہیں لالچ دیتا ہے کہ اس کو قتل

کرو تاکہ تمہیں مال و متاع ملے لیکن اسلام لانے کے بعد تمہیں ایسے محرّکات سے بچے رہنا چاہیئے۔

آثار میں آتا ہے کہ کسی نے ایک شخص کو جس نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ یہ فعل اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کیا ہے۔ جب یہ معاملہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوا تو حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ھل شفقت قلبہ یعنی کیا تو نے اس کا دِل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ منافقت کر رہا ہے۔

اِس آیت میں ان لوگوں کے لئے تنبیہہ ہے جو متاعِ دُنیا کی خاطر قوم کا شیرازہ پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کافروں کو مسلمان بنائیں مومنوں کو کافر قرار دینے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کرتے ہیں۔

آیت ۹۶، ۹۷ :-

قتل اور اس کی سزا کے متعلق مندرجہ بالا احکام اگرچہ عمومیّت کا رنگ رکھتے ہیں لیکن ان کا ذکر جہاد کے ذکر کے ساتھ کیا ہے تاکہ مومنوں پر واضح ہو جائے کہ دُنیا میں برتری اور فتح اسی قوم کو ملے گی جو اپنی قوم کے ہر فرد کی جان کی حفاظت کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ایک فرد کا قتل تمام قوم کا قتل ہے (۵ : ۳۲) جس قوم کے افراد زمانۂ جاہلیّت کے لوگوں کی طرح ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مشغول رہتے ہیں وہ کسی صورت اقوامِ عالم کی امام نہیں بن سکتی۔ ع

برقے کہ بخود پیچد میرد بر سحاب اندر

اہلِ عرب نے جب اِس حقیقت کو پالیا تو اقوامِ عالم کے امام بن گئے لیکن جب مسلمانوں نے اِس زرّیں اصول کو چھوڑ دیا تو قعرِ مذلّت میں گر گئے۔ وائے افسوس ان علماء پر کہ جن کا محبوب مشغلہ مسلمانوں کے قتل کے فتویٰ دینا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاد کے سلسلہ میں قرآن نے جہاں افزائشِ نسل اور شہداء کے ورثاء کی دیکھ بھال کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں افراد کی حفاظت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

اِس کے بعد پھر جہاد کے مضمون کی طرف عود کیا اور فرمایا: گھر بیٹھنے والے اور اللہ کی راہ میں لڑنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

آیت ۹۸ تا ۱۰۰ :-

جہاد کے ساتھ ہجرت کو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اِس آیت میں فرمایا جو لوگ مظلوم ہونے کے باوجود اپنے بعض دنیوی مفاد کے حصول کی اُمید میں ہجرت نہیں کرتے وہ قابلِ مواخذہ ہیں۔ البتہ وہ لوگ اور عورتیں

اور بچے جو ہجرت کرنے سے معذور رہیں قابلِ معافی ہیں۔

آیت ۱۰۱:۔

فرمایا: جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے گا اللہ اس کے لئے کئی راہیں کھول دے گا۔

آیت ۱۰۲:۔

جہاد اور ہجرت میں سفر کرنا پڑتا ہے لہذا سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم دیا۔

آیت ۱۰۳:۔

اِس آیت میں جنگ کے دَوران نمازِ خوف ادا کرنے کی ترکیب بیان کی۔

آیت ۱۰۴:۔

نماز کے بعد ذکر اللہ کی تاکید کی اور خوف دُور ہو جانے پر معمول کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ نماز مومن کا معراج ہے اس کو کسی حالت میں بھی ترک کرنا جائز نہیں عین تلواروں کی چھاؤں کے نیچے بھی نماز پڑھنے والی قوم کیوں کر نصرتِ ایزدی سے محروم ہو سکتی ہے۔

آیت ۱۰۵:۔

اصل مضمون جہاد کا چل رہا تھا اس کی طرف عَود کرتے ہوئے فرمایا کہ دشمن کے تعاقب میں سستی نہ کرو۔ اِس حکم کو مستقل عنوان دیا ہے تاکہ اس کی اہمیّت واضح ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جتنی جنگیں لڑی ہیں ان میں مسلمانوں کا بہت کم جانی نقصان ہُوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ دشمن کے تعاقب میں تساہل نہیں کرتے تھے اور اس کو تیاری کا موقع نہیں دیتے تھے۔

آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸:۔

مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا: ہم نے تمام ضروریات پوری کرنے والی کتاب تجھ پر اِس لئے نازل کی ہے تاکہ تُو لوگوں کے درمیان اس علم کی روشنی میں فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔

پھر فرمایا: اے شخص تُو خیانت کرنے والوں کی وکالت نہ کر۔ نہ ان لوگوں کی جو خود اپنے آپ سے دغا کرتے ہیں۔

خائن سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اس امانت کو جو اللہ نے ان کے سپرد کی ادا نہیں کرتے اور حقوق اللہ او حقوق العباد کی ادائیگی میں خیانت کرتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ سے مراد منافق ہیں۔

معاشرہ کی اصلاح اور ترقی کی راہ میں خیانت بہت بڑی روک ہے اس لئے اس سے خاص طور پر منع فرمایا۔

آیت ۱۰۹:۔

فرمایا: ان بددیانت لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے چھپتے ہیں لیکن اللہ سے چھپنے کی کوشش نہیں کرتے یعنی شنیع افعال حیا اور خوف کے سبب لوگوں سے چھپ کر کرتے ہیں لیکن اللہ سے ان کو نہ حیا آتی ہے نہ خوف۔

پھر فرمایا: اللہ ان کے ساتھ ہر وقت موجود ہے اور اس کی ان کے تمام اعمال پر نظر ہے یعنی جب حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ چاہیں بھی تو اللہ سے چھپ نہیں سکتے تو بہتر یہی ہے کہ مالک کی آنکھوں کے سامنے امانت میں خیانت نہ کریں۔

آیت ۱۱۰:۔

مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم اس دنیا میں تو ان کی وکالت کرتے ہو لیکن اللہ کے حضور کون انکی وکالت کرے گا؟

آیت ۱۱۱:۔

پھر فرمایا: ہاں اگر کوئی توبہ کرلے تو اللہ غفور اور رحیم ہے۔

آیت ۱۱۲:۔

فرمایا: جو کوئی گناہ کماتا ہے خود اپنی ہی جان کو وبال میں ڈالتا ہے۔

آیت ۱۱۳:۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جرم تو خود کرتے ہیں لیکن جرم کا الزام کسی معصوم کے سر تھوپ دیتے ہیں فرمایا: جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ گناہ کے علاوہ بہتان کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے یعنی اس نے ایک گناہ تو جرم کرنے کا کیا اور دوسرا گناہ بہتان لگانے کا۔ قرآن اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے نام لکھ دی جاتی ہیں اور مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتہ میں ڈال دیے جاتے ہیں چنانچہ فرمایا وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ (۲۹ : ۱۴) دوسری جگہ فرمایا اَنۡ تَبُوٓءَ بِاِثۡمِىۡ وَاِثۡمِكَ (۵ : ۳۰) پس احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ متہم کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے۔

اس آیت کا پہلی آیت سے تعلق واضح ہے لیکن اپنی ذات میں یہ ایک نیا حکم بیان کر رہی ہے یعنی جھوٹا الزام لگانے والے مجرم کو اصل جرم کی سزا بھی دی جائے گی اور بہتان کی بھی۔

آیت ۱۱۴:۔

رسُول کو مخاطب کر کے فرمایا: بعض لوگ تجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دراصل وہ اپنے آپکو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑتے اپنا ہی بگاڑتے ہیں۔ خدا نے تو تجھے کتاب اور حکمت اور معرفت عطا فرمائی ہے اور تجھ پر بڑے افضال و اکرام کئے ہیں۔ اپنی شقاوت کے نتیجہ میں وہ ان افضال و اکرام سے حصہ پانے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اِس آیت کا حاصل کلام یہ ہے کہ رسُول کو یا اس کے نائب کو کسی معاملہ میں دھوکہ دینا دراصل اپنے آپ ہی کو دھوکہ دینا ہے اور بہت بڑی محرومی کی علامت ہے۔

آیت ۱۱۵:۔

پھر فرمایا: وہ چُھپ کر مشورے کرتے ہیں لیکن ان کے خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں۔ بھلائی تو ان لوگوں کے خفیہ مشوروں میں ہوتی ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔ نیک کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور صلح و آشتی کی تعلیم دیتے ہیں۔

اِس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نظام کے خلاف خفیہ مشورے کرنا جائز نہیں البتہ ایسے خفیہ مشورے جن کا مقصد نیک کاموں کی تلقین ہو جائز ہیں۔

آیت ۱۱۶:۔

فرمایا: جو راہِ راست معلوم ہو جانے کے بعد بھی رسُول کی مخالفت کرتا ہے جہنّمی ہے۔

آیت ۱۱۷:۔

ان احکام کا ذکر کر کے جو رسُول اور نظام کی اتباع کے ساتھ تعلق رکھتے تھے فرمایا: اللہ شرک کے علاوہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

آیت ۱۱۸ تا ۱۲۱:۔

فرمایا: غیر اللہ کی پرستش بے جان چیزوں اور ملعون شیطان کی پرستش ہے۔ اسی طرح جانوروں کو بُتوں کے نام پر آزاد کرنا بھی شیطانی رسم ہے اور اس میں کُھلا کُھلا خسارہ ہے۔

آیت ۱۲۲، ۱۲۳:۔

فرمایا: شیطان کو دوست بنانے والوں کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ان مومنین کا جو نیک عمل بجالاتے ہیں

جنت ہے۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ تصویر کے دونوں رُخ بیان کر دیتا ہے تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔

آیت ۱۲۴، ۱۲۵:۔

فرمایا: اللہ کے فیصلے تمہاری یا اہلِ کتاب کی جھوٹی خواہشات کے مطابق نہیں ہوں گے اس کے فیصلے تو تمہارے اعمال کے مطابق ہوں گے جو کوئی جیسا عمل کرے گا ویسا پھل پائے گا۔ دیکھو! کس قدر صاف الفاظ میں بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی قوم سے رشتہ داری نہیں محض لیبل Label سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جو قوم خدا تعالےٰ کے قائم کردہ اصولوں پر کاربند ہو گی ترقی کرے گی۔

آیت ۱۲۶:۔

فرمایا: اصل دین تو اطاعت ہے اور نیک اعمال کی بجاآوری ہے۔ یہی دینِ ابراہیم ہے۔

آیت ۱۲۷:۔

فرمایا: زمین و آسمان پر اللہ کی حکومت ہے اور وہ آقائے کُل ہے یعنی ایسے بادشاہ کی اطاعت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

آیت ۱۲۸:۔

اِس آیت میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس سُورۃ میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں اور یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے لہٰذا جا بجا اس کا ذکر آتا ہے۔

آیت ۱۲۹:۔

فرمایا: اگر عورت خاوند کی طرف سے بے رُخی دیکھے تو اسے صُلح کے لئے پیش قدمی کرنی چاہیئے۔ انسانی فطرت بُخل پر مائل ہے لیکن احسان کرنے سے رام ہو جاتی ہے اور اس کے اس جھکاؤ کا تدارک ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک بہت بڑا نفسیاتی نکتہ بیان کیا ہے۔ اگر عورت خاوند پر احسان کرے اور اس کے حقوق پوری دیانت داری سے ادا کرے تو اغلب ہے کہ مرد اس کی طرف مائل ہو جائے گا کیونکہ انسانی فطرت جہاں بُخل کی طرف مائل ہے وہاں احسان شناس بھی ہے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ اس کی افتادِ طبع سے واقف ہے۔ پس اس کا بتلایا ہوا علاج بہترین علاج ہے۔

آیت ۱۳۰:۔

مردوں سے کہا کہ اپنی بیویوں میں ایک ہی عورت کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ اگر تم اپنی بیویوں سے اپنے معاملات

ٹھیک رکھو گے تو اللہ کی رحمت کے وارث ہو گے۔

آیت ۱۳۱:۔

فرمایا: اگر میاں بیوی کا گذارہ نہ ہو سکے اور جدائی ضروری ہو جائے تو اللہ ان دونوں کے لئے بہتر انتظام کر دے گا۔

بعض مذاہب میں عورت کے لئے طلاق کی کوئی صورت نہیں۔ عیسائیت میں طلاق صرف زنا ثابت ہونے پر ہو سکتی ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ میاں اور بیوی کے تعلقات قائم رہیں لیکن اگر ان کی نبھ نہ سکے تو طلاق کی اجازت دیتا ہے۔ اِس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ رائیگاں اپنی زندگی برباد کر لی جائے۔

آیت ۱۳۲، ۱۳۳:۔

فرمایا: اللہ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ وہ غنی اور حمید ہے۔ اس کو نہ تمہاری اطاعت کی ضرورت ہے نہ ستائش کی۔ اگر تم اس کا حکم مانو گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات دِل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بارہ میں قانون گرفت نہیں کر سکتا۔ پس نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلوں کو بھی نصیحت کی تھی اور تمہیں بھی کرتے ہیں۔ اگر تم ہمارے نصائح قبول کرو گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔

آیت ۱۳۴:۔

نصیحت میں جلال کا رنگ پیدا کیا۔ فرمایا: اگر تم اللہ کی مرضی پر نہیں چلو گے تو وہ چاہے تو تمہیں مٹا سکتا ہے اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔

سوشل تعلقات کے ذکر میں اس آیت کا وارد ہونا بتلاتا ہے کہ اگر انسان اپنے معاشرتی نظام کو صحیح خطوط پر قائم نہیں رکھیں گے تو نسلِ انسانی تباہ کر دی جائے گی۔

آیت ۱۳۵، ۱۳۶:۔

فرمایا: اللہ سے دُنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرو اور انصاف کو قائم کرو۔

آیت ۱۳۷:۔

فرمایا: اللہ پر اس کے رسُولوں اور قرآن پر اور سابقہ کتب پر ایمان لاؤ۔

آیت ۱۳۸:۔

فرمایا: اللہ ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گا جو موسیٰ پر ایمان لائے اور پھر بچھڑے کی پوجا کرنے لگے اور کافر ہو گئے اور پھر ایمان لائے اور مسیح کا انکار کر کے کافر ہو گئے اور پھر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے کفر میں بڑھتے گئے۔

آیت ۱۳۹، ۱۴۰ :-

ایمان کے بعد نفاق کا ذکر کیا۔ فرمایا: اللہ ان منافقوں کو دردناک عذاب دے گا جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے موالات کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح معزز بن جائیں گے لیکن عزت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

آیت ۱۴۱ :-

فرمایا: جہاں اللہ کی آیات کی تضحیک ہو وہاں نہ بیٹھو یعنی اگر تم غیرتِ ایمان کا مظاہرہ نہیں کرو گے تو تمہارے دِلوں پر زنگ لگ جائے گا اور تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

آیت ۱۴۲ :-

منافقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ دونوں دھڑے رکھنا چاہتے ہیں اور دونوں فریقوں کو باور کروانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ہمدرد ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔

آیت ۱۴۳، ۱۴۴ :-

فرمایا: چونکہ منافق اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ انہیں دھوکہ میں رکھتا ہے۔ ریاکاری اور اللہ کے ذکر سے غفلت ان کا نشان ہے۔ وہ نہ مومن ہیں نہ کافر، درمیان میں لٹک رہے ہیں۔

یاد رہے کہ منافقوں کو ان کے اندرونہ کے اعتبار سے کافر کے نام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے لیکن چونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اس لئے اِس اعتبار سے وہ کافروں میں شامل نہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ نہ اِس گروہ میں شامل ہیں نہ اُس گروہ میں۔

آیت ۱۴۵ :-

فرمایا: مومنوں کے مقابلہ میں کافروں سے موالات نہ کرو۔

آیت ۱۴۶، ۱۴۷ :-

وہ لوگ جو کافروں سے موالات کرتے ہیں ان کو منافق کے نام سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔ البتہ جو لوگ ان میں سے توبہ کر لیں گے اِس ذلت سے بچ جائیں گے۔

آیت ۱۴۸:-

فرمایا: اگر تم اللہ کا شکر کرو اور ایمان لاؤ تو وہ تمہیں عذاب نہیں دے گا۔

اِس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت اللہ کے عذاب کا موجب ہوتی ہے اور ایمان کو چھپانا کفرانِ نعمت ہے۔

آیت ۱۴۹:-

اِس آیت میں کسی کو علانیہ بُرا کہنے سے منع کیا ہے۔ ایک پسندیدہ معاشرہ میں ضروری ہے کہ لوگ اس قسم کے آداب کا لحاظ رکھیں۔

آیت ۱۵۰:-

فرمایا: تمہارے لئے جائز ہے کہ تم نیک کام علانیہ کرو یا چھپ کر۔ یعنی اگر تو علانیہ نیکی کرنے سے لوگوں کو ترغیب ہوتی ہے تو بہتر ہے کہ علانیہ نیکی کرو لیکن اگر علانیہ نیکی کرنے سے تم اپنے اندر ریا محسوس کرتے ہو تو بہتر ہے کہ اسے چھپ کر کرو۔ اور اگر کوئی تم سے بُرائی کرتا ہے تو بہتر ہے کہ معاف کر دو تاکہ اللہ بھی تمہارے گناہ معاف کرے۔

جیساکہ تفسیر میں بیان کیا گیا ہے اِس آیت کا اصل مضمون بُرائی سے درگذر کرنا ہے، ایسی نیکی کا علانیہ کرنا یا اسے چھپا کر کرنا محض تشبیب اور تمہید کے لئے ہے۔

آیت ۱۴۹ میں علانیہ بُرا کہنے سے منع کیا تھا۔ اِس آیت میں عفو کی تعلیم دی ہے یعنی اگر تو علانیہ بُرا کہنے والا مظلوم ہے تو اسے یہ کہا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ظالم کو بُرا بھلا کہو اسے معاف کر دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ظالم خود بخود ظلم سے دستکش ہو جائے گا۔ اور اگر علانیہ بُرا کہنے والا ظالم ہے تو جسے بُرا کہا گیا ہے اسے یہ کہا گیا ہے کہ تم بُرا کہنے والے کو معاف کر دو۔

دیکھو! کیا حسین تعلیم ہے۔ ایک طرف تو لوگوں کو ایک دوسرے کو علانیہ بُرا کہنے سے منع کیا ہے اور دوسری طرف مظلوم کو عفو کی تعلیم دی ہے۔ اکثر و بیشتر جھگڑے قتل اور خون خرابہ ایک دوسرے کی علانیہ مذمت کرنے سے ہوتے ہیں۔ پس اگر دونوں فریق عفو اور درگزر سے کام لیں تو بہت سے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔

آیت ۱۵۱ تا ۱۵۳:-

فرمایا: اللہ پر ایمان صرف اس کے رسولوں کے ذریعہ لایا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی ایک رسول کا بھی انکار

کر دیا جائے تو ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

جب سے انسان نے غور و فکر سے کام لینا شروع کیا ہے یہ سوال اٹھتا چلا آیا ہے کہ نیکی کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ نیکی اس چیز کا نام ہے کہ جس سے بیشتر لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اسے Utilitarian Theory کہتے ہیں۔
یعنی The greatest good of the greatest people
لیکن اس تھیوری میں یہ نقص ہے کہ فائدہ Good کی تعریف نہیں کی گئی۔ اگر فائدہ سے مراد محض دنیاوی فائدہ ہی لیا جاوے تو اکثر صورتوں میں لوگوں کی منکوحہ بیویوں سے زنا، چوری کر کے صدقات دینا وغیرہ مستحسن کام قرار پاتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ نیکی وہ ہے جس سے بیشتر لوگوں کو خوشی پہنچے اسے Hedonist Theory کہتے ہیں لیکن اس پر بھی کم و بیش وہی اعتراض پڑتے ہیں جو Utilitarian پر پڑتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ تمام تعریفیں ناقص ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ نیکی وہ ہے جس کی تعلیم اللہ اور اللہ کے رسول کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو پیدا کیا۔ اس کے لئے ارض و سما کو مسخر کیا۔ پس یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے لئے جادۂ حیات مرتب نہ کرتا۔ انسان اس قدر ترقی حاصل کر چکنے کے باوجود ابھی تک نیکی کی تعریف کرنے سے قاصر ہے اِلّا یہ کہ وہ اللہ کی بتلائی ہوئی تعریف کو قبول کرے اور اس لائحہ عمل پر کاربند ہو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بیان کیا۔

معاشرتی احکام کے بیان کے بعد یہ آیت لا کر یہ بتلایا کہ معاشرہ صحیح خطوط پر تبھی قائم ہو سکتا ہے کہ اس نظامِ حیات کو قبول کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ نافذ کیا ہے۔

اگر اس نظامِ حیات کو قبول کر لیا جائے جس کی تکمیل نبی آخر الزمان فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تو مشرق و مغرب کے جھگڑے اور کالے اور گورے کا سوال ختم ہو جائے گا اور تمام دنیا ایک ہی نظام میں منسلک ہو جائے گی جس میں تمام انسانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ کوئی قوم کسی قوم پر چڑھ نہیں دوڑے گی اور کوئی زبردست کسی زیردست کو نہیں ستائے گا۔ یہی وہ معاشرتی نظام ہے جسے قرآن قائم کرنا چاہتا ہے چنانچہ جب معاشرہ کے متعلق مختلف احکام بیان کر دیئے جنہیں بیان کرنے سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ تم سب انسان ایک ہی جنس ہو ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہو تو آخر میں اس نظام کا فلسفہ کھول کر بیان کر دیا۔ گویا جب عمارت مکمل ہو گئی تو اسے نام دے دیا اور وہ نام یہ ہے "وہ نظامِ حیات جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ قائم کیا جس کی آخری کڑی نبی عربی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

آیت کے آخر میں وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا کہہ کر یہ بتلا دیا کہ اگر تم اس نظام کو قبول نہیں کرو گے جس کے قیام کے لئے ہم نے رسولوں کا سلسلہ بھیجا تو تم ذلیل و رسوا ہو گے۔

پھر فرمایا: اور اگر تم اس نظام کو بلاکم و کاست قبول کرو گے تو ہم اپنے حضور سے تمہیں اجر دیں گے اور تمہاری خطاؤں کو معاف کریں گے۔

آیت ۱۵۴ تا ۱۵۶:-

جب اس نظام کا ذکر کیا جو رسولوں کے ذریعہ سے قائم کیا جا رہا تھا اور جس کی آخری کڑی فداہ ابی و امی رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم تھے تو ان اعتراضات کا ذکر بھی کیا جو اس کے کانسٹی ٹیوشن کے متعلق کئے گئے تھے۔ کفار نے مکہ میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہم تمہیں نبی برحق صرف اس صورت میں مانیں گے کہ تو آسمان پر چڑھ جائے اور وہاں سے ہمارے لئے کتاب لے کر آئے جسے ہم اپنی آنکھوں سے پڑھ کر دیکھ لیں (۱۷: ۹۴) قرآن نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ جس طرح اور بشر رسول بن کر آئے میں بھی آیا ہوں پھر تم مجھ سے آسمان پر جانے کا مطالبہ کیونکر کرتے ہو۔ مدینہ میں یہود نے اسی اعتراض کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ دُہرایا اور کہا کہ ہم صرف اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ تو خود ہم پر آسمان سے کوئی کتاب اُتارے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ یہ مطالبہ نیک نیّتی پر مبنی نہیں۔ موسیٰ سے تم لوگوں نے اس سے بڑھ کر مطالبہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو عیاناً دکھلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مورد بن گئے۔ اس کے بعد تم نے دوبارہ سرکشی کی اور بچھڑے کی عبادت شروع کر دی، لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسری سرکشی کو معاف کر دیا اگرچہ موسیٰ کو کھلا کھلا غلبہ عطا کیا۔

اس آیت میں یہود کے دو قسم کے جرائم کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو سرکشی پر مبنی تھا اور وہ یہ مطالبہ تھا کہ ہمیں اللہ کو عیاناً دکھلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مطالبہ کو ظلم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں ان پر صاعقہ گر پڑی۔ ان کا دوسرا جرم سامری کے کہنے پر بہک جانا اور بچھڑے کی عبادت کرنا تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا۔ انکے اعتراض کے جواب میں ان دونوں باتوں کو بیان کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہود کا مطالبہ کہ ہم پر آسمان سے کتاب نازل کر نیک نیّتی پر مبنی نہیں اور سرکشی کی علامت ہے جس کے نتیجہ میں ان کو ایسا عذاب ملے گا جیسا کہ پہلے ملا تھا۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے۔ جب یہود نے بچھڑے کی پرستش کرنے کے بعد توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گناہ معاف کر دیا لیکن اُن سے ایک پختہ عہد لیا جس کی تین شرائط تھیں:۔

۱۔ تم شہر میں مطیع بن کر رہو گے۔

۲ - سبت کے معاملہ میں عدوان نہیں کروگے۔

۳ - انبیاء پر ایمان لاؤگے۔ اس کو میثاقاً غلیظاً کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی تشریح مائدہ : ۱۷ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا۔ اس آیت کے آخری حصہ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ میثاقِ انبیاء پر ایمان لانے کے متعلق تھا۔

لیکن انہوں نے معاہدہ کی تینوں شرائط توڑ دیں۔ مدینہ میں بغاوت کی، سبت کے حکم کو توڑا۔ انبیاء کا خصوصًا مسیح علیہ السلام کا اور سرورِ دوعالم نبی عربی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ پس اِس وجہ سے بھی وہ عذاب کے مستحق ہوئے۔

آیت ۱۵۷ تا ۱۵۹ :-

اِن آیات میں یہود کے مسیح کے انکار کا ذکر ہے۔ انہوں نے صرف مسیح کا انکار ہی نہیں کیا مریم صدیقہ پر بہتان بھی باندھا اور مسیح کو قتل کرنے کے ایسے درپے ہوئے کہ اپنے زعم میں اسے قتل کرہی ڈالا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن کا قاعدہ ہے کہ جب ایک بات ضمنی طور پر بیان کرتا ہے تو اس کے متعلقات پر بھی روشنی ڈال دیتا ہے چنانچہ آیت ۱۵۸ میں مسیح کے قتل ہونے کے مضمون پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا: یہود نہ اس کو قتل کر پائے نہ وہ مصلوب ہوا۔ البتہ بات ایسی بنی کہ یہود اس شک میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنے بد ارادوں میں کامیاب ہو گئے ہیں حالانکہ در اصل مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا۔ ان کی غرض تو یہ تھی کہ صلیب پر مصلوب کرکے مسیح کو ملعون قرار دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسیح کو اس ذلّت کی موت سے بچا لیا اور اپنے حضور رفع مقام عطا فرمایا۔

آیت ۱۶۰ :-

فرمایا: اہلِ کتاب میں جو سچے ہیں وہ اپنی موت سے پہلے ضرور رسُولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ اِس آیت میں پھر اس عہد کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر آیت ۱۵۵ میں کیا گیا تھا۔ گویا یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم سچے اہلِ کتاب ہو تو تمہیں رسُول پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں ہو سکتا۔

آیت ۱۶۱، ۱۶۲ :-

فرمایا: یہود کے ظلم و عدوان، سُود خوری اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی وجہ سے ہم نے بعض چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام قرار دے دیں۔

سُود خوری اور مالِ ناحق کھانے کا ذکر اِس بات کی دلیل ہے کہ اصل مضمون اس معاشرتی نظام کا بیان ہے جو رسُولوں کے ذریعہ سے قائم کیا جا رہا تھا اور جس کے نتیجہ میں انسانوں کو انسانوں پر ظلم کرنے سے روکا گیا تھا۔

اِس جگہ یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ جس طرح انسانی جسم کے بیمار ہو جانے پر بعض حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح انسانی رُوح کے بیمار ہو جانے پر بھی بعض حلال چیزیں حرام قرار دے دی جاتی ہیں۔

آیت ۱۶۳:۔

فرمایا: ہم اہلِ کتاب میں سے راسخ العلم لوگوں کو اور ان لوگوں کو جو اس وحی پر جو رسُول پر نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں بہت بڑا اجر دیں گے۔ یہ آیت اِس بات پر واضح دلیل ہے کہ اصل مضمون اس نظام کا بیان ہے جو رسولوں کے ذریعہ سے قائم کیا جا رہا ہے۔ آیت ۱۵۲ میں اس نظام کو قائم کرنے والوں کے لئے سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ کا وعدہ تھا۔ اِس جگہ سَنُؤۡتِیۡہِمۡ اَجۡرًا عَظِیۡمًا کا وعدہ ہے۔

آیت ۱۶۴، ۱۶۵:۔

فرمایا: ہم نے تجھ پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح سابق انبیاء پر کی تھی یعنی نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ عیسیٰ۔ ایوب۔ یونس۔ ہارون اور سلیمان پر۔ اور تجھے اسی طرح کتاب دی جس طرح داؤد کو زبور دی تھی اور تجھے اسی طرح نبی بنا کر بھیجا جیسا کہ پہلے انبیاء کو بھیجا تھا اور تجھ سے اسی طرح کلام کیا جس طرح موسیٰ سے کیا تھا۔

اِس آیت سے یہ بات کُھل کر سامنے آگئی کہ مقصودِ بیان وہ نظام ہے جو انبیاء کے ذریعے سے قائم کیا جا رہا تھا اور جس کی آخری کڑی ہمارے نبی فداہ ابی و امی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آیت ۱۶۶:۔

فرمایا: رسُول بشارت اور انذار کے حامل ہوتے ہیں یعنی اگر لوگ اس نظام کو قبول کر لیں گے جس کے قیام کے لئے وہ آتے ہیں تو ان کی دُنیا اور آخرت سُدھر جائے گی اور اگر قبول نہیں کریں گے تو دنیا اور آخرت کے عذاب کے وارث ہوں گے۔

پھر فرمایا: رسُول اِس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ لوگ اللہ پر کوئی عذر نہ رکھ سکیں۔ جب خدا تعالیٰ نے انسان کو بنایا اس کے لئے ارض و سماء کو مسخر کیا۔ دُنیا اور آخرت کی زندگی دی تو ضروری تھا کہ اس کی معاشرت اور

عاقبت کے لئے ایک نظام مقرر کرتا کیونکہ وہی جو اس کی فطرت کا بنانے والا ہے اس کے لئے بہترین نظام تجویز کر سکتا ہے۔

آیت ۱۶۷:۔

فرمایا: یہ لوگ تو تجھ پر لغو اعتراض کرتے ہی رہیں گے لیکن اللہ اور ملائکہ اِس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ کلام جو اللہ نے تجھ پر نازل کیا اس علم پر مشتمل ہے جو اس کی ذات سے خاص ہے۔

دیکھو! مضمون میں کس کمال کا ربط ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے انسان کو بنایا تو وہی اس کی فطرت کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکتا تھا اور وہی اس کے لئے درست لائحہ عمل تجویز کر سکتا تھا چنانچہ جوں جوں نسلِ انسانی ترقی کرتی گئی رسولوں کے ذریعہ سے اس نظام کی مختلف کڑیاں بیان ہوتی رہیں اور آخر میں قرآن کے ذریعہ ایک مکمل شریعت دیدی گئی اور قرآن میں ایسے مضامین بیان کر دئے گئے کہ کسی انسان کو مقدور نہیں کہ ان کو بیان کر سکے۔ قرآن میں ایسے اقتصادی، معاشرتی اور دینی مضامین کا بیان ہونا جو کہ انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کریں اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔

آیت ۱۶۸ تا ۱۷۰:۔

فرمایا: وہ لوگ جو اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں گمراہی میں بہت دُور بھٹک گئے ہیں وہ اپنی کاوشوں سے کوئی ایسا نظام تلاش نہیں کر سکیں گے جو ان کی تمام ضروریات کو پُورا کرے۔ ان کی تمام کوششیں انہیں صرف ایک جہنم سے دوسرے جہنم میں لے جائیں گی۔ دیکھو! قرآن نے بھی ایک معاشرتی نظام پیش کیا ہے اور بڑے بڑے فلاسفروں، مدبّروں اور سیاستدانوں نے بھی بعض نظام پیش کئے ہیں۔ قرآن کے نظام کی ایک جھلک ہم قرونِ اولیٰ میں دیکھ چکے ہیں جس پہلو سے بھی اِس نظام کا تمام دوسرے نظاموں سے مقابلہ کیا جائے قرآن کا نظام جیتا جاگتا بہشت ہے اور باقی تمام نظام دوزخ کے نمونے ہیں۔ سوشلزم میں انسان کی ترقی کے محرکات کم رہ جاتے ہیں اور ہر ایک کو اندھے کی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ کیپیٹل نظام میں امیر امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب غریب تر اور امیر اور غریب کے درمیان نہ پٹنے والی خلیج حائل ہوتی چلی جاتی ہے لیکن قرآن کے نظام میں امیر غریبوں کے لئے دولت پیدا کرتا ہے اور اس کو معاشرہ کی فلاح اور بہبود کے لئے خرچ کرتا ہے۔ اس نظام میں اکرام اور عزّت روپیہ اور پیسہ سے نہیں نیک اعمال سے ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹ : ۱۴) اسی نظام کی جھلکیاں تھیں کہ بادشاہوں کی بیٹیاں فقیروں سے بیاہی جاتی تھیں اور فقیروں کو جو عزّت کا مقام دیا

جاتا تھا دولتمند اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے تھے۔ اسی نظام کی جھلکیاں تھیں کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی بار خاندانِ غلاماں کا باب لکھا گیا۔

اور ہم اپنے رب سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس نظام کو دوبارہ نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

آیت ۱۷۱ :-

فرمایا: تم اس رسول کی انتظار میں تھے جو کامل شریعت لائے اور دنیا کو وہ نظام دے جو اس کی تمام ضروریات کو پورا کرے۔ سو اے لوگو! سن لو کہ وہ رسول آگیا ہے اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے اور اگر تم اس کا انکار کرو گے تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے اس کی حکومت زمین و آسمان پر ہے تمہارے اقرار یا انکار سے اس کی حکومت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آیت ۱۳۲، ۱۳۲ میں معاشرتی احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہاں بھی یہی الفاظ دہرائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی احکام کا بیان اور رسول کی بعثت کا ذکر ایک ہی مضمون کے مختلف ابواب ہیں۔

آیت ۱۷۲ :-

اہلِ کتاب کو کہا: تم اپنے دین کے معاملات میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہو جو سچی نہ ہو یعنی اپنی کتابوں کی طرف وہ تعلیم اور وہ نظریات منسوب نہ کرو جن کا انہیں دعوٰی نہیں۔ الہامی کتب میں قرآن ہی وہ ایک کتاب ہے جس نے ابدی شریعت اور کامل ہدایت ہونے کا دعوٰی کیا اور کہا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۵:۴)

اِس آیت میں خصوصاً عیسائیوں کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم تثلیث کا باطل عقیدہ چھوڑ دو مسیح مریم کا بیٹا تھا خدا نہ تھا۔ اللہ کا رسول اور اللہ کی مخلوق تھا جو مریم کے ذریعہ سے پیدا ہوا۔ جان لو کہ اللہ صرف ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ وہ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ کیا مسیح اور کیا ملائکہ اس کی عبادت میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔

تثلیث کا عقیدہ اس نظام کے خلاف پڑا ہوا ہے جو انبیاء کے ذریعہ قائم کیا جا رہا تھا اور جس کی تکمیل رسولِ عربی فداہ ابی وامی کے ذریعہ ہوئی۔ یہ عقیدہ وحدتِ انسانی کے مخالف ہے۔ اگر خدا تین ہیں تو نوعِ انسانی کیونکر ایک ہوسکتی ہے۔ قرآن نے اِس سورۃ کی ابتداء نسلِ انسانی کی وحدت کے بیان سے کی ہے۔ سائنس دان آج Monogenetic Theory کو بہت اہمیت دے رہے ہیں لیکن قرآن نے اسے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تمام انسان ایک ہی جنس سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جب تمام لوگ ایک ہی جنس سے پیدا ہوئے

ہیں تو نسلِ انسانی کا معراج یہی ہے کہ وہ ایک ہی نظام میں منسلک ہو۔ اس ہمہ گیر نظام کی آخری اینٹ رسُولِ عربی فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رکھی گئی جن کے دامن میں تمام انبیاء آگئے تاکہ تمام دُنیا کا ایک ہی خدا ہو ایک ہی رسُول اور ایک ہی قبلہ اور ایک ہی دین۔

آیت ۱۷۳، ۱۷۴ :-

فرمایا: صرف متکبّر لوگ اللہ کی بندگی کو عار سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مسیح کا خدا ہونا تو درکنار وہ تو اللہ کا بندہ ہونے پر فخر کرتا تھا پھر تثلیث کا عقیدہ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بندگی سے تو صرف متکبّر روگش ہوتے ہیں، وہی لوگ ہیں جو اپنے جدّ اوّل ابلیس کی طرح اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اِن آیات میں اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ مسیح تو حلیم الطبع اور منکسر المزاج شخص تھا پس تم اس کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہوئے کیونکر اس قدر تکبّر کا اظہار کرتے ہو کہ یہ کہو کہ تمہیں اللہ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، اور اس کی حکومت میں اس کے علاوہ کسی اور کو بھی دخل ہے۔

آیت ۱۷۵، ۱۷۶ :-

فرمایا: اے لوگو! اس نور اور ہدایت کو قبول کرو جو تمہارے پاس آئی ہے اگر تم اسے قبول کرو گے تو تمہارے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

آیت ۱۷۷ :-

آخری آیت میں کلالہ کی وراثت کا ذکر کیا ہے۔ ایک قسم کے کلالہ کے متعلق احکام آیت ۱۳ میں بیان ہوئے تھے دوسری قسم کے کلالہ کے متعلق اِس آیت میں بیان ہوئے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سورۃ کو کلالہ کے بیان کے ساتھ ختم کرنے میں کیا حکمت ہے اور اس آیت کا سابقہ کلام سے کیا ربط ہے۔

علامہ رازی کہتے ہیں کہ اِس سورۃ کی ابتداء میں بھی مال کے مسائل بیان ہوئے ہیں اور آخر میں بھی مال کی تقسیم کا ایک مسئلہ بیان کر دیا ہے تاکہ اوّل کو آخر کے ساتھ مشاکلت ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کوئی اتنی پکی نہیں۔ ایک قسم کے کلالہ کا ذکر آیت ۱۳ میں آیا تھا اور یہ مضمون بھی وہیں سمٹ سکتا تھا۔

اِس جگہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن نے وراثت کے مسائل بیان کرتے ہوئے متوفی کے متعلق سوائے اِس آیت کے کہیں هَلَكَ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ آیت ۱۳ میں فرمایا اِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً۔ آیت ۸ لِلرِّجَالِ

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ فرمایا۔ آیت ۱۲ میں يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ بقرہ ۲۳۵، ۲۴۱ میں وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا فرمایا۔ پس هَلَكَ کا لفظ لانے میں ضرور کوئی ایسی حکمت ہے جس سے ایک نیا مضمون پیدا ہو رہا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کلالہ کی وراثت کے احکام کے بیان کے ساتھ ساتھ اس آیت میں ایک بہت بڑی حقیقت اور ایک بہت بڑی پیشگوئی بیان کی گئی ہے جس کو سابقہ آیات سے بہت گہرا تعلق ہے۔

سابقہ آیات میں تثلیث اور مسیح کی الوہیت کا رد کیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے نزدیک مسیح کی خدائی کی سب سے بڑی دلیل اس کا بن باپ ہونا ہے۔ ان کے نزدیک اس نے شادی بھی نہیں کی تھی گویا کہ اس کی اولاد بھی کوئی نہیں تھی۔

ہم آیت ۱۲ کی تشریح میں لکھ آئے ہیں کہ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ من لا اصل لہٗ ولا فرع لہٗ کہ جس کا نہ کوئی باپ ہو اور نہ بیٹا۔ کم قسم کا کلالہ وہ شخص بھی ہے جس کے بعد اس کی اولاد تو نہ ہو لیکن ماں باپ میں سے کوئی ہو۔

اس پس منظر کے بعد اس آیت پر غور کیا جائے تو کئی مضامین کھلتے ہیں۔

روحانی اعتبار سے بنی اسرائیل اس قدر گر چکے تھے کہ کلالہ کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور ان کے آگے ان کے روحانی فرزند ہونا بند ہو گئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ ان کی روحانی میراث ان کے علاتی بھائی بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل کر دے۔ اس فیصلہ کا اعلان مسیح کا بن باپ پیدا ہونا اور مقام نبوت پر فائز ہونا تھا۔ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا اس بات کا اعلان تھا کہ بنی اسرائیل اب روحانی فرزند پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے اور اس اعتبار سے مسیح علم للساعۃ تھا اور اس بات کی علامت تھا کہ بنی اسرائیل پر قیامت آ رہی ہے اور نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

کلالہ سے مراد مسیح بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کلالہ کے معنی ہیں کہ جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا۔ مسیح کا نہ کوئی روحانی باپ تھا نہ جسمانی۔ اسی طرح اس کا کوئی روحانی بیٹا نہ تھا جس نے مقام نبوت کو پایا ہو پس مسیح کو کلالہ کہنے میں اس بات کا اعلان ہے کہ اب وراثت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی طرف جو ان کے علاتی بھائی ہیں منتقل ہو جائے گی۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہم ذیل میں سورۃ نساء کے احکام کا ایک مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں:-

حقوق اللہ سے متعلق احکام

معاشرتی احکام

عام احکام :-

نکاح کے بارہ میں احکام :-

وراثت کے بارہ میں احکام :-

مال کے بارہ میں احکام :-

(۴) سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ

آیاتھا ۱۷۶ — رکوعاتھا ۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے ◉

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَبَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ②

لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا، اور جس جنس سے کہ اس نے مرد کو پیدا کیا اسی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دُنیا میں پھیلا دئیے۔ہاں اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم ایکدوسرے کی مدد طلب کرتے ہو۔اور رشتہ داری کے تعلقات توڑنے سے پرہیز کرو۔یاد رکھو! اللہ ہر آن تمہارا نگران حال ہے ◉

وَخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا : من لبیان الجنس۔معناہ خلق من جنسہا زوجہا (انموذج)
دوسری جگہ فرمایا وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا (۱۶ ؍ ۷۲)

رقیب فعیل کے وزن پر اسم صفت ہے۔اسم صفت میں دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔جلالین کہتا ہے

(رَقِيْبًا) اى لم يزل متصفا بذٰلك۔

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰىٓ اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ص وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰىٓ اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

یتیموں کا مال ان کو دو۔ اچھی چیز کو بُری چیز سے تبدیل نہ کرو۔ نہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر کے کھاؤ۔ یاد رکھو یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہ ہے ◉

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰىٓ اَمْوَالَهُمْ: یتیموں کا مال ان کو دینے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی ضروریات ان کے مال سے پوری کرو یا الیتیم سے مراد وہ یتیم ہے جو بالغ ہو جائے۔ علمِ کلام میں بعض دفعہ کسی چیز کو وہ نام دے دیتے ہیں جس سے وہ زمانہ گذشتہ میں پکاری جاتی ہو۔ دیکھو مختصر المعانی۔ الحقیقۃ و المجاز صـ ۲۷۳ و شوکانی۔

وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی اپنا بُرا مال دے کر ان کا اچھا مال نہ لو یا یتامیٰ کی پرورش جیسی نیکی کو چھوڑ کر ان کا مال کھانے ایسی لعنت کو مول نہ لو کیونکہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (۴ : ۱۱) جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریق سے کھاتے ہیں اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں۔

اِنَّهٗ: الاکل (بیضاوی۔ جلالین۔ روح البیان۔ بیضاوی)

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ

اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳

اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم بیواؤں اور یتیموں کے حقوق ادا نہیں کر سکو گے تو ان میں سے ان عورتوں سے جو تمہارے لئے حلال ہیں دو یا تین یا چار سے نکاح کر لو۔ اور اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ایک سے زیادہ عورتوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی عورت پر یا ان عورتوں پر جنہیں تم جنگ میں پکڑتے ہو اکتفا کرو۔ بے راہ روی سے بچنے کی یہ آسان ترین راہ ہے ◉

یتیم کے معنی اکیلے کے ہیں۔ اس کے معنی ایسے بچّہ کے ہیں جس کا والد فوت ہو چکا ہو یا ایسی عورت کے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔ اس آیت میں قوم کی توجہ ان لوگوں کی نگرانی کی طرف مبذول کی گئی ہے جن کے باپ یا خاوند جنگ میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

مَثْنٰى اثنان اثنان سے ثُلٰثَ ثلثة ثلثة سے اور رُبٰعَ اربعة اربعة سے معدول ہے۔ مَثْنٰى کے لفظی معنی دو دو۔ ثلٰث کے تین تین۔ اور رُبٰعَ کے چار چار ہیں۔ اُردو محاورہ کے پیشِ نظر دو یا تین یا چار معنی کئے گئے ہیں۔ آیت کے معنی ہیں کہ ایک وقت میں دو دو یا تین تین یا چار چار بیویاں رکھ سکتے ہو۔ بعض نے اس کے معنی دو دو جمع تین تین جمع چار چار کُل اٹھارہ بھی کئے ہیں (رازی) لیکن یہ معنی جمہور کے نکتہ نظر کے خلاف ہیں۔

اَلَّا تَعْدِلُوْا : فوق هٰذه الاعداد (روح البیان)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا : یا کثرت عیال سے بچنے کی یہ آسان ترین راہ ہے (امام شافعی۔ کشاف۔ بیضاوی)

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۵

عورتوں کو ان کے حقِ مہر خوشی سے بن مانگے دو۔ البتہ اگر وہ اس میں
سے اپنی خوشی سے تمہیں کچھ چھوڑ دیں تو اسے اس طریق سے کھاؤ کہ لذت
بھی قائم رہے اور نتیجہ بھی عمدہ نکلے ◉

نِحْلَةً: عن طیب نفس وغیر مطالبة (کشاف وبیضاوی)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٦﴾

ناسمجھوں کا وہ مال جو تمہاری ولایت میں ہے اور جسے اللہ نے تم
لوگوں کی معیشت کا سبب بنایا ہے ان کو مت دو۔ البتہ ان کو اس کے
منافع سے روٹی کپڑا مہیّا کرو۔ نیز ان کو نیک نصیحت کرو ◉

أَمْوَالَكُمْ: اضاف الاموال الی الاولیاء لانّها فی تصرفهم وتحت ولایتهم (بیضاوی)

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا: اِس میں نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ذاتی ملکیّت کو جائز قرار دیا ہے اموال کا اصل مالک معاشرہ ہے کسی کا اپنے مال پر Absolute حق نہیں۔ اس کا صحیح مصرف معاشرہ کی بہبود پر خرچ ہونا ہی ہے پس اس کا ضیاع قومی دولت کا ضیاع ہے اور کسی صاحبِ مال کو یہ حق نہیں کہ اپنا مال اس طرح ضائع کرے کہ معاشرہ کو نقصان پہنچے۔

وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا: من نفعها (بیضاوی)

اِس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اپنا مال جسے اللہ نے تمہاری معیشت کا سبب بنایا ہے ناسمجھوں کو (یعنی ناسمجھ بیوی بچّوں کو) مت دو۔ البتہ انہیں اِن میں سے روٹی کپڑا مہیّا کرو اور ان کو نیک نصیحت کرو۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

جب تک کہ وہ بلوغت کو نہ پہنچ جائیں یتیموں کا امتحان کرتے رہو، پھر اگر ان کے بالغ ہونے پر تم ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کے اموال انکے حوالے کر دو، اور ان کے اموال اس خوف سے یونہی فضول اور جلدی جلدی نہ اڑاؤ کہ کہیں وہ بالغ ہو کر ان کی واپسی کا مطالبہ نہ شروع کر دیں۔

یتیم کا ولی اگر صاحبِ استطاعت ہے تو حق الخدمت لینے سے اجتناب کرے، لیکن اگر محتاج ہے تو دستور کے مطابق لے لے۔ اور جب تم یتیموں کا مال انہیں واپس کرو تو اِس بات پر کہ انھوں نے اپنا مال لے لیا ہے گواہ ٹھہرا لو۔ یاد رکھو! اللہ تمہارا حساب لینے کے لئے کافی ہے ◉

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ : نکاح مصدر ہے۔ اس کے معنی نکاح کرنا اور جماع کرنا دونوں ہیں (لسان) بیضاوی کہتا ہے حتّٰی اذا بلغوا حد البلوغ کہ یہاں نکاح کے معنی حدِ بلوغ کو پہنچنے کے ہیں۔ شوکانی کہتا ہے المراد ببلوغ النکاح بلوغ الحلم کہ اس سے مراد سنِ تمیز کو پہنچنا ہے۔ وہ اپنی تائید میں آیت وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ (۲۴ : ۶۰) پیش کرتا ہے۔ امام رازی بھی اس کے ہم زبان ہیں۔

عَلَيْهِمْ : اصل میں علی قبضھم ہے مضاف حذف کر دیا گیا ہے۔

حَسِيْبٌ بمعنی محاسب ہے جیسے شریب (بہت پینے والا) بمعنی مشارِب (رازی)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۸﴾

ماں باپ اور اقرباء کے ترکہ میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت مردوں کا بھی حصّہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ ایک معیّن حصّہ ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے ◉

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۹﴾

اگر ترکہ کی تقسیم کے وقت رشتہ دار یتیم اور مساکین موجود ہوں تو انہیں اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے حُسنِ کلام کے ساتھ پیش آؤ ◉

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۱۰﴾

لوگوں کو چاہیئے کہ یتیموں کے بارہ میں خوفِ خدا سے کام لیں۔ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اور ناتواں بچے چھوڑتے تو انہیں فکر ہوتا کہ ان کا کیا بنے گا۔ پس چاہیئے کہ وہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور حق و انصاف کی بات کہیں ◉

آیت کی تقدیر ہے ولیخش اللہ النّاس (او الاوصیاء او الحاضرون المریض

عند الایصاء) الذین لو ..... الخ

اِس آیت کے مندرجہ ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں:۔

وہ لوگ جنہیں یہ فکر ہو کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اور ناتواں بچّے چھوڑ گئے تو ان کا کیا بنے گا، یتیموں کے بارہ میں خوفِ خدا سے کام لیں۔

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا: اور انہیں نیک نصیحت کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ ع ۱۲

وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناجائز طریق سے کھاتے ہیں اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں، وہ جلد ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلیں گے ⦿

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ

اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۲﴾

اللہ تمہاری اولاد کے بارہ میں مندرجہ ذیل قانونِ وراثت مقرر کرتا ہے:۔

لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔

اگر وارث صرف لڑکیاں ہیں تو دو سے زائد ہونے کی صورت میں انہیں ترکہ کا دو تہائی حصّہ ملے گا، اور اگر صرف ایک ہی ہے تو اسے ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا۔

اور اگر متوفی صاحبِ اولاد ہے تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصّہ ملے گا۔ اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہیں اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کو تیسرا حصّہ ملے گا۔ اور اگر متوفی کے ایک سے زیادہ بھائی بہن موجود ہیں تو اس کی ماں کو چھٹا حصّہ ملے گا۔

یہ تقسیم متوفی کی وصیّت کی تعمیل اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تم سے فائدہ اُٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ حصّے اللہ نے مقرر کئے ہیں۔ اللہ تمام مصلحتوں کو جانتا ہے۔ اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ: اندازِ عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ دو پر بھی یہی حکم لگتا ہے۔ ۴ : ۱۷۷ میں جو اصول بہنوں کے لئے وضع فرمایا ہے کہ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ۔ اس کا اطلاق بیٹیوں پر بدرجہ اولیٰ ہوگا کیونکہ وہ متوفی کے زیادہ قریب ہیں۔

فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ: ماں کے لئے تیسرا حصّہ معیّن کرنے کے یہ معنے ہیں کہ باقی دو تہائی والد کو جائے گا۔

اَخٌ کا تثنیہ اِخوانٌ اور جمع اِخوۃٌ یا اِخوانٌ ہے۔ اُخت کا تثنیہ اُختان اور جمع اخوات ہے۔ جمہور کے نزدیک یہاں اخوۃ سے مراد بہن بھائی دونوں ہیں۔ گویا بھائی میں بہن طبعًا شامل ہے چنانچہ امام راغب کہتے ہیں فان کان لہٗ اخوۃ۔ ای اخوان و اخوات۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اخوۃ میں دو بہن بھائی آتے ہیں یا نہیں حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اخوۃ کا لفظ کم از کم تین کو چاہتا ہے، لیکن جمہور کی رائے بوجوہ ذیل اس کے خلاف ہے۔

نساء: ۱۲ میں آیا ہے فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ یہاں فَوْقَ اثْنَتَیْنِ کی قید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نِسَآء کا لفظ اثْنَتَیْنِ پر بولا جا سکتا ہے۔

۶۶ : ۵ میں آیا ہے اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا۔ یہاں دو دلوں کے لئے قلوب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

صاحبِ کشاف کہتا ہے الاخوۃ تفید معنی الجمیعۃ المطلقۃ بغیر کمیۃ والتثنیۃ کالتثلیث والتربیع فی افادۃ الکمیۃ یعنی اخوۃ مطلق جمع کے معنی دیتا ہے اور اس میں کمیت کا مفہوم نہیں پایا جاتا لیکن تثنیہ میں تثلیث اور تربیع کی طرح کمیت کا مفہوم دیتا ہے۔

فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ : حضرت ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ اس صورت میں باپ کا حصہ دو تہائی رہیگا، ماں کو چھٹا ملے گا اور باقی چھٹا متوفی کے بھائی بہنوں میں تقسیم ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن سے بدلیل استقراء معلوم ہوتا ہے کہ من لا یرث لا یحجب۔ اس کے برعکس جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں ماں کا حصہ گھٹ کر چھٹا رہ جائے گا اور باپ کا بڑھ کر پانچ حصے ہو جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ لا یلزم من کونہ حاجبًا کونہ وارثًا کہ اخوۃ کے حاجب ہونے سے ان کے وارث ہونے کی دلیل پیدا نہیں ہوتی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک بھائی کی صورت میں ماں اور باپ کا حصہ ایک تہائی اور دو تہائی رکھا گیا ہے لیکن دو یا دو سے زیادہ کی صورت میں ماں کا حصہ کم کر کے چھٹا کر دیا گیا ہے اور باپ کا بڑھا کر پانچ کر دیا گیا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اگر ایک ہی بھائی ہے تو وہ ماں اور باپ دونوں کی محبت کا مرکز ہوگا اور دونوں اس پر خرچ کریں گے۔ پس ایسی صورت میں عام قانون کہ مرد کے دو حصے ہیں اور عورت کا ایک نافذ ہوگا۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ بھائی ہیں تو عین ممکن ہے کہ جذبات کے ماتحت ماں اپنی تمام جائداد ایک ہی بچہ پر اور وہ بھی نکھٹو پر صرف کر دے اور باقیوں کو کم و بیش محروم کر دے۔ پس

ایسی صورت میں ماں کا حصّہ کم کر کے باپ کا بڑھا دیا گیا ہے تاکہ جائداد کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہو اور خاندان کی دولت ضائع نہ ہو۔

رہا یہ سوال کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ متوفی کے سوتیلے بھائی اس کی سگی ماں کو محجوب کر دیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ جائداد کی دو۲ اغراض ہیں ایک تو ذاتی ضروریات کو پورا کرنا اور دوسرا کنبہ کی ضروریات کو پورا کرنا۔ چونکہ کنبہ کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذمّہ دار مرد ہے اور کسبِ معاش کی ذمّہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے اس لئے اس کا حصّہ زیادہ رکھا گیا ہے۔ ایک سے زائد بھائی ہونے کی صورت میں باپ کی ذمّہ داری بڑھ جاتی ہے پس اس کا حق بھی بڑھ جاتا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ : 'اَوْ' کا لفظ 'اور' کے نیز بعض دفعہ 'بَلْ' کے معنی بھی دیتا ہے (اقرب ولین) گویا متوفی کی جائداد پر اوّل بار وصیّت کا ہے بلکہ اس سے بھی اولیٰ تر قرض کا۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ

بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

اگر تمہاری بیویاں اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑیں تو تمہیں ان کے ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا اور اگر اولاد چھوڑیں تو تمہیں ان کے ترکہ کا چوتھا حصّہ ملے گا۔ یہ تقسیم ان کی وصیّت کی تعمیل اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی، اور اگر تم اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑو تو تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ کا چوتھا حصّہ ملے گا۔ اور اگر تم کوئی اولاد چھوڑو تو انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصّہ ملے گا۔ یہ تقسیم تمہاری وصیّت کی تعمیل اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔

اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی وراثت تقسیم ہونی ہے کلالہ ہے اور اپنے پیچھے اپنا ماں جایا بھائی یا ماں جائی بہن چھوڑتا ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا، اور اگر اس کے ماں جائے بہن یا بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تیسرے حصّہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ یہ تقسیم متوفی کی وصیّت کی تعمیل اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی، لیکن شرط یہ ہے کہ وصیّت اور قرض کا مقصد ورثاء کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کو جانتا ہے لیکن وہ سزا دینے میں دھیما ہے ◉

کَلٰلَۃً کے معنی ہیں من لا اصل لہٗ ولا فرع لہٗ ایسا شخص جس کے بعد نہ اس کا کوئی باپ ہو نہ اولاد، یا ایسا شخص جس کے بعد اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ (راغب و لین)

وَلَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ: اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ یہاں اَخٌ اور اُخۡتٌ سے مراد اخیافی بھائی

بہن ہیں یعنی ایسے بھائی بہن جو ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے ہوں۔ اس کی دوسری قرأت اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِنَ الْاُمِّ ہے۔ تقسیم الارث کا اصول جو یہاں بیان کیا گیا ہے وہی ہے جو ماں کے لئے بیان کیا گیا ہے۔
آیت ۱۷ میں باپ جائے یا ماں باپ جائے بہن بھائی کا ذکر ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ : آیت ۱۲ میں ماں باپ اور اولاد کے ورثہ کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ۔ يُوْصِىْ معروف کا صیغہ ہے۔ آیت ۱۳ میں میاں اور بیوی کی وراثت کا اصول بیان فرمایا ہے۔ دونوں جگہ معروف کا صیغہ تُوْصُوْنَ اور يُوْصِيْنَ استعمال کیا ہے لیکن کلالہ کے ذکر میں يُوْصٰى مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ کلالہ چونکہ منقطع الطرفین ہوتا ہے اس کی وصیّت میں وہ دلی رغبت اور خواہش نہیں ہوتی جو دوسرے لوگوں کی وصیّت میں ہوتی ہے پس اس کی وصیّت کو مجہول کے صیغہ سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کی بلاغت کا کمال ہے کہ کوئی بات بلا وجہ نہیں کہی گئی ہر بات کا کوئی نہ کوئی سبب ہے۔

مُضَآرٍّ مصدر بھی ہے اور اسم بھی یعنی اس کے معنی مضرت پہنچانا بھی ہیں اور مضرت رساں بھی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ : قرآن کریم نے اکثر ایسے مقامات پر خدا تعالیٰ کی متعلقہ صفات کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ مومن تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے ماتحت انہی صفات کے آئینہ دار بنیں۔ مزید مثال کے لئے دیکھو آیت ۱۷۔ مقصودِ بیان یہ ہے کہ جب خدا اپنے بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا تو موصی کو بھی چاہیئے کہ اپنے وارثوں کو ان کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے محروم الارث نہ کرے۔ حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ یرحم عبادہ الرحماء اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم کرتا ہے۔

حلم کے معنی عقل کے بھی ہیں (اقرب) قرآن مجید میں آیا ہے اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ (۵۲:۳۳) اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: یاد رکھو اللہ ہر بات کو جانتا ہے ہر چیز کو سمجھتا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۴﴾

یہ احکام اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول
کی اطاعت کریں گے اللہ ان کو ان باغات میں داخل کرے گا جو بہتی
ہوئی نہروں سے شاداب ہوں گے، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت
ہی بڑی کامیابی ہوگی ◉

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ
نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع ۲/۱۲

لیکن جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے اور اللہ کی
حدود سے تجاوز کریں گے وہ انہیں دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ
ایک لمبا عرصہ رہیں گے۔ ان لوگوں کے لئے ایک رسوا کن
عذاب مقدّر ہے ◉

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا
عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ
فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ
لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۶﴾

مومنو! اگر تمہاری عورتوں میں سے بعض بےحیائی کی مرتکب ہوں تو
ان کے خلاف چار گواہوں کی گواہی طلب کرو۔ اگر یہ گواہ ان کے خلاف
گواہی دے دیں تو انہیں اپنے گھروں میں محبوس رکھو حتّٰی کہ انہیں
موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ کھول دے ◉

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ : آیت ۱۷ میں اس کے مقابلہ میں اَلَّذٰنِ آیا ہے جو کہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ ابومسلم اصفہانی اس تقابل کی وجہ سے یہاں مراد سحق لیتے ہیں جسے انگریزی میں Lesbian Vice یا Saphism کہتے ہیں یعنی عورتوں کا آپس میں جنسی اختلاط۔ وہ کہتے ہیں اگر اس سے مراد زنا لیا جائے تو سورۂ نور کی آیت ۳ کو اس کا ناسخ ماننا پڑے گا۔ علامہ رازی ابومسلم کے معنوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا : اس کی صورت نکاح بھی ہو سکتی ہے یا کوئی دوسری ایسی صورت جو معاشرہ تجویز کرے۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ کے یہ معنی نہیں کہ وہ کسی صورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ ان کو مسکن پابند رکھو، بلا نگرانی آنے جانے کی اجازت نہ دو۔

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۷﴾

اور اگر تم میں سے دو مرد بے حیائی کے مرتکب ہوں تو انہیں جسمانی سزا دو، لیکن اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ یاد رکھو اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىِٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۸﴾

جو لوگ نادانی سے بدی کر بیٹھیں اور پھر جلد ہی توبہ کر لیں اللہ ان

لوگوں کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پہ اللہ بار بار مہربانی فرماتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ جانتا ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ⦿

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۹﴾

لیکن ان لوگوں کی توبہ قابلِ قبول نہیں جو تمام عمر بُرے اعمال کرتے رہتے ہیں اور جب موت کی گھڑی سامنے آ کھڑی ہوتی ہے تو کہنے لگتے ہیں: اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کی توبہ قابلِ قبول ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ⦿

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ

فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۲۰﴾

مومنو! تمہیں جائز نہیں کہ عورتوں کو مالِ موروثہ سمجھو اور زبردستی ان پر قبضہ جما لو۔ اور نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ انہیں اِس لئے تنگ کرو تاکہ جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ تم ان پر صرف اسی صورت میں سختی کر سکتے ہو کہ وہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ ان کے ساتھ حُسن و احسان سے زندگی بسر کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو یاد رکھو کہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو لیکن اللہ نے اس میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو ◉

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۲۱﴾

اور اگر تم یہ چاہو کہ ایک عورت کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری عورت لے آؤ اور تم نے اسے ڈھیروں ڈھیر مال دے رکھا ہو تو اس میں سے کوئی چیز واپس نہ لو۔ کیا تم یہ مال ازراہِ ظلم کھُلے کھُلے گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے واپس لو گے؟ ◉

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۲۲﴾

اور تم کیونکر یہ مال واپس لوگے جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ خلوت
کر چکے ہو اور تمہاری عورتیں تم سے ایک پختہ عہد لے چکی ہیں ۝

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝٢٣ ع

ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے
ہوں۔ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ بے حیائی کی بات ہے۔ ایسا فعل ہے
جو خدا کے غضب کو بھڑکاتا ہے اور بہت ہی برا دستور ہے ۝

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ
وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ
الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ
نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ
الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٢٤

تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں، تمہاری رضاعی مائیں، تمہاری رضاعی بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، تمہاری وہ سوتیلی لڑکیاں جو تمہارے گھروں میں پرورش پاتی ہیں جو ان عورتوں سے پیدا ہوئی ہیں جن کے ساتھ تم خلوت کر چکے ہو (لیکن اگر تم ان سے خلوت نہیں کر پائے تو ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام کی گئی ہیں۔ نیز تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک وقت میں دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھو۔ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ یاد رکھو اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ: یہ شرط نہیں ان کی حالت کا بیان ہے (روح البیان)

الجزء ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةًؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۲۵

اور تم پر وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوں۔ البتہ وہ عورتیں جنہیں تم جنگ میں پکڑو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں

یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تم پر فرض کیا ہے۔

مذکورہ بالا عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تم پر حلال ہیں۔چنانچہ تم اپنا مال انہیں حاصل کرنے کے لئے خرچ کر سکتے ہو،لیکن نکاح کرنے کے لئے ،شہوت رانی کرنے کے لئے نہیں۔

جب تم اپنی بیویوں سے فائدہ اُٹھاتے ہو تو انہیں ان کا مقررہ حق مہر بھی ادا کرو۔البتہ اگر حق مہر مقرر ہوجانے کے بعد تم باہمی رضامندی سے اس میں کچھ کمی بیشی کر لو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔یاد رکھو! اللہ ہر بات کو جانتا ہے۔اس کی ہر بات میں حکمت ہے ۝

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے لفظی معنی ہیں جنہیں تمہارے ایمان نے قبضہ میں لے لیا۔

اَیمان، یمین کی جمع ہے جس کے معنی داہنا ہاتھ، طاقت اور قسم کے ہیں۔گویا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے معنی ہیں: جنہیں تمہارے داہنے ہاتھوں نے قبضہ میں لے لیا ہے۔یا جنہیں تم نے بزور بازو قبضہ میں لے لیا ہے۔یا جو کہ تمہارے عقد میں آئی ہیں یعنی وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴ : ۴۴)

اوّل الذکر معانی کے اعتبار سے مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مُراد وہ لونڈیاں ہیں جو مذہبی جنگ کے نتیجہ میں مومنوں کے قبضہ میں آئیں۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر میاں اور بیوی دونوں پکڑے جائیں تو ان کا نکاح قائم رہتا ہے۔امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ قائم نہیں رہتا۔

امام رازی نے منجملہ دیگر معانی کے مُحْصَنٰتُ کے معنی آزاد عورتیں اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے معنے تمہاری منکوحہ عورتیں بھی کئے ہیں۔اِس اعتبار سے آیت کے معنے ہوں گے: اور تم پر تمام آزاد عورتیں حرام ہیں سوائے ان کے جو تمہارے نکاح میں آجائیں۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ : یہ نصوب علی المصدر ہے۔گویا اس کی تقدیر ہے کتب علیکم کتاب اللہ

(املاء، بیضاوی وجلالین)

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ
وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ
بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ
الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ
تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۴

تم میں سے جو لوگ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ
رکھتے ہوں وہ ان مومن لونڈیوں سے شادی کر لیں جو جنگ میں
پکڑی گئی ہوں۔ جو پاکدامن ہوں، زناکار نہ ہوں اور خفیہ یارانے
گانٹھنے والی نہ ہوں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون ایمان کے
ارفع مقام پر ہے۔ تم سب ایک ہی نسل کی شاخیں ہو۔ اور جب تم
ان سے نکاح کرنے کا فیصلہ کر لو تو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ
ان سے نکاح کرو، اور انہیں ان کے مہر دستور کے مطابق ادا کرو۔ اور
اگر وہ نکاح میں آجانے کے بعد کسی قسم کی بے حیائی کی مرتکب ہوں
تو ان کی سزا آزاد عورتوں سے آدھی ہو گی۔ لونڈیوں سے نکاح کرنیکی
رخصت تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جو ڈرتے ہوں کہ اگر وہ
یہ طریق اختیار نہیں کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ تاہم بہتر یہی

ہے کہ تم صبر کرو، لیکن اگر تم نہیں کر سکتے تو یاد رکھو! اللہ بہت بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ⊙

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ : یہاں وہ لونڈیاں مُراد ہیں جو دوسرے کی ملکیت ہوں۔ اپنی لونڈیوں کے متعلق حکم سابقہ آیت میں گذر چکا ہے۔

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ : اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم ایمان میں باہم شریک ہو جو اعظم الفضائل ہے (رازی) یعنی تم میں وحدتِ خیال ہے سب ایک ہی شمع کے پروانے ہو ایک ہی اُمّت ہو۔

فَانْكِحُوْهُنَّ : ف مقدر عبارت پر دال ہے (رُوح البیان)

عنت مصدر کے معنی ہیں جڑنے کے بعد ہڈیوں کا ٹوٹنا (کشاف، بیضاوی و رُوح البیان) استعارۃً یہ لفظ ہر قسم کی مشقت اور ضرر کے لئے بولتے ہیں چنانچہ اس کے معنی ہلاکت اور گناہ اور مشکل کے بھی ہیں۔ یہاں اس سے مراد زنا ہے جو دُنیا اور آخرت کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمام وہ باتیں جن میں تمہاری بھلائی ہے تمہیں کھول کھول کر بیان کر دے اور تمہیں ان راہوں کی طرف ہدایت کرے جن پر تم سے پہلے سالکوں نے قدم مارا اور تمہارے ساتھ بار بار رحمت کا سلوک کرے۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کو جانتا ہے۔ اس کی ہر بات میں حکمت ہے ⊙

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۸﴾

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۹﴾

دیکھو! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ بار بار رحمت کا سلوک کرے لیکن وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر دُور سے دُور تر ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے ◉

يُخَفِّفَ کا مفعول محذوف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۱﴾

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، البتہ یہ جائز ہے کہ تم باہمی رضامندی سے مال کی خرید و فروخت کرو۔ اور تم آپس میں خونریزی نہ کرو۔ اللہ نے تمہیں یہ احکام اس لئے دیئے ہیں کہ وہ تم پر بہت مہربان ہے۔ لیکن اگر کوئی ظلم وستم کو اپنا شعار بناتے ہوئے ان احکام کو توڑے گا تو ہم اسے جہنّم میں داخل کر دیں گے۔ یاد رکھو! اللہ کے لئے ایسے شخص کو جہنّم میں ڈالنا بہت آسان ہے ◉

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ: اس کے مندرجہ ذیل معانی بھی ہوسکتے ہیں۔ خودکشی نہ کرو یا ایسی بات نہ کرو جو تمہاری ہلاکت کا باعث ہو یا اپنے لوگوں کو ذلیل نہ کرو یا اپنی جانوں کو گناہ میں ڈال کر ہلاک نہ کرو

(بیضاوی، کشاف، رُوح البیان، شوکانی و رازی)

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا: یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ سے تمہارے فائدہ کے لئے بچانا چاہتا ہے اس لئے نہیں کہ یہ کام اس کے لئے کوئی بڑا مشکل کام ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۲﴾

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں روکا جاتا ہے تو ہم تمہاری بُرائیاں تم سے دُور کر دیں گے اور تمہیں عزّت کا مقام عطا کریں گے ◉

اگر مُدخل کے معنی داخل ہونے کی جگہ یعنی مکان لئے جائیں تو آیت کے معنی ہوں گے: اور تمہیں عزّت کے مقام یعنی جنّت میں داخل کریں گے یا عزّت کا مقام عطا کریں گے۔ اگر مُدخل کو مصدر لیا جائے یعنی اس کے معنی داخل کرنا لئے جائیں تو آیت کے معنی ہوں گے: اور تمہیں عزّت کے ساتھ (جنّت میں) داخل کریں گے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۳﴾

اور ان چیزوں کی بیکار آرزو نہ کرو جن میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مرد اپنے کئے کا پھل پائیں گے

اور عورتیں اپنے کئے کا پھل پائیں گی۔ پس بیکار آرزو کی بجائے اللہ کا فضل طلب کرو۔ یاد رکھو! اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ۞

وَلَا تَتَمَنَّوْا : تمنّٰی کے معنی ہیں کسی چیز کی خواہش کرنا عموماً اس کے معنی ہیں کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جو حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ گویا تمنّا کے معنی ایسی بیکار آرزو ہے جس میں کوشش اور محنت شامل نہ ہو اور ایسی چیز کو طلب کرنا ہے جو ممکن الحصول نہ ہو۔ چنانچہ رازی اور رُوح البیان کہتے ہیں التمنی عبارة عن ارادة مایعلم او یظن انه لایکون کہ تمنّا کے معنی ایسی چیز کی خواہش کے ہیں جو تمنّا کرنے والا جانتا ہے یا سمجھتا ہے کہ اسے نہیں مل سکتی۔ پس اِس آیت کے یہ معنی نہیں کہ ترقی کی خواہش نہ کرو جو تقدیر میں لکھا ہے اس پر صبر کرو بلکہ اِس کے معنی ہیں کہ حسد نہ کرو، جو چیز تم خود سمجھتے ہو کہ ممکن الحصول نہیں اس کی بیکار آرزو میں اپنے آپ کو پریشان نہ کرو۔ ورنہ اگلی ہی آیت میں فرمایا ہے کہ مرد اپنے کئے کا پھل پائیں گے اور عورتیں اپنے کئے کا۔ یعنی جو محنت کرے گا اس کو اپنی محنت کا پھل ملے گا خواہ وہ حصولِ دنیا کے لئے ہو خواہ حصولِ آخرت کے لئے۔

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ : و کا عطف وَلَا تَتَمَنَّوْا پر ہے (شوکانی) یعنی حسد کرنے کی بجائے وہی چیز خدا سے طلب کرو۔ بیضاوی کہتا ہے لا تتمنّوا ما للنّاس واسئلوا اللہ مثله من خزائنه۔ نیز دیکھو کشاف و رُوح البیان۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۳۴ ع ۵/۸/۴

ہم نے ہر ایک کے ترکہ کے وارث مقرر کئے ہیں جو کہ والدین اور

قریبی رشتہ دار ہیں اور جن کے ساتھ تم نے پختہ عہد باندھ رکھے ہیں
انہیں ان کا حق ادا کرو۔ یاد رکھو! اللہ ہر چیز پر نگران ہے ◉

یعنی ازواج کو ان کا حق ادا کرو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اِس وجہ سے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور
اِس وجہ سے کہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مرد عورتوں کے
نگران ہیں۔ نیک عورتیں وہی ہیں جو اپنے خاوندوں کی فرمانبردار ہیں۔
اور ان کی عدم حاضری میں اس چیز کی حفاظت کرتی ہیں جس کی
حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ رہی وہ عورتیں جن کے متعلق تمہیں
معلوم ہو کہ وہ سرکش ہیں سو تم انہیں نصیحت کرو۔ اگر یہ کارگر
نہ ہو تو انہیں ان کی خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دو۔ اور اگر یہ
بھی کارگر نہ ہو تو تم انہیں مار سکتے ہو۔ اگر کسی طریق سے وہ
تمہاری اطاعت کر لیں تو ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔ یاد

رکھو! اللہ سب سے بالا سب سے بڑا ہے ۞

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ : يحفظ الله اياهن بالامر (بیضاوی)

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ : خوف کے معنی علم اور یقین کے بھی ہیں (اقرب ومفردات۔نیز دیکھو روح البیان)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مارنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس اجازت کو استعمال نہ کیا جائے تو بہتر ہے (رازی) یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن نے فَاضْرِبُوْهُنَّ فرمایا ہے فاضربوھن ضربًا نہیں فرمایا۔ عربی محاورہ کے مطابق اس کے معنی ہلکا سا مارنا ہیں یعنی ایسا مارنا جس کے نتیجہ میں ضرب (خفیف یا شدید) واقع نہ ہو۔ چنانچہ تمام علماء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی ضرب کی اجازت نہیں جس سے زخم یا جسم پر نشان پڑ جائے یا ہڈی ٹوٹ جائے۔ اِسی طرح کوڑے سے یا عصا سے مارنے کی اجازت نہیں۔ حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ صرف مسواک یا کسی ایسی چیز سے مارنے کی اجازت ہے (شوکانی) گویا یہ مارنا اظہارِ ناراضگی کا ایک ذریعہ ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۶﴾

مومنو! اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی کے درمیان سخت اَن بَن ہے تو ایک حکم مرد کے اہل میں سے اور ایک حکم عورت کے اہل میں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں چاہیں کہ میاں بیوی کے تعلقات ٹھیک ہو جائیں تو اللہ میاں بیوی کے درمیان سمجھوتہ پیدا کر دیگا۔ یاد رکھو! اللہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے ۞

حَکَمَ کے معنی ہیں اس نے اسے بُرائی اور فساد سے روکا (اقرب) پس حکم کے اصلی معنی ہیں جو بُرائی سے روکے۔ یعنی دونوں اطراف سے ایسے آدمی مقرر کرو جو اپنے اپنے فریق کو غلط راہ پر چلنے سے روکیں۔

یُرِیْدَآ اور بَیْنَھُمَا کی ضمائر کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا ۔ دونوں ضمائر میاں بیوی کے متعلق ہوں۔ اِس صورت میں معنی ہوں گے: اگر میاں بیوی دونوں اپنے تعلقات ٹھیک کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان سمجھوتہ کی صورت پیدا کردے گا۔

ب ۔ دونوں ضمائر پنچوں کے متعلق ہوں، اس صورت میں معنی ہوں گے: اگر وہ دونوں صلح کروانی چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان سمجھوتہ کی صورت پیدا کردے گا۔

ج ۔ پہلی ضمیر (یُرِیۡدَآ والی) پنچوں کے متعلق ہو اور دوسری (بَیۡنَهُمَا والی) میاں بیوی کے متعلق۔ اس صورت میں وہ معنے ہوں گے جو متن میں دیئے گئے ہیں۔ یہ معنے زیادہ متبادر ہیں۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا‌ ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۷﴾

اۨلَّذِيۡنَ يَـبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا‌ ۚ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكُنِ الشَّيۡطٰنُ لَهٗ قَرِيۡنًا

فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۹﴾

اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ، اپنے اقرباء کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اپنے قریبی ہمسایہ کے ساتھ اور اپنے دُور کے ہمسایہ کے ساتھ اور اپنے رفیقِ کار کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان قیدیوں کے ساتھ جو جنگ میں تمہارے قبضہ میں آئیں احسان کا سلوک کرو۔

یاد رکھو! اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جن کی چال ڈھال میں اتراہٹ ہے اور جو بات بات پر فخر کرتے ہیں۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اُس دولت کو جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا کی ہے چھپاتے ہیں۔ ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایک ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ان کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ان کا ساتھی شیطان ہے، اور جس کا ساتھی شیطان ہو گیا ہی بُرا ہے اس کا ساتھی! ◉

اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی کے معنی قریبی ہمسایہ بھی ہو سکتے ہیں اور ایسا ہمسایہ بھی جو کہ ہمسایہ بھی ہو اور رشتہ دار بھی یا ہمسایہ بھی ہو اور مسلمان بھی۔ حضرت رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں بعض ہمسائے ایسے ہوتے ہیں کہ تینوں حقوق (ہمسائیگی۔ قرابت اور اسلام) کے اہل ہوتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ۲ دو حقوق (ہمسائیگی اور اسلام) کے اہل ہوتے ہیں اور بعض صرف ایک حق یعنی ہمسائیگی کے اہل ہوتے ہیں (بیضاوی و رُوح البیان)

اَلْجَارِ الْجُنُبِ کے معنی ہیں دُور کا ہمسایہ یا ایسا ہمسایہ جو رشتہ دار نہ ہو۔

اَلصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ کے لفظی معنی ہیں ایسا ساتھی جو پہلو کے ساتھ ہو۔ اس میں رفیقِ کار، ہمنشین، سفر کا ساتھی وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ : العبید و الاماء (بیضاوی)

فَخُوْر فاخر سے فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا : .... تنبیه علی ان الشیطٰن قرینهم ....
(بیضاوی۔ شوکانی و رازی)

متن میں جو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (۳۹) کا عطف اَلْكٰفِرِيْنَ (۳۸) پر لیا گیا ہے۔ اگر اس کا عطف اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ (۳۸) پر لیا جائے تو معنے ہوں گے: اور اللہ ان لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ کو مبتدا لیا جائے اور اس کی خبر محذوف سمجھی جائے اور اسے اس کے بعد کی آیت وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا سے نکالا جائے۔ اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے: ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ایک ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ان کو ذلیل کر کے رکھ دے گا، رہے وہ لوگ جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں سو شیطان ان کا ساتھی ہے اور جس کا ساتھی شیطان ہو کیا ہی برا ہے اس کا ساتھی!

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

اگر یہ لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کی راہ میں اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو دیا ہے تو ان پر کیا افتاد آپڑتی؟ اللہ انہیں خوب جانتا ہے ◉

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

اللہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، لیکن اگر کسی میں ذرہ بھر بھلائی ہو تو وہ اس کو بڑھاتا ہے اور اس کے عوض اپنے حضور سے بہت بڑا اجر عطا کرتا ہے ◉

یُضٰعِفْهَا : عام طور پر اس کے معنی یضاعف ثوابہا کئے جاتے ہیں یعنی اس کے اجر کو بڑھاتا ہے لیکن حذفِ مضاف ماننے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اللہ اپنے فضل سے خود ہی نیکی کی توفیق دیتا ہے خود ہی اس کو بڑھاتا ہے اور خود ہی دہ چند ثواب عطا کرتا ہے۔ یہ اس کی بخشش کے طریق ہیں ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

خود بہر تماشا سرِ بازار بیائی (روم)

انسان اپنے فعل سے نیکی کے بیج کو ضائع کر دے تو کر دے ورنہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت تو یہی ہے کہ وہ اس کو بڑھاتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع ۶ ۹ ۳

اے رسول! ان کافروں کا اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک اُمّت میں سے ایک گواہ طلب کریں گے اور تمہیں اُن گواہوں

پر گواہ کھڑا کریں گے۔ اُس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اپنا شیوہ بنا لیا اور رسُولوں کے سردار کی نافرمانی کی خواہش کریں گے کہ کاش وہ مٹی میں مِل کر مٹی ہو جاتے کیونکہ وہ اللہ سے کوئی چیز چُھپا نہیں سکیں گے ◉

اَلرَّسُوْلَ میں ال نے یہ معنی پیدا کئے ہیں کہ ایسا رسول جو رسالت کے کمال کو پہنچ گیا ہے یعنی رسولوں کا سردار ہے۔ ایسا رسول ہے کہ دراصل صرف وہی اس لفظ کا مصداق ہے۔

لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ کے یہ معنی بھی ہیں کہ کاش کہ وہ اور مٹی ایک (مساوی) ہو جاتے یا ہوتے یعنی یودون انهم لم یخلقوا او لم یحضروا وكانوا هم والارض سواء (جلالین، بیضاوی، رازی و رُوح البیان) اور اس کے یہ معنی بھی ہیں ان یدفنوا فتسوٰی بهم الارض کہ وہ زیرِ زمین دفن کئے جائیں اور ان پر زمین برابر کر دی جائے (بیضاوی، رازی و رُوح البیان)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

مومنو! جب تم ہوش میں نہ ہو تو نماز کا قصد نہ کرو۔ تم اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے

ہو۔ اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی سوائے اس صورت کے کہ تم
سفر پر ہو، غسل کئے بغیر نماز کا اہتمام نہ کرو۔ اور اگر تم مریض ہو
یا سفر میں ہو یا حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر آئے ہو یا عورتوں
کے قریب گئے ہو اور تمہیں پانی میسّر نہیں آتا تو پاک مٹی سے
کام لو اور اس سے اپنے مُنہ اور ہاتھ کا مسح کر لو۔ یاد رکھو! اللہ
بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ◉

سُکٰرٰی۔ سکران کی جمع ہے۔ اِس کا مصدر سَکَرٌ۔ سُکْرٌ۔ سُکُرٌ۔ سَکْرٌ اور سِکْرٌ ہے۔ سَکِرَ کے معنے ہیں وہ مخمور ہو گیا۔ مدہوش ہو گیا۔ نیند کے غلبہ کو سکر النوم کہتے ہیں (لسان) قرآن نے موت کی غشی کو بھی سُکْرَۃُ الْمَوْتِ کہا ہے (۵۰ : ۲۰) رُوح البیان کہتا ہے السکر اسم الحالۃ تعرض بین المرء وعقلہٖ واکثر ما یکون من الشراب وقد یکون من العشق والنوم والغضب والخوف کہ سُکر اس حالت کو کہتے ہیں جب انسان کی عقل کام نہ کرتی ہو، یہ حالت اکثر شراب سے پیدا ہوتی ہے البتہ عشق، نیند، غضب اور خوف سے بھی پیدا ہو جاتی ہے ضحاک نے اِس جگہ مراد نیند کا غلبہ لیا ہے (شوکانی) اس نے اپنی تائید میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ اذا نعس احدکم وھو فی الصلوٰۃ فلیرقد حتّٰی یذھب عنہ النوم (رازی) کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں اُونگھ جائے تو اسے چاہیئے کہ سو جائے حتّٰی کہ نیند کا غلبہ اُتر جائے۔ ان معنوں کا یہ فائدہ ہے کہ اس آیت کو حرمتِ شراب والی آیت (مائدہ : ۹۱) کی وجہ سے منسوخ نہیں ماننا پڑتا۔

غَائِط نشیب زمین کو کہتے ہیں اِس کی جمع غیطان اور اغواط ہے۔ لوگ اجابت کے لئے پست زمین میں جاتے تھے تاکہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں، لہٰذا یہ لفظ بیت الخلاء اور اجابت کے لئے بھی بولا گیا۔ امام رازی کہتے ہیں وکان الرّجل اذا اراد قضاء الحاجۃ طلب غائطًا من الارض یحجبہ عن اعین النّاس، ثم سمی الحدث بھٰذا الاسم تسمیۃ الشئ باسم مکانہ (رازی)

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً: وہ شخص جو مریض ہونے کی وجہ سے پانی کا استعمال نہیں کر سکتا ایسا ہی ہے گویا کہ اُسے پانی میسّر نہیں آتا (بیضاوی و رُوح البیان)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُونَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٥﴾

اے شخص! تجھے کچھ ان لوگوں کا بھی حال معلوم ہے جنہیں کتابِ الٰہی کا کچھ علم دیا گیا؟ وہ گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ ◉

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَآئِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيرًا ﴿٤٦﴾

اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ تمہیں اللہ کے سوا کسی دوست کی ضرورت نہیں اور نہ تمہیں اللہ کے سوا کسی مددگار کی ضرورت ہے ◉

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۙ وَلٰكِن لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۷﴾

یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام کو اپنے محل سے بدل دیتے ہیں، اور جب تُو انہیں اطاعت کا حکم دیتا ہے تو اپنی زبانوں کو مروڑتے ہوئے دینِ برحق پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم نے تیری بات سُنی اور اس کے باوجود تیری نافرمانی کی' 'اے کہ تیری کوئی نہ سُنے تو ہماری سُن' 'راعنا'۔ اگر وہ بلا ایچ پیچ یہ کہتے: ہم نے آپ کی بات سُن لی اور اطاعت کی' 'ذرا ہماری عرض بھی سُنئے' 'ذرا ہماری طرف بھی نظرِ التفات ہو' تو یہ ان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوتا اور بہت ہی مناسب ہوتا۔ لیکن خیر و برکت حاصل کرنا تو کجا وہ اپنے کفر کے سبب اللہ کی رحمت سے محروم ہو چکے ہیں اور اب انہیں ایمان سے کوئی رغبت نہیں رہی ◉

کَلِم کلمۃ کی جمع ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ؛ ان کے جواب سے یہ مفہوم پیدا ہو رہا ہے کہ انہیں اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ مختصراتِ قرآن ہیں کہ سوال کو حذف کر دیا اور حرف جواب سے پُورا مضمون ادا کر دیا۔

عَصَيْنَا کے معنی ہیں ہم نے نافرمانی کی۔ اَطَعْنَا کے معنی ہیں ہم نے اطاعت کی۔ منافق اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر لفظ کچھ اس طرح ادا کرتے تھے کہ مومن تو یہ سمجھیں کہ اَطَعْنَا کہہ رہے ہیں لیکن دراصل وہ عَصَيْنَا کہہ رہے ہوتے تھے۔

مُسْمَعٍ ۔ اسمع سے اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں ایسا شخص جس کو سُنایا جائے۔ غَيْرَ مُسْمَعٍ کے ایک معنی تو وہ ہیں جو متن میں دیئے گئے ہیں یعنی جس کی کوئی نہ سُنے۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اے کاش کہ تو کوئی بُری بات نہ سُنے۔ منافق لوگ ذومعنی بات کرتے تھے، اصل مطلب طنز و تشنیع ہوتا تھا لیکن اگر کوئی اعتراض کرتا تو کہتے ہمارا مطلب تو یہ نہیں ہے۔

رَاعِنَا ؛ دیکھو نوٹ زیر آیت ۲ : ۱۰۵۔

وَلٰكِنْ : لم يا توا بما هو خيرٌ لهم واقوم (شوکانی)

لعنت کے معنی ہیں: خیر سے دُور ہونا محروم ہونا (اقرب)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۸﴾

اے علماء اہلِ کتاب! پیشتر اس کے کہ ہم چہروں کے نقش مٹا دیں اور ان کو مسخ کر دیں یا لوگوں پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے اصحابِ سبت پر کی تھی، اس کلام پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ یاد رکھو! کفار کی ذلت قضائے الٰہی ہے جو بہرحال نافذ ہو گی ◉

وُجُوْہ سے مراد رؤساء بھی ہو سکتے ہیں (کشاف۔ بیضاوی و رازی)

نَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَا کے مندرجہ ذیل معنی ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ صورت ادبار کر دیں یعنی پیٹھ کی طرح کر دیں اور ان میں اور پیٹھوں میں کوئی فرق نہ رہے۔

۲۔ ان کی شان و شکوہ ختم کر دیں۔

۳۔ ان کا رُخ پیٹھوں کی طرف کر دیں۔

۴۔ جہاں سے آئے ہیں ادھر واپس لوٹا دیں یعنی مدینہ سے جلاوطن کر کے واپس شام کی طرف بھیج دیں۔

۵۔ چہروں کو مسخ کر کے ان کا رُخ گمراہی کی طرف پھیر دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۹﴾

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے سوا کسی اور کو معبود بنایا جائے۔ ہاں اس کے علاوہ جو بھی گناہ ہو وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ یاد رکھو! جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بناتا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے ◉

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۵۰﴾

کیا تُو نے ان لوگوں کا حال بھی دیکھا جن کو پارسائی کا دعویٰ ہے، کیا غلط اندازِ فکر ہے ان کا! دعویٰ سے تو کوئی پاک نہیں ہو جاتا، اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ ان کو ان کے تکبّر کی سزا ملے گی، لیکن ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا ◉

و کا عطف عبارت محذوف پر ہے۔ آیت کی تقدیر ہے یعاقبون بظلمھم ولٰکن لا یظلمون فتیلا (دیکھو روح البیان۔ شوکانی و رازی)

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۱﴾ ع

دیکھو یہ اللہ پر کس دیدہ دلیری سے افترا باندھتے ہیں، اس سے بڑھ کر

اُور کیا کُھلا کُھلا گناہ ہو گا ۞

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۲﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۳﴾ؕ

اے شخص! تجھے کچھ ان لوگوں کا حال بھی معلوم ہے جنہیں کتابِ الٰہی کا کچھ علم دیا گیا۔ وہ ٹونے ٹوٹکے اور شیطان پر یقین رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں: یہ مومنوں کی نسبت زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ تُو دیکھے گا کہ جس پر اللہ لعنت کر دے اس کو کوئی نہیں بچا سکتا ۞

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۴﴾ۙ

کیا ان کا اللہ کی حکومت میں کوئی حصّہ ہے؟ یاد رکھ! اگر ان کا کچھ بھی حصّہ ہوتا تو یہ لوگوں کو پھوٹی کوڑی تک نہ دیتے ۞

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۵﴾

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۶﴾

کیا یہ مومنوں سے اس نعمت کی وجہ سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی تو ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی تھی اور انہیں ایک بہت بڑی حکومت بھی عطا کی تھی۔ پھر اگر یہی نعمت دوبارہ آلِ ابراہیم کو مل گئی تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہوئی۔ لیکن یہ سب کے سب جنسِ ایماں سے عاری نہیں، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اُس سے کنارہ کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو اُس سے کنارہ کرتے ہیں یاد رکھیں کہ ایسے منکرین کے لئے دہکتی ہوئی دوزخ کافی ہے ◉

وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا : فلا يبعد ان يؤتيه الله مثل ما اتٰهم (بیضاوی و رُوح البیان) یہ محذوفاتِ قرآن ہیں۔ چونکہ یہ مضمون عبارت ماسبق سے پیدا ہو رہا تھا قرآن نے اسے لفظاً بیان نہیں کیا۔ ہم نے وضاحت کی خاطر اسے بیان کر دیا ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ : ف مقدّر عبارت پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا

الْعَذَابَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٧﴾

وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ہم انہیں جلد ہی واصلِ جہنّم کریں گے۔ ہر بار جب ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی ہم انکی کھالیں بدل کر انہیں نئی کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ اللہ ہر بات پر غالب ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا: آیت کی تقدیر ہے بدّلنا جلودھم بجلود غیرھا۔
نئی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ جلنے اور پکنے کی تکلیف Pain کا احساس صرف کھال میں ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿٥٨﴾

البتہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور نیک عمل بجا لائے ہم انہیں ایسے باغات میں جگہ دیں گے جو چلتی ہوئی نہروں سے شاداب ہونگے۔ وہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہاں ان کو ایسے جوڑے ملیں گے جو ہر غلاظت سے پاک کئے گئے ہوں گے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم انہیں اپنی رحمت کے دائمی سایہ میں جگہ دیں گے ◉

وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا: اس کے لفظی معنی ہیں ہم انہیں گھنے یا دائمی سایوں میں داخل کریں گے۔
امام رازی اور صاحب روح البیان کہتے ہیں کان الظل عندھم اعظم اسباب الراحۃ ولھذا المعنی جعلوہ کنایۃ عن الراحۃ کہ سایہ اہلِ عرب کے نزدیک سب سے بڑی راحت سمجھی

جاتی تھی پس اس جگہ اس کے معنی کنایۃً راحت کے لئے گئے ہیں۔ ہم نے راحت کو رحمت سے تعبیر کر کے بامحاورہ ترجمہ کر دیا ہے کیونکہ اصل راحت تو اس کی رحمت کے سایہ ہی میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۹﴾

اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اسکے اہل ہیں۔ اور وہ تمہیں یہ حکم بھی دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ کیا ہی اچھا حکم ہے جو اللہ تمہیں دیتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سُنتا ہے، سب کچھ دیکھتا ہے ◉

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۶۰﴾ ع ۸/۹ ۵

مومنو! اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اور اپنے حکام کی اطاعت کرو۔ اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن

پر ایمان رکھتے ہو تو ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے اور انجام کار یہی بات تمہارے لئے بہتر ثابت ہو گی ◉

اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ: جواب شرط محذوف ہے چنانچہ بیضاوی اور صاحبِ رُوح البیان کہتے ہیں فان الایمان یوجب ذٰلك۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۶۱﴾

اے رسول! ذرا ان لوگوں کا حال بھی دیکھ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل ہوا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن عمل یہ ہے کہ اپنے فیصلے ان لوگوں سے کروانا چاہتے ہیں جو اللہ سے سرکش ہیں، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ ان سے بیزاری کا اعلان کریں۔ بات صرف اتنی ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ وہ ان کو ایسا گمراہ کر دے کہ ہدایت سے بہت دُور چلے جائیں ◉

اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ: ان یتبرؤا من الطاغوت (رُوح البیان)

ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا: ای اضلالا بعیدا لاغایة له فلا یهتدون (رُوح البیان)

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ﴿۶۲﴾ج

تُو دیکھے گا کہ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام
اور اللہ کے رسول کی پیروی کرو تو وہ تجھ سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ۞

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۳﴾

اس وقت ان کا کیا حال ہو گا جب ان پر خود ان کے اپنے اعمال
کے نتیجہ میں کوئی مصیبت نازل ہو گی اور وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتے
ہوئے تیرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو محض
بھلائی اور صُلح و آشتی تھا ۞

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۴﴾

اے رسول! اللہ ان کے دِلوں کے بھید سے بخوبی واقف ہے۔ پس
تُو ان سے قطع نظر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات
کہہ جو ان کے دلوں میں اُتر جائے ۞

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا: ای قل لهم قولًا بليغًا فی انفسهم (کشاف) فی انفسهم کے معنی خالیًا بهم (بیضاوی) بھی ہو سکتے ہیں یعنی ان کو تخلیہ میں نصیحت کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ

اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۵﴾

ہم نے جو رسُول بھی بھیجا ہے اِس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے نام پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر وہ اس وقت جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے بخشش طلب کرتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتا تو وہ دیکھتے کہ اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

خطاب سے غیبت کی طرف اِس لئے التفات کیا گیا ہے تاکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اللہ کا رسُول ہونے پر زور دیا جائے۔ دیکھو تمہید: التفاتِ ضمائر۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۶﴾

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۷﴾ ۙ

وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۶۸﴾

وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۹﴾

تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان کی دولت حاصل نہیں کر پائیں گے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں تجھے حاکم نہ بنا لیں اور جو فیصلہ تُو کرے اس سے کبیدہ خاطر نہ ہوں اور بلاچون وچرا تیری اطاعت نہ کریں۔ اگر ہم انہیں یہ حکم دیتے کہ اپنی جانیں قربان کر دو یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی لوگ ہمارا حکم بجا لاتے۔ بہرحال اگر وہ اس حکم پر جو ان کو دیا گیا عمل کرتے تو یہ ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا اور ان کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتا، اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے حضور سے بہت بڑا اجر عطا کرتے اور راہِ راست کی طرف ہدایت کرتے ◉

فَلَا میں لا کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں :۔

ا ۔ یہ تاکید کے لئے ہے نفی کے لئے نہیں۔

ب ۔ یہ لَا یُؤْمِنُوْنَ کی مزید تاکید کرتا ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کا ترجمہ ہوگا: تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان کی دولت حاصل نہیں کرسکیں گے، ہرگز حاصل نہیں کرسکیں گے جب تک ۔۔۔ ۔۔۔ (رازی)

مَا یُوْعَظُوْنَ بِہٖ: یعنی اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۷۰﴾ ؕ

ع ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۱﴾ ع

جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسُول کی پیروی کریں گے ان کا مقام ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ۔ کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق! یہ فضل اللہ ہی کے ہاں سے ملتا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو اپنے فضل سے نوازے ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ

اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۲﴾

مومنو! اپنی حفاظت کا انتظام مکمل رکھو، اور جب تم جہاد کے لئے نکلو تو الگ الگ جماعتوں کی صورت میں نکلو یا اکٹھے نکلو ◉

ثُبَات ثُبَة کی جمع مکسر ہے۔ ثُبَة کے معنی ہیں مردوں کی ایک جماعت ثَبَّيْتُ الشَّئَ کے معنی ہیں جمعتُہ یعنی میں نے وہ چیز اکٹھی کی۔
جَمِيْعٌ کے معنی ہیں جَمَاعَةٌ۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ

قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۳﴾

تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو جہاد کے وقت دیدہ و دانستہ

پیچھے رہ جاتے ہیں، اور اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو کہتے ہیں : اللہ کا ہم پر بہت احسان ہے کہ ہم ان کے ساتھ موجود نہیں تھے ◉

بَطَأَ۔ یُبَطِّئُ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ متن میں جو معنے کئے گئے یُبَطِّئَنَّ (جو کہ واحد غائب کا صیغہ مؤکد بہ نون ثقیلہ ہے) کو فعل لازم لے کر کئے گئے ہیں۔ اگر اسے متعدی لیا جائے تو معنے ہوں گے ؛ تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو جہاد پر جانے سے روکتے ہیں۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

لیکن اگر تمہیں اللہ کے ہاں سے کوئی نعمت مل جائے تو وہ حسرت سے کہتے ہیں، گویا تمہارے اور ان کے درمیان کبھی محبت کا کوئی رشتہ نہ تھا، کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے! اگر ایسا ہوتا تو ہم بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے ◉

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۵﴾

اگر یہ لوگ جنگ سے گریز کرتے ہیں تو وہ لوگ جو دنیاوی زندگی

کے عوض آخرت کو چنتے ہیں اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ یاد رکھو! جو
اللہ کی راہ میں جنگ کرے گا تو خواہ وہ مارا جائے یا غالب آئے ہم
بہر حال اسے بہت بڑا اجر عطا کریں گے ◉

فَلْيُقَاتِلْ: فالفاء جواب شرط مقدر ای ان بطاء هؤلاء عن القتال فليقاتل
(روح البیان وشوکانی)

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٦﴾

تم پر کیا بن آئی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور
عورتوں اور بچّوں کی خاطر جنگ نہیں کرتے جو یہ دعائیں کرتے ہیں
کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے
ظالم ہیں، اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی والی مقرر کر، اور اپنی
جناب سے ہمارا کوئی محافظ مقرر فرما ◉

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوٓا أَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ

ع ۶ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

مومن اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ یاد رکھو! شیطان کی سیاست بہت کمزور ہے ◉

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۸﴾

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ

عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۹﴾

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۸۰﴾

ذرا ان لوگوں کا حال بھی دیکھ جو جنگ کے لئے بیتاب تھے اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، لیکن اب کہ جنگ ان پر فرض کی گئی ہے تو ان میں سے بعض لوگوں سے یُوں ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے ڈرنا چاہیئے تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تُو نے ہم پر جنگ کس لئے فرض کر دی ہے؟ کیوں نہ تُو نے ہمیں تھوڑی مدّت اور مُہلت دے دی؟ اے رسول! ان سے کہہ: دُنیا کی متاع چندروزہ ہے، لیکن ان لوگوں کے لئے جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں آخرت کی متاع بہت ہی بہتر ہے۔ بہرحال خواہ تم دُنیا کی متاع کو خریدو خواہ آخرت کی تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ رہی موت تو یاد رکھو کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، خواہ مضبوط قلعوں میں بند ہو، موت تمہیں آ کر رہے گی۔ اگر انہیں کوئی خوشی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر انہیں کوئی رنج پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: یہ تیری وجہ سے ہے۔ کہہ: خوشی اور رنج دونوں اللہ کی

طرف سے ہیں، لیکن ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اے انسان! جو نعمت تجھے ملتی ہے اللہ کی طرف سے ہے، اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے تیرے اپنے فعل کا نتیجہ ہے۔ اے رسول! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تیری رسالت پر اللہ کے سوا کسی اور کی گواہی کی کیا ضرورت ہے ◉

کُلٌّ: من الحسنة والسیئة (روح البیان و شوکانی) اللہ نے دُنیا کا کارخانہ اِس طرح بنایا ہے کہ ہر چیز روبہ اصلاح ہے۔ عام غلطیوں کے نتائج منتج نہیں ہوتے۔ مضرت صرف اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب غلطی پر اصرار کیا جائے یا توازن کی حدود سے تجاوز کیا جائے۔ پس اگرچہ مضرت کے اثرات ظاہر ہونا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قانون کا حصہ ہے لیکن یہ قانون انسان کے فعل کے تابع ہے ورنہ عام قانون فضل و احسان ہی کا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے خزانہ میں انعام ہیں، مصیبتیں انسان کی اپنی پیدا کردہ ہیں لیکن چونکہ ان کا ظہور بھی خدا تعالیٰ کے قانون کے تابع ہے اِس لئے من وجہٍ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی اسی کی طرف سے آتی ہیں۔ فلا تضاد۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۗ﴿٨١﴾

جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو تیری اطاعت سے مُنہ موڑتے ہیں تو اے رسول! ان کا معاملہ ہم پر چھوڑ دے، ہم نے تجھے ان کا نگہبان مقرر نہیں کیا ◉

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا: ف مقدر عبارت پر دلالت کرتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ‌ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ‌ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۸۲﴾

اے رسول! جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہمارا کام تو اطاعت ہے، لیکن جب تیرے پاس سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ ان تدبیروں میں رات کاٹ دیتا ہے کہ کیونکر تیرے احکام کو توڑا جائے۔ جو کچھ تدبیریں وہ رات بھر کرتے رہتے ہیں اللہ ان کا ریکارڈ محفوظ کر رہا ہے۔ پس ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور اللہ پر توکّل کر۔ یاد رکھ! اللہ کے بعد کسی اور پر توکّل کرنے کی ضرورت نہیں ◉

تَقُوْلُ کی ضمیر طَآئِفَۃٌ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے (طبری) اس صورت میں آیت کے معنے ہونگے: تو ان میں سے ایک گروہ جو کچھ وہ تجھے کہتے ہیں اس کے برعکس تدبیریں کرنے میں رات کاٹ دیتا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ‌ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ﴿۸۳﴾

وہ کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں جابجا تناقض پایا جاتا ◉

اس کے یہ معنی ہیں کہ جن مضامین کو قرآن نے بیان کیا ہے اگر انہی مضامین کو کوئی انسان بیان کرتا اور قرآن کی وحی کی طرح اس کا سلسلہ بیان کئی سالوں تک ممتد رہتا تو ضرور اس کے کلام میں جابجا تناقض پایا جاتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انسانی دماغ ارتقاء کی منازل طے کرتا رہتا ہے اور پیچیدہ مسائل میں

لمبے عرصہ تک ایک ہی بات پر قائم نہیں رہتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ انسان جب خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے لگتا ہے تو اس کی صورت کم و بیش شاعر کی طرح ہو جاتی ہے کہ فی کل وادٍ یھیمون۔ پس وہ کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ جیسی صورت دیکھی ویسی بات کہہ دی۔ اس کے لئے ممکن نہیں کہ سالہاسال تک ایک ہی رنگ بھرتا رہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہاں اختلاف سے مراد نظم کا فقدان ہو (بیضاوی و جلالین) اس اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآن کے مختلف مضامین ایسے ہم آہنگ اور ایک دوسرے سے منسلک ہیں کہ گویا تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی رشتہ میں پروئے ہوئے ہیں۔ اگر ایک دانہ ٹوٹ جائے تو ساری لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ پس قرآن میں ایسے مکمل نظام کا پایا جانا اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان کا کلام اس قدر مختلف مضامین میں ایسے مکمل نظام کا التزام کرسکے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۴﴾

ضعیف الایمان لوگ جب کوئی مطمئن کرنے والی یا خوف پیدا کرنیوالی بات سنتے ہیں تو اسے نشر کر دیتے ہیں۔ اگر وہ ایسی بات اللہ کے رسول یا اپنے اہل الرائے لوگوں کے پاس پہنچا دیتے تو ان میں سے وہ لوگ جو معاملات کی تہ تک پہنچنے کی استعداد رکھتے ہیں حقیقت کو پالیتے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کم ہی تھے جو شیطان کے پیچھے نہ چلتے ◉

اَذَاعُوا بِهٖ: من ضعفة المسلمين (کشاف۔ بیضاوی۔ جلالین۔ شوکانی۔ روح البیان)

اُولِی الْاَمْرِ: ای ذوی الرائی (جلالین وبیضاوی) اس کے معنی حکام بھی ہو سکتے ہیں۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۵﴾

اے رسول! اگر یہ لوگ تجھے تنہا چھوڑ دیں تو تُو اللہ کی راہ میں تنہا ہی لڑ۔ تُو صرف اپنی جان کا ذمّہ دار ہے، اور مومنوں کو جنگ کے لئے اُبھار۔ اللہ عنقریب کافروں کا زور توڑ دے گا۔ یاد رکھ! اللہ کا حملہ کافروں کے حملہ سے زیادہ سخت اور اس کی سزا انکی سزا سے زیادہ عبرتناک ہے ◉

فَقَاتِلْ: الفاء جزائیۃ والجملہ جواب لشرط مقدر۔ ای ان ترکوك (رُوح البیان وبیضاوی)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لاُخرجنّ ولو وحدی (جلالین) یعنی مجھے اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مجھے جنگ کے لئے تنہا بھی نکلنا پڑے تو بھی میں ضرور نکلوں گا۔

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۶﴾

جو کوئی کسی نیک کام میں کسی کا شریک اور مددگار ہو گا اس کو

اس کے ثواب میں سے حصّہ ملے گا اور جو کوئی کسی بُرے کام میں کسی
کا شریک اور مددگار ہوگا اس کو اس کے آزار میں سے حصّہ ملے گا۔
اللہ ہر بات پر نظر رکھتا ہے ◉

شفع کے معنے ہیں کسی کا شریک حال ہوکر اس کی مدد کرنا (راغب)
مُقِيْتًا : شَهِيْدًا (کشاف۔ بیضاوی۔ جلالین)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۷﴾

جب تمہیں کوئی دعا دی جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر دعا کے
ساتھ دو یا کم از کم وہی دعا دُہرا دو۔ یاد رکھو! اللہ ہر چیز کا محاسبہ
کرے گا ◉

ایک شخص نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو السّلام علیك کہا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا وعلیك السّلام ورحمة الله۔ ایک دوسرے شخص نے کہا السّلام علیك ورحمة الله۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا وعلیك السّلام ورحمة الله وبرکاتهٗ۔ ایک تیسرے شخص نے کہا السّلام علیك ورحمة الله وبرکاتهٗ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیك۔ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس آیت کی طرف مبذول کی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے میرے لئے استزاد کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی (بیضاوی)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۸﴾ ع ۱۱ / ۸

اللہ ایک ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ۔ وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور

جمع کرے گا۔ اِس بات میں کوئی بھی شک نہیں۔ کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر سچ بولے؟ ◉

اَللّٰهُ: اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ اَللّٰهُ مبتدا۔ خبر محذوف۔ متن میں اِس اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

ب۔ اَللّٰهُ خبر مبتداء محذوف۔ ای هو الله یعنی وہ اللہ ہے۔

ج۔ اَللّٰهُ مبتدا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خبر۔ اس اعتبار سے معنی ہوئے اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: اس کی ترکیب ہے لا اله موجود (او قائم) الا الله۔

اِلٰی بمنزلہ 'فِیْ' بھی ہو سکتا ہے (جلالین و بیضاوی) متن میں اسی اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اگر اِلٰی کے معنی 'تک' کئے جائیں تو حالٌ من الفاعل کے اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اللہ قیامت تک تمہارا حشر کرتا رہے گا۔ اور حالٌ من المفعول کے اعتبار سے معنی ہوں گے لیجمعنکم مفضین الی حساب یوم القیامة یعنی اللہ تمہیں حساب دینے کے لئے قیامت کے دن جمع کرے گا یا قیامت کے دن تک جمع کرتا رہے گا۔

لَا رَیْبَ فِیْهِ مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتا ہے ای جمعًا لا ریب فیه اِس صورت میں فیه کی ضمیر جمعًا کی طرف عود کرے گی۔ یہ معنی متن میں کئے گئے ہیں۔ اور یہ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کا حال بھی ہو سکتا ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں آیت کے معنی ہوں گے: وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۹﴾

کیا وجہ ہے کہ تم ان منافقوں کے بارہ میں دو گروہ ہوگئے ہو۔ اللہ نے انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے واپس کفر میں لوٹا دیا ہے۔ کیا تم اس کو ہدایت دینا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرایا،لیکن سن رکھو جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا تم اسے کسی طور سے ہدایت نہیں دے سکتے ◉

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿۹۰﴾

یہ منافق چاہتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تم بھی کر لو تاکہ تم دونوں ایک جیسے ہو جاؤ۔ پس تم ان کو اس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے۔ اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو جہاں کہیں انہیں پاؤ گرفتار کر لو اور قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست یا مددگار نہ بناؤ ◉

گویا اس صورت میں ان کا شمار محاربین میں ہوگا۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَآءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُّقَاتِلُوكُمْ أَوْ

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩١﴾

لیکن یہ حکم ان لوگوں پر صادر نہیں ہو گا جو اس قوم کے پاس پناہ لیتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان امن کا معاہدہ ہے یا تمہارے پاس اس صورت میں آتے ہیں کہ ان کے دل اس بات پر تنگ ہیں کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ان لوگوں کو تم پر مسلّط کر دیتا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ کنارہ نہ کرتے اور تم سے لڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کرتے ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور تمہیں صلح کی پیشکش کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف اقدام کرنے کا کوئی جواز نہیں رکھا ◉

یَصِلُوْنَ : یلجئون (جلالین و ابن کثیر) یا جو اس قوم کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان امن کا معاہدہ ہے۔ امام رازی کہتے ہیں والمعنی ان کل من دخل فی عهد من کان داخلاً فی عهدکم فهم ایضاً داخلون فی عهدکم۔

فَلَقٰتَلُوْكُمْ : یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں فقاتلوکم نہیں بلکہ فَلَقٰتَلُوْكُمْ فرمایا ہے۔ لام وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ کے جواب کے لئے ہے۔ گویا آیت کی تقدیر ہے ولو شاء الله لسلّطهم علیکم ولو شاء الله لقاتلوکم (رازی۔ شوکانی۔ روح البیان) فَلَقٰتَلُوْكُمْ میں ف محذوف عبارت پر دلالت کرتا ہے اور آیت کی تقدیر ہے لم یکفو عنکم فَلَقٰتَلُوْكُمْ (دیکھو بیضاوی و روح البیان) آیت کے یہ معنی کرنا کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلّط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے درست نہیں۔ اگر فقٰتلوکم ہوتا

تو یہ معنی ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس صورت میں بھی یہ اعتراض قائم رہتا کہ جب وہ مسلّط ہو گئے تو پھر لڑنے کے کیا معنے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا

قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ

يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۲﴾ ع ۱۲ ۴ ۹

ان کے علاوہ تمہیں کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ
تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی محفوظ رہیں۔لیکن انکا
حال یہ ہے کہ جب کبھی انہیں فتنہ کا موقع ملتا ہے اس میں
اندھا دھند کود پڑتے ہیں۔پس اگر وہ تم سے کنارہ نہیں کرتے
اور تمہیں صلح کی پیشکش نہیں کرتے اور جنگ سے باز نہیں آتے
تو انہیں جہاں کہیں پاؤ گرفتار کر لو اور قتل کر دو۔ یہ وہ لوگ
ہیں جن پر ہم نے تمہیں پورا پورا اختیار دیا ہے ◉

اُرْكِسُوْا فِيْهَا: مجہول کا صیغہ ہے جو ان کے جوش و خروش کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے گویا وہ فتنہ میں اس طرح کود پڑتے ہیں جیسے کہ انہیں کوئی بیرونی طاقت پکڑ کر یہ کام کروا رہی ہو۔ (دیکھو تمہید ص)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ

قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ‌ؕ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّـكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ وَ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۹۲﴾

کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے۔ ہاں اگر وہ غلطی سے ایسا فعل کر بیٹھے تو اور بات ہے، اور جب کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مومن غلام کو آزاد کرے، اور سوائے اس کے کہ مقتول کے وارث اللہ کی رضا کی خاطر معاف کر دیں انہیں خون بہا ادا کرے۔ اور اگر مقتول مومن ہے لیکن دشمن قوم میں سے ہے تو قاتل پر واجب ہے کہ ایک مومن غلام کو آزاد کرے۔ اور اگر مقتول ایسی قوم میں سے ہے جس کے اور تمہارے درمیان امن کا معاہدہ ہے تو قاتل پر واجب ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے اور ایک مومن غلام کو آزاد کرے۔ اور اگر وہ ایک مومن غلام آزاد نہیں کر سکتا تو اس پر واجب ہے کہ لگاتار دو مہینوں کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا توبہ کا ایک طریق ہے۔ اللہ اپنے

بندوں کو خوب جانتا ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

مومن کے قتل کے کفارہ میں اوّلیّت غلام آزاد کرنے کو دی ہے اور کافر معاہد کے قتل کے کفارہ میں اوّلیّت دیت کو دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے قتلوں میں نفس کی بے راہ روی اور اضرار (Personal Injury) کا پہلو پایا جاتا ہے، لیکن چونکہ مومن کا قتل بھول میں ہوا ہے اس لئے اضرار (Personal Injury) کا پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور نفس کی اصلاح کا پہلو اوّلیّت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس کافر معاہد کا قتل عمداً ہوا ہے اس لئے اضرار (Personal Injury) کا پہلو اوّلیّت حاصل کر لیتا ہے اور نفس کی اصلاح کا پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

تَوْبَةً منصوب ہے گویا اس سے پہلے فعل محذوف ہے (بیضاوی وجلالین)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۴﴾

جو کسی مومن کو عمداً قتل کرتا ہے اس کی سزا جہنّم ہے جہاں وہ ایک مدّتِ مدید تک رہے گا۔ اللہ اس سے ناراض ہے، اس نے اسے اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اس کے لئے ایک سخت عذاب مقرر کیا ہے ◉

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ

كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۵﴾

مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو کسی کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے معاملہ کی تحقیق کر لو اور یونہی اس شخص کو جو تمہیں سلام کہتا ہے یہ نہ کہو کہ تُو مومن نہیں۔ تم دنیوی زندگی کے سازوسامان ڈھونڈتے ہو لیکن اللہ کے حضور تمہارے لئے مال و دولت کے بہت سے خزانے ہیں۔ تمہاری یہ حالت تو اسلام قبول کرنے سے پہلے تھی، لیکن اب اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے۔ پس تمہارے لئے واجب ہے کہ کسی کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے معاملہ کی تحقیق کر لو۔ یاد رکھو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ●

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ : تمہاری یہ حالت تو اسلام قبول کرنے سے پہلے تھی یعنی جلد بازی کی عادت اور معاملہ کی تحقیق کئے بغیر خون خرابہ پر اُتر آنا۔

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں: تم بھی تو پہلے اسی طرح اپنا اسلام مخفی رکھتے تھے لیکن اب اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے کہ تم اس کا اظہار کر سکتے ہو۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى

الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۶﴾
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۹۷﴾ ع ۱۳

وہ مومن جو بغیر کسی عارضہ کے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں یکساں نہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں گھر میں بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہر دو فریق سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے، اللہ گھر میں بیٹھنے والوں کی نسبت مجاہدوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔ انہیں اپنے حضور سے بڑے بڑے درجات عطا فرمائے گا، ان کی مغفرت کرے گا اور ان پر رحم کرے گا۔ اللہ بہت ہی بخشنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے ●

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا
فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا
اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۸﴾

فرشتے ان لوگوں کو جن کی جان وہ ایسی حالت میں قبض کریں گے
جبکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوں گے کہیں گے: تمہارے یہ
طور طریقے کیا تھے! وہ انہیں کہیں گے: ہم ملک میں مجبور اور مظلوم
تھے۔

فرشتے کہیں گے: کیا اللہ کی زمین اتنی فراخ نہیں تھی کہ تم اس
مقام سے کسی دوسرے مقام میں ہجرت کر جاتے؟
ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ کیا ہی بُری ہے یہ منزل! ◉

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا
يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٩﴾
فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا
غَفُورًا ﴿١٠٠﴾

لیکن وہ مرد اور عورتیں اور بچّے جو کہ مجبور اور مظلوم تھے اور
نہ کوئی چارہ کر سکتے تھے اور نہ کوئی راہ ڈھونڈ سکتے تھے، اس
حکم میں نہیں آتے۔ قریب ہے کہ اللہ ان کو معاف کر دے۔
اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے ◉

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا
كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى
اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ

ع ۱۴ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠١﴾ ع

وہ شخص جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا دیکھے گا کہ اس کے لئے زمین میں کثرت سے عافیت کے حصار اور رزق کے سامان ہیں، اور وہ شخص جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت میں ہجرت کرنے کے لئے نکلے اور اسے راستہ میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہو گا۔ اور اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

اِلَى اللّٰهِ: ای الی طاعۃ اللّٰہ (رُوح البیان) اس کے معنی الی ماحیث امر اللّٰہ ورسولہ بھی ہوسکتے ہیں (دیکھو بیضاوی ۲۹ : ۲۷) اس اعتبار سے معنی ہوئے: اور وہ شخص جو اپنے گھر سے اس طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے جدھر کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠٢﴾

مومنو! جب تم سفر پر ہو تو تمہیں نماز قصر کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں گزند پہنچائیں گے تو نماز قصر کر لو۔ بے شک کافر تمہارے کھلے کھلے دشمن ہیں ◉

اِنْ خِفْتُمْ: جوابہ محذوف (رُوح البیان) اکثر نحویوں کا خیال ہے کہ جوابِ شرط، شرط سے پہلے نہیں آسکتا۔ ایسے مواقع پر عموماً وہ سابقہ عبارت سے جوابِ شرط نکالتے ہیں۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ
يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ
وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا
اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۳﴾

اور اے رسول! جب تُو ان میں موجود ہو اور نماز پڑھائے تو
چاہیئے کہ ان کا ایک گروہ اسلحہ بند ہو کر تیرے ساتھ نماز کے لئے
کھڑا ہو۔جب وہ نماز پڑھ چکیں تو جماعت کے پیچھے چلے جائیں اور
دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی آگے بڑھ آئے اور تیرے ساتھ
نماز ادا کرے۔لیکن ان کے لئے لازم ہے کہ اسلحہ بند رہیں اور اپنی
حفاظت کا پورا پورا انتظام کریں۔ کافر یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے
اسلحہ اور متاع سے غافل ہو جاؤ اور وہ تم پر یکلخت حملہ
کر دیں۔ ہاں! اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم مریض

ہو تو کچھ حرج نہیں کہ تم اپنے ہتھیار اُتار دو، لیکن بہرحال اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان کرو۔ یاد رکھو! اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کر دینے والا عذاب مقرر کر رکھا ہے ۞

فَاِذَا سَجَدُوْا: ای صلّوا (جلالین) یہاں سجدہ سے نماز مراد ہے۔ قرآن نے بعض مقامات پر رکوع سے نماز مراد لی ہے۔ یہ محاورہ کم و بیش تمام زبانوں میں ہے کہ بعض دفعہ جزء سے کُل مراد لیتے ہیں چنانچہ اُردو میں کہتے ہیں دس راس بَیل اور انگریزی میں کہتے ہیں Ten heads of cattle اس طرزِ کلام کو علمِ بیان میں تسمیۃ الشی باسم جزئہ کہتے ہیں۔ (مختصر المعانی: الحقیقۃ والمجاز صفحہ ۳۷۲)

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ: دوسرے گروہ کو اپنی حفاظت کے انتظام کی تاکید کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے لوگ پیچھے آئیں گے اور پچھلے آگے جائیں گے تو ممکن ہے کہ کافر اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر یکلخت حملہ کر دیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

اور جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کرو، اور جب حالتِ خوف دُور ہو جائے تو معمول کے مطابق نماز پڑھو۔ یاد رکھو! نماز کا وقت پر ادا کرنا مومنوں پر فرض ہے ۞

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ: ذکر کے معنی نماز اور قَضَيْتُمْ کے معنی ارد تم اداء الصلوۃ بھی ہو سکتے ہیں (بیضاوی) اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے: اور جب تم حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے لگو تو خواہ تم کھڑے ہو (یعنی تلوار چلا

رہے ہو) یا بیٹھے ہو (یعنی تیر چلا رہے ہو) یا اپنے پہلوؤں پر ہو (یعنی زخم کھا کر زمین پر گر پڑے ہو) ہر حالت میں اسے ادا کرو۔ (بیضاوی۔ رازی وشوکانی)

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٥﴾ ع ۱۵ ۱۲

دشمن کے تعاقب میں سستی نہ کرو، اگر تمہیں سختی جھیلنی پڑتی ہے تو جس طرح تمہیں سختی جھیلنی پڑتی ہے انہیں بھی جھیلنی پڑتی ہے، اور تم اللہ کے ہاں سے اس انعام و اکرام کی امید رکھتے ہو جس کی وہ نہیں رکھتے۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ جانتا ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٧﴾

اے رسول! ہم نے تمام ضروریات پوری کرنے والی یہ کتاب تجھ پر اس لئے نازل کی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس علم کی روشنی میں فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے عطا کیا ہے۔ تو خیانت کرنے والوں کی وکالت نہ کر اور اللہ کی بخشش طلب کر۔ یاد رکھ! اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ◉

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝١٠٨

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٩

اور تُو ان لوگوں کی وکالت بھی نہ کر جو خود اپنے آپ سے دغا کرتے ہیں۔ یاد رکھ! اللہ ان لوگوں سے محبّت نہیں کرتا جو خیانت کو اپنا دستور بنا لیتے ہیں اور گناہ میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اللہ سے چھپنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ اس وقت بھی موجود ہوتا ہے جبکہ وہ راتوں کو چھپ کر ایسے مشورے کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا۔ بےشک جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

خَوَّان: فعلان کے وزن پر خائن کا اسم مبالغہ ہے۔ اس میں اصرار کا مفہوم پایا جاتا ہے (بیضاوی)

اَثِیْم: فعیل کے وزن پر اثم کا اسم مبالغہ ہے۔ اس میں انہماک کا مفہوم پایا جاتا ہے (بیضاوی)

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

مومنو! تم وہ سادہ لوح ہو جو دُنیا کی زندگی کے معاملات میں ان کی وکالت کرتے ہو، لیکن قیامت کے دن اللہ کے حضور کون ان کی وکالت کرے گا۔ اور اس دن کون ان کا محافظ ہو گا ◉

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اگر کوئی شخص بُرا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے اور اسکے بعد اللہ کی بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا پائے گا ◉

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۲﴾

وہ شخص جو گناہ کرتا ہے اپنی ہی جان کے لئے وبال کا سامان کرتا ہے۔ اللہ ہر بات کو جانتا ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۳﴾ ع

ع ۱۶/۸ ۱۴

لیکن وہ شخص جو قصور یا گناہ تو خود کرتا ہے لیکن اس کا
الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیتا ہے بہت بڑے جھوٹ اور
کھلے کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے ۞

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اے رسول! اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی
تو ان کا ایک گروہ تجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتا، لیکن
اب صورتِ حال یہ ہے کہ وہ اپنے ہی آپ کو دھوکہ دیتے ہیں
اور تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ اللہ نے تجھ پر کتاب نازل کی
ہے اور تجھے حکمت عطا فرمائی ہے اور تجھے ان حقائق اور
اسرار کا علم بخشا ہے جنہیں تو پہلے نہیں جانتا تھا۔ بیشک اللہ
کا تجھ پر بہت ہی فضل ہے ۞

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ : ولیس القصد فیہ الی ھمھم بل الی نفی
تأثیرہ (بیضاوی و روح البیان)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۵﴾

ان لوگوں کے خفیہ مشورے اکثر خیر سے خالی ہوتے ہیں، البتہ اُن لوگوں کے خفیہ مشورے جو صدقہ و خیرات یا نیک باتوں کی تلقین کرتے ہیں یا لوگوں کو صلح کی تعلیم دیتے ہیں اس ذیل میں نہیں آتے۔ یاد رکھو! جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ایسے کام کرے گا ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے ◉

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۶﴾ ع

ع ۱۷/۱۴

وہ لوگ جو سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد بھی اللہ کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کسی اَور راہ پر چلتے ہیں ہم انہیں اسی راہ پہ چلائیں گے جس پر وہ چل رہے ہیں اور انہیں جہنّم میں داخل کریں گے۔ کیا ہی بُری ہے یہ منزل! ◉

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلٰلًا بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾

اللہ اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرتا کہ کسی اَور کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ ہاں اس کے علاوہ دوسرے گناہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ یاد رکھو! وہ شخص جو کسی اَور کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے سیدھے راستہ سے بہت دُور بھٹک گیا ہے ◉

اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا‌ ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡـطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ‏ ﴿۱۱۷﴾

لَّعَنَهُ اللّٰهُ‌ ۘ وَقَالَ لَاَ تَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ‏ ﴿۱۱۸﴾

وقف لازم

وَّلَاُضِلَّـنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَـتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ‏ ﴿۱۱۹﴾

يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ‌ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡـطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا‏ ﴿۱۲۰﴾

اُولٰۤـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا

محیصًا ⑫②

یہ لوگ خدا کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں وہ سب بےجان چیزیں ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جب ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں تو دراصل صرف سرکش شیطان کی پرستش کرتے ہیں، اس شیطان کی جس کو اللہ نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے اور جس نے اسے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ اغوا کروں گا، انہیں گمراہ کروں گا، انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاؤں گا اور انہیں حکم دوں گا اور وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور انہیں حکم دوں گا اور وہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں بگاڑ پیدا کریں گے۔ وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتے ہیں سراسر گھاٹے میں ہیں۔ شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے، لیکن شیطان کے سارے وعدے محض فریب ہی فریب ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہ اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے ◉

یَدْعُوْنَ: یَعْبُدُوْنَ (رُوح البیان وجلالین)

اِنٰثًا: انثیٰ کی جمع ہے۔ اسکے لفظی معنی مؤنث کے ہیں لیکن یہ لفظ بُتوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ عرب لوگ ان کے لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ انثیٰ کا لفظ لاکر اِس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معبودِ حقیقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فاعل ہو منفعل نہ ہو پھر وہ بُت جو منفعل ہی منفعل ہیں کیونکر معبود ہوسکتے ہیں۔

فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ: مشرکوں میں رواج تھا کہ خاص تعداد میں بچے جننے والے بعض چوپایوں اور ان کے آخری مادہ بچّے کے کان چیر کر ان کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ ایسے چوپایوں سے کسی قسم کا کام لینا، ان کو ذبح کرنا یا ان کا دُودھ پینا حرام سمجھا جاتا تھا، نیز دیکھو ۵ : ۱۰۴، اس میں یہ اشارہ

ہے کہ حلال کو حرام قرار دینا یا اللہ کی مخلوق میں نقص پیدا کرنا شیطانی فعل ہے (بیضاوی)

فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ: یہ بگاڑ ان کی صورت مسخ کرنے سے بھی ہو سکتا ہے اور ان کے غیر فطری اور غیر طبعی استعمال سے بھی پس اس میں بہرہ داروں کی آنکھیں نکالنا، ان کی زبان کاٹنا، غلاموں کو خصی کرنا، جسم پر گدائی کرنا، اغلام، سحق، شرک وغیرہ ایسی سب مکروہات آجاتی ہیں (بیضاوی)

مُحِیْص: حاص یحیص سے ظرفِ مکان ہے یعنی ایسی جگہ جہاں آدمی بھاگ کر چلا جائے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾

لیکن وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل بجا لاتے ہیں ہم انہیں ایسے باغوں میں جگہ دیں گے جو چلتی ہوئی نہروں سے شاداب ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو اللہ نے کیا ہے۔ ایک سچا وعدہ۔ کون ہے جو اللہ سے زیادہ صادق القول ہو ●

وَعْدَ اللّٰہِ منصوب ہے۔ اس سے پہلے فعل محذوف ہے اور آیت کی تقدیر ہے وَعَدَ وَعْدَ اللّٰہِ

حَقًّا: اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ یہ وَعْدَ کا حال ہے۔ اس اعتبار سے معنی متن میں کئے گئے ہیں۔

ب۔ اس سے پہلے فعل محذوف ہے اور اس کی تقدیر وَحَقَّہٗ حَقًّا اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: وہ اسے سچا کر کے دکھلائے گا۔

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ

سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

مشرکو! اللہ کا فیصلہ نہ تمہاری خواہشات کے مطابق ہو گا اور نہ اہلِ کتاب کی خواہشات کے مطابق ہو گا۔ جو کوئی بُرا کام کرے گا اس کے مطابق اجر پائے گا، اور جب اس کی جان پر بن آئے گی تو وہ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار ◉

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ: خطاب مع عبدۃ الاوثان (رازی)

لَيْسَ کا اسم محذوف ہے (شوکانی) جلالین کہتا ہے (لَيْسَ) الامر منوطاً (بِاَمَانِيِّكُمْ)

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا: اس میں جہنم کے عارضی ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی وہاں بھی اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور نصیر ہو گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

البتہ جو لوگ نیک عمل بجا لائیں گے وہ مرد ہوں یا عورت جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ بھر حق تلفی نہیں کی جائیگی ◉

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٦﴾

اس شخص سے بہتر کس کا دین ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں محو کر دیا ہے اور وہ نیک عمل بجا لاتا ہے اور تمام ادیانِ باطلہ سے انحراف کرکے ابراہیم کے دین کی اطاعت کرتا ہے، اس ابراہیم کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا ◉

حَنِيْفًا کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ یہ مُتّبِع کا حال ہے۔ یہ معنی متن میں کئے گئے ہیں۔

ب۔ یہ اِبْرٰهِيْم کا حال ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوئے: اور نیک عمل بجا لاتا ہے اور ابراہیم کے دین کی اطاعت کرتا ہے جو تمام ادیانِ باطلہ سے کٹ کر اللہ کے حضور جُھک چکا تھا۔

ج۔ یہ مِلَّةَ کا حال ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اور نیک عمل بجا لاتا ہے اور ابراہیم کے دین یعنی دینِ حنیف کی اطاعت کرتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٧﴾ ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

اور تم اللہ کی اطاعت کیوں نہیں کرتے جبکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ◉

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ : وَ کا عطف محذوف پر ہے۔ گویا عبارت کی تقدیر ہے ومالکم لا تطیعون اللہ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ یا انہ لم یتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔ لاحتیاجہ الیہ وکیف یفعل ذٰلك وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ مؤخر الذکر صورت میں اس کے معنی ہوں گے: اور تم اللہ

کے ابراہیم کو دوست بنانے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاؤ (یعنی یہ نہ سمجھنے لگو کہ اللہ کو اس امر کی حاجت تھی) جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔

یہ دونوں معنی امام رازی نے کئے ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۸﴾

اے رسول! یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ عورتوں کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ کہہ: اللہ تمہیں ان کے بارہ میں اپنے احکام بیان کرتا ہے، اور یہ وہی ہیں جو تمہیں کتابِ الٰہی میں یتیم اور بیوہ عورتوں کے بارہ میں بتلائے گئے ہیں، وہ یتیم عورتیں جنہیں تم ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور جن سے تم نکاح نہیں کرنا چاہتے۔ اور وہ تمہیں بےکس بچوں کے متعلق بھی حکم دیتا ہے کہ ان کے حقوق ادا کرو۔ اور وہ تمہیں یہ حکم بھی دیتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یاد رکھو! جو نیک کام بھی تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ◉

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ : اس کے معنی عَنْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یا فِیْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ دونوں ہو سکتے ہیں یعنی جن سے تم نکاح نہیں کرنا چاہتے یا جن سے تم نکاح کرنا چاہتے ہو (بیضاوی۔ روح البیان و رازی) تَرْغَبُوْنَ کا عطف تُؤْتُوْنَ پر بھی ہو سکتا ہے (املا) اس صورت میں اس کی تقدیر ہو گی وَلَا تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ : فی موضع جر عطفا علی المجرور فی یفتیکم فیهن (املاء)

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۹﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ میاں بیوی آپس میں مصالحت کر لیں۔ یاد رکھو اصلح سب سے بہتر ہے۔ انسانی فطرت بخل پر مائل ہے، لیکن اگر تم احسان کرو گے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں تقویٰ اختیار کرو گے تو یاد رکھو اللہ تمہارے تمام اعمال اور ان کے محرکات سے واقف ہے ◉

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا کے لفظی معنی ہیں ان دونوں پر کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اگر وہ آپس میں صلح کر لیں۔ یہ طرزِ بیان ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم بچے سے کہتے ہیں "اگر تم پڑھ لوگے تو کوئی گناہ نہیں ہو جائے گا" یعنی اس میں تمہارا ہی بھلا اور بہتری ہے۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ : اگر ما موصولہ لیا جائے تو اس کے معنی اعمال ہوں گے اور اگر مصدریہ لیا جائے

تو اس کے معنی اعمال کے محرکات اور اغراض ہوں گے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٣٠﴾

تم کتنا بھی چاہو اپنی بیویوں کے درمیان پُورا پُورا عدل نہیں کر سکتے، تاہم یہ نہ کرو کہ ایک بیوی سے بالکل قطع تعلق کر لو اور اسے کالمعلقہ چھوڑ دو۔ اگر تم اپنی بیویوں سے اپنے معاملات درست کرو گے اور ان پر ظلم کرنے سے ڈرو گے تو دیکھو گے کہ اللہ بہت ہی بخشنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ: مال علیہ کے معنی ہیں اس کی مخالفت کی۔ مال الیہ کے معنی ہیں اس سے محبت کی۔ مال معہ کے معنی ہیں اس کی موافقت کی۔ قرآن نے صلہ چھوڑ دیا ہے جس سے وسعتِ معانی پیدا ہو گئی ہے اور علیھا۔ الیھا و معھا تینوں اعتبار سے معنی کئے جا سکتے ہیں۔ علیھا کے اعتبار سے معنی متن میں دئے گئے ہیں۔ الیھا و معھا کے اعتبار سے اس کے معنی ہوں گے: تاہم یہ نہ کرو کہ بالکل ایک ہی بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو کالمعلقہ چھوڑ دو۔

مُعَلَّقَۃ کے معنی ہیں لٹکتی ہوئی چیز یعنی اس عورت کو اس حالت میں نہ چھوڑ دو کہ نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی۔ نہ ہی خاوند والی ہو اور نہ ہی مطلقہ۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣١﴾

اگر میاں اور بیوی اکٹھے نہ رہ سکیں اور علیحدگی اختیار کر لیں تو
اللہ اپنی عنایت سے دونوں کی ضروریات پوری کر دے گا۔ یاد
رکھو! اللہ بہت ہی وسیع قدرتوں والا، بہت ہی حکمت والا ہے ◉

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ : اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں؛ دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی کر دے گا۔ امام رازی کہتے ہیں یغنی کل واحدٍ منهما عن صاحبه او انّه یغنی کل واحدٍ منهما بزوجٍ خیرٍ من زوجه الاوّل او بعیش اَهْنأَ من عیشه الاوّلِ۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۲﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔
ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی تاکید کی تھی اور اب تمہیں
بھی تاکید کرتے ہیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور ہم نے انہیں
بھی کہا تھا اور تمہیں بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اس حکم کا انکار کرو گے
تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے کیونکہ جو کچھ آسمان میں ہے اور
جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ تمام ضرورتوں سے
بالا ہے، اپنی ذات میں حمد کے لائق ہے ◉

وَاِنْ تَكْفُرُوْا : علی ارادة القول ای قلنا لهم ولکم (بیضاوی۔ جلالین۔ رازی شوکانی و روح البیان)

ف محذوف عبارت پر دال ہے یعنی لا یتضرّر بکفرکم و معاصیکم (بیضاوی و روح البیان)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

مکرر سن لو کہ جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے، اور اس بات پر خود اللہ گواہ ہے، کسی اور گواہ کی حاجت نہیں ◉

وَكِيْلًا : شَهِيْدًا (جلالین) اللہ کی گواہی خود زمین و آسمان میں موجود ہے۔ ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے۔

وَكِيْل کے معنی کارساز کے بھی ہوتے ہیں اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: تمہیں اللہ کے سوا کسی اور کارساز کی ضرورت نہیں۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

لوگو! اگر اللہ کی یہی مرضی ہو کہ تم کو فنا کر ڈالے تو وہ تم کو فنا کر دے گا اور ایک دوسری خلقت کو تمہاری جگہ لے آئے گا۔

یاد رکھو! اللہ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے ◉

اِنْ يَّشَاْ : یشاء کا مفعول محذوف ہے (بیضاوی و رُوح البیان) گویا آیت کی تقدیر ہے اِنْ یشا ذھابکم یذھبکم۔

اے لوگو! غور کرو کہ کہیں تمہاری بد اعمالیاں نسلِ انسانی کے خاتمہ کا عنوان تو نہیں بن رہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

ع ۱۹ ۸/۱۶ وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

جو کوئی دُنیا کا اجر مانگتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ کے پاس دُنیا کا اجر بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ اللہ ہر بات کو سُنتا ہے، ہر چیز کو دیکھتا ہے ◉

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۶﴾

مومنو! انصاف پر قائم ہو جاؤ اور اللہ کی رضا کی خاطر سچّی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی خود تمہارے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور نزدیکی رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کسی فریق کا امیر یا غریب ہونا تم پر اثرانداز نہ ہو۔ یاد رکھو! اللہ فریقین کا تم سے زیادہ خیرخواہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں عدل و انصاف کو خیرباد کہہ دو۔ اگر تم شہادت میں ہیر پھیر کرو گے یا شہادت دینے سے پہلوتہی کرو گے تو اس کا وبال تمہاری گردن پہ ہو گا۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے تمام اعمال اور ان کے محرکات سے بخوبی واقف ہے ◉

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا: جواب الشرط محذوف (روح البیان)
وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا: ترجمہ میں جواب شرط محذوف لیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۷﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور ان کتب پر جو اس نے اس سے پہلے نازل کیں ایمان لاؤ۔ یاد رکھو! جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے سیدھے راستہ سے بہت دُور بھٹک گیا ہے ◉

الکتاب الاوّل القراٰن و الثانی الجنس (بیضاوی و رُوح البیان)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۸﴾ۭ

اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے اور پھر کفر میں بڑھتے گئے معاف نہیں کرے گا اور نہ اُنہیں سیدھا راستہ دکھلائے گا ◉

اس سے مراد یہودی ہیں جو پہلے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے پھر بچھڑے کی پوجا کرنے لگے پھر تائب ہوگئے، پھر حضرت عیسیٰؑ کا انکار کیا اور پھر خاتم الانبیاء محمد فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۹﴾

اِلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۴۰﴾

اے رسولؐ! ان منافقوں کو جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں بشارت دے کہ ان کے لئے ایک دردناک عذاب مقدر ہے۔

کیا یہ منافق کافروں سے دوستی کرکے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عزت تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے ◉

بَشِّرْ : یہ حسنِ کلام ہے کہ انذار کو بشارت سے تعبیر کیا ہے۔ ایسے کلام کو صنعتِ تعریض کہتے ہیں۔

عِنْدَهُمْ : بموالاتھم (بیضاوی و روح البیان)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۱﴾

مومنو! اللہ نے تمہیں قرآن میں پہلے سے فرما دیا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کسی مجلس میں اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان سے استہزاء کیا جا رہا ہے تو کفر بکنے والوں اور استہزاء کرنے والوں کی ایسی مجلس میں مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی دوسرا موضوع اختیار نہ کرلیں۔ دیکھو! اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تم بھی ان جیسے ہی ہو جاؤگے۔ یاد رکھو! اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنّم میں اکٹھا کرے گا ◉

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ : اس میں مکّی آیت وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (۶ : ۶۹) کی طرف اشارہ ہے۔

سَمِعْتُمْ کے لفظی معنی ہیں تم سُنو۔ ہم نے اُردو محاورہ کے پیشِ نظر اس کے معنی تم دیکھو کئے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ع ۲۰/۱۷

اے رسول! ان منافقوں کو جو اس انتظار میں ہیں کہ تمہارا کیا بنتا ہے بشارت دے کہ ان کے لئے ایک دردناک عذاب مقدر ہے۔
اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو تو وہ کہتے ہیں: کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم تمہارے ساتھ تھے۔ اور اگر کافروں کو کچھ کامیابی حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں: کیا ہم اس سے پہلے تم پر غالب نہیں آگئے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مومنوں سے بچا نہیں لیا تھا۔
مومنو! اللہ قیامت کے دن تمہارے اور منافقوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا ◉

اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ کا عطف اِنَّ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ (۱۴۰) پر ہے۔
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ: منافقوں کا طرزِ کلام ملاحظہ ہو کہ احسان جتانے کے لئے مومنوں کے غلبہ کو اپنا غلبہ بیان کرتے ہیں۔
بَیْنَکُمْ: ای بین المؤمنین و المنافقین بطریق تغلیب المخاطبین علی الغائبین (روح البیان)

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ج وَاِذَا قَامُوْآ اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾

مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ ق صلے لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ط وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾

منافق اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں،لیکن اللہ ان کا فریب خود انہی پر پلٹ دے گا۔ وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو تو دکھلاتے ہیں کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں لیکن دراصل وہ اللہ کا کوئی ذکر نہیں کر رہے ہوتے۔ وہ کفر اور ایمان کے درمیان لٹک رہے ہیں۔ نہ وہ مومنوں میں شامل ہیں نہ کافروں میں۔ اے شخص! جسے اللہ چھوڑ دے تُو اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ دریافت نہیں کر سکتا ◉

کُسَالیٰ یا کَسَالیٰ کَسْلَانٌ کی جمع ہے جو کہ کَسِلَ سے اسم فاعل ہے۔ کَسِلَ کے معنی ہیں وہ سُست ہوُا۔ وہ کاہل ہوُا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۵﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے حضور صریحاً موردِ الزام ٹھہرو؟ ◉

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۶﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

یہ حقیقت ہے کہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے، اور تُو دیکھے گا کہ کوئی مددگار انہیں بچا نہیں سکے گا۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنے طور طریقوں کی اصلاح کر لی اور اللہ کے ساتھ پختہ پیمان کر لیا اور خالص اللہ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیا مومنوں میں شمار ہوں گے۔ یاد رکھو! اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ◉

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

لوگو! اگر تم اس کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ یاد رکھو! اللہ قدردان بھی ہے اور تمہارے سارے اعمال سے بخوبی باخبر بھی ◉

الجزء ۶

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۹﴾

اللہ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کو علانیہ بُرا کہا جائے، البتہ اگر کوئی مظلوم ایسی بات کر بیٹھے تو وہ مواخذہ نہیں کرتا۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سُنتا، سب کچھ جانتا ہے ◉

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ : فلا یواخذہ بالجہر بہٖ (جلالین) رخص لہٗ (شوکانی)

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ استثناء منقطع بھی ہوسکتا ہے اور استثناء متصل بھی۔ متن میں استثناء منقطع کے اعتبار سے معنی کیئے گئے ہیں۔ اگر اس کو استثناء متصل لیا جائے تو مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ اِس میں حذف مضاف ہے اور آیت کی تقدیر ہے الّا جھر من ظلم۔ یعنی سوائے مظلوم کے ظالم کو علانیہ بُرا کہنے کے اللہ کسی کے کسی کو علانیہ بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا (رازی)

ب۔ آیت کی تقدیر ہے لایحب اللہ المجاھر بالسّوء الّا من ظلم۔ یعنی جھر جو کہ مصدر ہے مجاھر یعنی اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے کہ سوائے مظلوم کے ظالم کو علانیہ بُرا کہنے کے، اللہ کسی علانیہ بُرا کہنے والے کو پسند نہیں کرتا (رازی)

اِس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں لایحبّ اللہ الظالم (المجاھر بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ) لکن یحب اللہ المظلوم (مَنْ ظُلِمَ) یعنی اللہ علانیہ بُرا کہنے والے کو یعنی ظالم کو پسند نہیں کرتا البتہ مظلوم کو پسند کرتا ہے (شوکانی) ان معنوں کے اعتبار سے اِلَّا منقطع ہوگا۔

اِلَّا کے معنی وَلَا کے بھی ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کی تقدیر ہو گی لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ وَلَا مَنْ ظُلِمَ۔ یعنی اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کو علانیہ بُرا کہا جائے حتیٰ کہ اگر مظلوم بھی ایسی بات کرے تو وہ پسند نہیں کرتا (انموذج)

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٥٠﴾

تم چاہو تو اپنی نیکی کو ظاہر کرو چاہو تو اس کو چھپاؤ۔ اور تم چاہو تو اس بُرائی کو جو تم سے کی گئی ہو معاف کر دو۔ ہاں اگر تم بدلہ لینے

کی قدرت کے باوجود معاف کرو گے تو اللہ کو بھی اپنے معاملہ میں
باوجود قدرتِ تامہ کے بہت معاف کرنے والا پاؤ گے ◉

یہ مضمون قدیرًا سے پیدا ہو رہا ہے۔ رُوح البیان والا کہتا ہے وجواب الشرط یدل علی ان الحمدۃ ھو العفو مع القدرۃ۔ نیز معاف تو انسان تبھی کر سکتا ہے جب بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہو ورنہ ع

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اِس آیت میں اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ تشبیب اور تمہید کے طور پر آیا ہے اصل مقصود بیان ان تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفوًا قدیرًا ہی ہے چنانچہ بیضاوی کہتا ہے (او تعفوا عن سوء) ھو المقصود وذکر ابداء الخیر واخفاءہ تشبیب له ولذلك رتب علیہ قوله (فان اللہ کان عفوًا قدیرًا) صاحبِ کشاف اور رُوح البیان بھی یہی کہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۱﴾ لا

اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۲﴾

دیکھو! وہ لوگ جو اللہ کا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں[1]
اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار
کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے بین بین کوئی راہ
اختیار کرلیں کافر ہیں۔ایسے کافروں کے لئے ہم نے ایک ذلیل کردینے
والا عذاب تیار کر رکھا ہے ◉

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع ۲۱

البتہ وہ لوگ جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور
اس کے رسولوں کے درمیان کسی میں فرق نہیں کرتے، اللہ ضرور انکو
ان کا اجر دے گا، اور وہ دیکھیں گے کہ اللہ بہت ہی معاف
کرنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے ◉

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ
السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا
اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

---

[1] یعنی اللہ کو تو مان لیں اور اس کے رسولوں کا انکار کریں ایسے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولوں دونوں کا
منکر کہا گیا ہے ۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ج وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۴﴾

اے رسُول! اہلِ کتاب تجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تُو خود ان پر آسمان سے کوئی کتاب اُتارے، لیکن تجھے اس پر آزردہ خاطر ہونیکی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے موسٰی سے اس سے بڑھ کر مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے اسے کہا تھا: ہمیں اللہ عیاناً دکھلا دے، چنانچہ ان کی اس بے راہ روی اور ظلم کے نتیجہ میں ان پر بجلی گر پڑی۔ پھر یہی نہیں کہ انہوں نے موسٰی سے یہ مطالبہ کیا، اس کے بعد انہوں نے بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی، اور وہ بھی روشن دلائل آچکنے کے بعد۔ لیکن اگرچہ ہم نے موسٰی کو ان پر کھلا کھلا غلبہ عطا کیا، ہم نے ان کا یہ قصور بھی مُعاف کر دیا ◉

ف عبارت محذوف پر دلالت کرتا ہے (دیکھو بیضاوی۔ شوکانی و رُوح البیان)

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۵﴾

اور ہم نے ان سے عہد لیتے وقت ان پر طُور کو بلند کیا[1] اور انہیں حکم

---

[1] یعنی یہ عہد دامنِ کوہ میں لیا ✤

دیا کہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہو تو اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ داخل ہونا۔ اور ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ سبت کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ اور ہم نے ان سے ایک پختہ عہد لیا ۝

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۠ ﴿۱۵۶﴾

لیکن انہوں نے اپنے تمام عہد و پیمان توڑ دئے۔ سو اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے عہد و پیمان توڑ دئے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اس وجہ سے کہ وہ انبیاء کو ناحق قتل کرنے کے درپے رہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے دل علوم کا خزانہ ہیں، وہ ہماری لعنت کے نیچے آ گئے۔

لیکن علوم کے خزانے ہونا تو کجا، اللہ نے ان کے دلوں پر انکے کفر کے سبب مُہر کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ۝

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ : ادعیۃ العلوم (بیضاوی۔ رُوح البیان۔ رازی۔ شوکانی۔ مفردات ولغات القرآن)

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں: کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں یعنی تمہاری باتیں ہم پر اثر نہیں کر سکتیں۔

غُلْفٌ ۔ اَغْلَفُ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں غلاف میں بند یعنی جس میں اور کچھ داخل نہیں ہو سکتا یا

جو کچھ چاہیئے تھا اس میں داخل ہو چکا ہے اب مزید کی ضرورت نہیں۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ﴿۱۵۷﴾

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۸﴾

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۹﴾

اور وہ اِس لئے بھی ہماری لعنت کے نیچے آ گئے کہ انہوں نے مسیح کا انکار کیا اور مریم پر بہت بڑا بُہتان باندھا، اور اِس لئے بھی کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰی مسیح کو جو کہ اللہ کا رسُول تھا قتل کر دیا ہے، لیکن انہوں نے نہ ہی تو مسیح کو قتل کیا اور نہ ہی اسے مصلوب کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ یاد رکھو! جن لوگوں نے اِس بارہ میں اختلاف کیا ہے وہ شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس کوئی قطعی علم نہیں، محض بے بنیاد باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہاں یہ

یقینی بات ہے کہ یہودی مسیح کو قتل نہیں کر پائے۔ ان کے ہاتھوں
سے قتل کروا کر اس کو ذلیل کروانا تو کجا اللہ نے مسیح کو اپنے حضور
بلند مقام عطا فرمایا۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات پر غالب ہے، اس کی ہر بات
میں حکمت ہے ◉

متن میں بِكُفْرِهِمْ کا عطف فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پر لیا گیا ہے۔ اگر اس کا عطف بِكُفْرِهِمْ پر لیا جائے تو آیت کے مندرجہ ذیل معنی ہوں گے: اور اللہ نے ان کے دِلوں پر اس لئے بھی مُہر کر دی ہے کہ انہوں نے مسیح کا انکار کیا۔

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنے والے اس کو اللہ کا رسول کیونکر کہہ سکتے تھے۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا کہنا استہزاءً تھا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (۱۵: ۷) اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (۲۶: ۲۸) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ کے الفاظ یہودیوں کے قول کا حصّہ نہ ہوں بلکہ اللہ کا قول ہو۔

صلبہ کے معنی ہیں اس نے اسے صلیب دے کر مار دیا، crucify کیا (لین۔ اقرب)

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ: وقع لهم التشبه فی الامر (بیضاوی)

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ: یہودی مسیح کو مصلوب کرنے پر اس لئے بضد تھے تاکہ ثابت کریں کہ وہ ملعون ہے کیونکہ تورات میں کہا گیا تھا ان المعلق ملعون من اللّٰہ (استثناء ۲۱: ۲۳) یعنی جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ خدا کا ملعون ہے۔

افسوس کہ عیسائیوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ مسیح مصلوب ہو کر نعوذ باللہ ملعون ہو گئے تھے، لیکن قرآن ان کی برأت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ملعون یعنی خدا سے دُور ہونا تو کُجا وہ تو خدا کا برگزیدہ بندہ تھا اور خدا نے اسے اپنے حضور قُرب کا بلند مقام عطا فرمایا تھا۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ج

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۶۰﴾

اور اہلِ کتاب میں سے کوئی فرد ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے اس رسول پر ایمان نہ لائے، اور یہ رسول قیامت کے دن تمام ان لوگوں کے خلاف گواہی دے گا جو ایمان نہیں لاتے ●

اہلِ کتاب سے مُراد سچے اہلِ کتاب ہیں یا اس زمانہ کے تمام وہ اہلِ کتاب جن تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔

قَبْلَ مَوْتِهٖ کی دوسری قراءت موتہم ہے (بیضاوی)

طبری۔ ابن کثیر اور شوکانی کے نزدیک لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ میں ہ کا مرجع رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو لینا جائز ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۱﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے، اور ان کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے اکثر روکنے کی وجہ سے، اور ان کی اُس سُودخوری کے سبب جس سے کہ انہیں منع کیا گیا تھا، اور ان کے لوگوں کے مال ناحق کھانے کی وجہ سے، ہم نے بعض پاک چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں ان پر

حرام قرار دے دیں۔ اور ہم نے ان میں سے ان لوگوں کے لئے جو
کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ◉

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا : اس کے معنی "ان کے اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے" بھی ہو سکتے ہیں۔ کشاف۔ بیضاوی۔ روح البیان اور شوکانی کہتے ہیں ناسًا کثیرًا او صدًّا کثیرًا۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٣﴾ ع ٢٢

لیکن ان میں سے ان لوگوں کو جو علم میں پختہ ہیں، اور ان مومنوں کو جو اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی (یعنی وہ لوگ جو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں) اور ان لوگوں کو جو زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ہم بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے ◉

اَلْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کے نصب کی مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:-

۱ - یہ نصب علی المدح ہے۔ گویا اس کے معنی ہیں واعنی المقیمین الصّلوٰۃ یعنی خصوصًا وہ لوگ جو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۲ - اس کا عطف بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کے ما پر ہے اور آیت کی تقدیر ہے یؤمنون بما انزل الیک وبما انزل من قبلک وبالمقیمین الصّلوٰۃ۔ اس اعتبار سے مُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ سے مراد انبیاء

اور ملائکہ ہیں۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اور ان مومنوں کو جو اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی اور انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لاتے ہیں۔

۳۔ اَلْمُقِیْمِیْنَ سے پہلے بدین محذوف ہے اور آیت کی تقدیر ہے بدین المقیمین الصّلٰوۃ یعنی ان لوگوں کے دین پر ایمان لاتے ہیں جو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں یا انبیاء اور ملائکہ کے دین پر ایمان لاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو شوکانی اور املاء)

اِس آیت میں اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتدا ہے۔ اس کی خبر یا تو جیسا کہ متن میں معنی کئے گئے ہیں اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ہے یا یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں آیت کے مندرجہ ذیل معانی ہوں گے: لیکن ان میں سے وہ لوگ جو علم میں پختہ ہیں اور مومن اور خصوصاً وہ لوگ جو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم بہت بڑا اجر عطا کریں گے۔

یہ بھی جائز ہے کہ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کو وَالْمُؤْمِنِیْنَ پر عطف نہ کیا جائے بلکہ مبتدا بنا کر اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا کو اس کی خبر بنایا جائے۔ اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: لیکن ان میں سے وہ لوگ جو علم میں پختہ ہیں اور مومن اور خصوصاً وہ لوگ جو نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور ہم ان لوگوں کو جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایک بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ
مِنْۢ بَعْدِہٖ ج وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ
اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ

وَ يُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ (۱۶۳)

اے رسول! ہم نے تجھ پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح ہم نے نوح پر اور اس کے بعد آنے والے انبیاء پر نازل کی۔ اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسٰی، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان پر نازل کی۔ اور ہم نے تجھے اسی طرح کتاب عطا فرمائی جس طرح ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی ◉

جیسا کہ رُوح البیان کا قول ہے وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا کا عطف اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ پر ہے گویا آیت کی تقدیر ہے انّا اوحینا الیک الکتٰب کما اٰتینا (ای اوحینا الی) داؤد زبورًا۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا کا عطف فعل محذوف و اٰتیناک الکتٰب پر بھی ہوسکتا ہے۔ گویا آیت کی تقدیر ہے واٰتیناک الکتٰب کما اٰتینا داؤد زبورًا۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ (۱۶۵)

اور اے رسول! ہم نے تجھے اسی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے ان رسولوں کو بھیجا تھا جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم سے اس سے پہلے بیان کر دئے ہیں اور بعض کے نہیں کئے۔ اور اللہ نے تیرے ساتھ اسی طرح کثرت سے کلام کیا ہے جس طرح موسٰی کے ساتھ کیا تھا ◉

رسلًا نصب بمضمر دل علیہ اوحینا الیک (بیضاوی و رُوح البیان)

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا : عطف على انا اوحينا اليك (روح البیان)

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٦﴾

ہم نے تمام رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تاکہ ان کی بعثت کے بعد لوگ اللہ پر کوئی عذر نہ رکھ سکیں۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات پر غالب ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

حُجَّةٌ : معذرة (روح البیان)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿١٦٧﴾

یہ لوگ ان تمام اسناد کے باوجود قرآن کی صداقت پر گواہی نہیں دیتے، لیکن اللہ اس کلام کی صداقت پر گواہی دیتا ہے جو اس نے تجھ پر نازل کیا ہے۔ اس نے یہ کلام اس علم پر مشتمل نازل کیا ہے جو اس کی ذات سے خاص ہے۔ اور ملائکہ بھی اس کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے بعد کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں ◉

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ : استدراك عن مفهوم ما قبله فكانه قال انهم لا يشهدون ولكن الله يشهد (کشاف ۔ بیضاوی ۔ رازی ۔ روح البیان وشوکانی)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۸﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًاۙ ﴿۱۶۹﴾

اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۷۰﴾

وہ لوگ جو خود بھی کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں راہِ راست سے بہت دُور بھٹک گئے ہیں۔ اللہ ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور ظلم کو اپنا شیوہ بنا لیا، اور نہ ہی وہ ان کو جہنّم کے علاوہ کسی اور راہ کی طرف ہدایت کرے گا، وہ ان کو جہنّم میں داخل کرے گا جہاں وہ ایک مدتِ مدید تک رہیں گے۔ یاد رکھو! اللہ کے لئے ان کو ہمیشہ جہنّم میں رکھنا بہت آسان ہے ◉

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا : حال مقدرة من الضمير المنصوب والعامل فيها ما دل عليه الاستثناء دلالة واضحة كانه قيل يدخلهم جهنّم خٰلدين فيها ابدًا (روح البیان وشوکانی)

كَانَ ذٰلِكَ : اى جعلهم خٰلدين فيها (روح البیان)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

لوگو! وہ رسول جس کے تم انتظار میں تھے تمہارے پاس تمہارے
ربّ کی طرف سے وہ تعلیم لے کر آیا ہے جو تمہاری تمام ضروریات کو
پُورا کرتی ہے، پس تم اس پر ایمان لاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا،
لیکن اگر تم اس کا انکار کروگے تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے
کیونکہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ یاد رکھو!
اللہ ہر بات کو جانتا ہے، اس کی ہر بات میں حکمت ہے ◉

اَلرَّسُوْلُ : ال معہود ذہنی پر دلالت کرتا ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : ف محذوف عبارت پر دلالت کرتا ہے چنانچہ بیضاوی کہتا ہے فھو غنی عنکم لا یتضرر بکفرکم۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا
خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ

لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۲﴾ ع ۲۳ ۹ ۴

اے اہلِ کتاب! اپنے مسلک میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہو جو سچی نہیں۔ یاد رکھو! مریم کے بیٹے مسیح کی اس سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں کہ وہ اللہ کا رسول تھا اور اس بشارت کے نتیجہ میں پیدا ہوُا تھا جو اللہ نے مریم کو دی تھی اور اللہ کی بنائی ہوئی ایک رُوح تھی۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ تثلیث سے باز آجاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ یاد رکھو! اللہ ہی اکیلا معبود ہے۔ وہ اِس بات سے بہت بلند ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ تمہیں اللہ کے علاوہ کسی اَور محافظ کی ضرورت نہیں ◉

کَلِمَۃ کے معنی بشارت کے بھی ہیں (فتح البیان وشوکانی) کشاف کہتا ہے وقیل لعیسٰی کلمۃ اللہ وکلمۃ منہ لانہ وجد بکلمتہ وامرہٖ۔

شوکانی کہتا ہے وقیل الکلمۃ ھٰھنا بمعنی الآیۃ ومنہ وصدّقت بکلمات ربھا (۶۶ : ۱۳) اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: اور اس کا نشان تھا جو اس نے مریم کو دیا۔

وَرُوْحٌ مِّنْهُ: وروح صدر منہ (بیضاوی)

وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا: وَکِیل کے معنی نمائندہ کے بھی ہوتے ہیں اِس اعتبار سے آیت کے معنی ہوئے اللہ کو کسی نمائندہ کی ضرورت نہیں۔ فانی انسانوں کو اپنی نیابت کے لئے بیٹے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اللہ تو حی اور قیوم ہے پھر اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا

الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ
يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

نہ ہی مسیح اور نہ ہی مقرب ملائکہ اللہ کے بندے کہلانے میں کوئی عار سمجھتے ہیں۔جو کوئی اللہ کی بندگی کو عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تمام خلائق کو جلد اپنے حضور جمع کرے گا ◉

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ
وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ
اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

پھر وہ تمام ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے انکا پورا پورا اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے ان کے اجر کو اور بھی بڑھا دے گا، لیکن ان لوگوں کو جو اس کی بندگی کو عار سمجھتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں وہ ایک دردناک عذاب دے گا اور وہ دیکھ لیں گے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا والی ہے نہ مددگار ◉

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِىْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ؕ ﴿۱۷۶﴾

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تم پر وہ نور نازل کیا ہے جو حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کا سہارا ڈھونڈیں گے وہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں داخل کریگا اور ان پر فضل کرے گا، اور انہیں سیدھی راہ دکھلائے گا جو اس کے حضور لے جاتی ہے ◉

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ ع ۲۴ ۵ ۴

۱۷۶- اے رسول! یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کلالہ کی وراثت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تُو ان سے کہہ: اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر مرنے والا مرد ہے جس کے کوئی اولاد نہیں لیکن اس کی بہن ہے تو اسے اس کے ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا۔ لیکن اگر مرنے والی عورت ہے جس کے کوئی اولاد نہیں تو اس کا بھائی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔ اور اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہیں تو وہ اس کے ترکہ کے دو تہائی کی حقدار ہوں گی۔ اور اگر مرنے والے کے بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ ملے گا۔

اللہ تمہیں اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست سے بھٹک نہ جاؤ۔ یاد رکھو! اللہ ہر بات کو جانتا ہے

دیکھو نوٹ زیر آیت ۱۳- آیت ۱۳ میں اس کلالہ کا ذکر ہے جو اپنے پیچھے اخیافی (ماں ایک باپ الگ الگ) بہن بھائی چھوڑے۔ اِس آیت میں اس کلالہ کا ذکر ہے جو اپنے پیچھے اعیانی (ایک ہی ماں باپ) یا علّاتی (باپ ایک ماں الگ الگ) بہن بھائی چھوڑے۔

یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ: ای فی الکلالۃ حذفت لدلالۃ الجواب (بیضاوی)

(نفیس پرنٹرز لاہور)